

DAMAGE BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222149

UNIVERSAL
LIBRARY

OUP 331-5-3-74-15,000

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

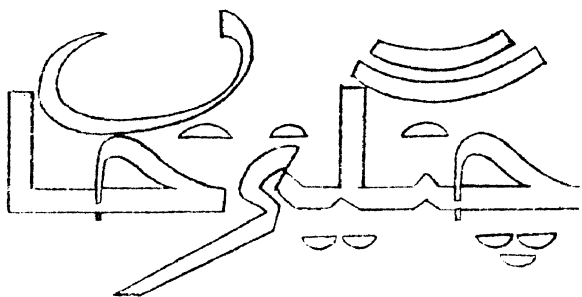
Call No. ۸۹/۵۸۳۳۳ Accession No. 17787

Author ۳ / ۴۴۸۷

Title

کتابخانه

This book should be returned on or before the date last marked below.



تاریخی واقعات سے بہرہ روزہ غینیا والے

☆

نہیں احمد عفری

ناشر

۱۷۷۱



ایک کشت و خون سے لبریز داستان

انتساب!

ابو طالب نقوی کے نام!

- اس نے انہیں کہ دو سابق امتین سہل سروس اور حال پاکستان پیپر سروس کے ممتاز رکن ہیں۔
- اس نے ابھی نہیں کہ وہ گریڈ کے چیف کسٹمر ہیں اور جن کی شان و شوخیت حاسدوں کو بغضِ اعظم کے دیپ میں نظر آتی ہے۔
- صرف اس نے کو ایک اچھے اور پکے اور شریف انسان ہیں۔

رئیس احمد جعفری

عالم اسلام پر چنگیز بجلی بن کر گرہا تھا۔ اور اس نے امن و امان، عافیت اور سکون کی کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا!

مقتول مسلمانوں کی اگر قبرست تیار کی جائے تو معلوم ہوگا، اس ہر سو برس کی مدت میں جتنے مسلمانوں کو چنگیز کی تیغ خون آشام نے موت کے گھاٹ اتارا، وہ سب سے زیادہ تھے!

چنگیز کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ ساری دنیا اس کے خوف سے لرزہ بر اندام تھی، وہ بغیر لڑے جیتا جاتا تھا، اس کے دربار میں وقت کے لوک و سلطانین، باہرہ جاہ و جلال، چاکر کمترین کی طرح حاضر ہوتے تھے۔

لیکن.....

مارتھ کی ایک دل آویز شخصیت..... جلال الدین خوارزم شاہ.....

ایسی ہے جس نے قدم قدم پر چنگیز کا ستارہ کیا۔ اس کے تکبر اور نخوت کو پاؤں تلے روندنا اس کی جوج الارض اور سخت شخصیت کو لاکھرا۔ اس کی بے پناہ اور ہلاکت خیز قوت و طاقت سے ٹکمر لی جس نے بے سر و سامانی کے باوجود دینکے اس سب سے بڑے شہنشاہ کا اس طرح مقابلہ کیا کہ بالآخر اس نے ہار مان لی۔

ہی دامن آپ اگلے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

(ناشی)

قلندر چڑھ باز آسمانہا
بہ بال روسبک گرد گردانہا
فضائے نیلگوں نچسہ کاش
نمی گرد و گرد آشیانہا

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے؟

قصر شاہی

علاء الدین غور از دم شاہ جڑے دہ بدادہ شان و شکوہ کا خرمیاں رو اٹھا۔
 عادل شجاع دلاور، سب پر، ہمد صفت موصوف تھا۔ ادا کے اعتبار سے بھی
 اس کی خوش بختی لائق رشک تھی، کئی لڑکے تھے، سب کے سب سورما اور جیسے
 لیکن ان سب میں جلال الدین، اپنے باپ کے، طرہ داری و ادب و قار کے اعتبار سے
 سارے خاندان میں ممتاز تھا۔ وہ ابھی بچہ نہ تھا، لیکن بڑے بوڑھوں کے کان کھڑتا
 تھا، فکر خیال کے اعتبار سے بھی۔ وہ نہ صرف اپنے خاندان میں بلکہ مشرقی و وسطیٰ کے
 تمام شاہزادوں میں یکتا اور منفرد تھا، بظاہر اس کے لئے اس کا کوئی موقع نہیں تھا کہ
 وہ باپ کا جانشین بن سکے، موردی بادشاہت عمر کو دیکھتی ہے، اہلیت اور صلاحیت
 کو نہیں دیکھتی، وہ اہلیت و صلاحیت کے اعتبار سے فرد فرید تھا، لیکن عمر میں بازی
 لے جانا اس کے بس سے باہر تھا، کئی بھائی اس سے عمر میں بڑے تھے، اور بھائی ہر وہ
 اسی لئے اس دنیا میں آیا تھا کہ ایک شاہی خاندان میں پیدا ہو کر، ساری زندگی عیش
 و راحت اور آرام و آسائش میں گزار دے، لیکن اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے

وہ بڑا مچھلا تھا۔ اور آثار کبے دیتے تھے کہ ایک دن وہ اپنے ہم عمروں اور محاصرہ میں سے کہیں زیادہ اگے بڑھ جائے گا۔ بہت ممکن ہے وہ مشرق وسطیٰ میں اپنے وقت کا سب سے بڑا فرماں روا ثابت ہو۔

ایک روز کا واقعہ ہے :

علاء الدین خوارزم شاہ ایک ہم کے سلسلہ میں پایا تخت سے باہر گیا ہوا تھا، جب کبھی وہ باہر جاتا تھا تو اس کے درکوں کے لئے عید ہو جاتی تھی چنانچہ سب نے سیر و شکار پر درگرم بنایا۔ مصاحبوں اور مرادوں کو اکٹھے کیا۔ دوستوں اور نذیبوں کو ساتھ لیا۔ اور کوئی کدھر، کوئی کسی طرف روانہ ہو گیا۔ باری باری سب نے حلال الدین سے اصرار کیا کہ وہ بھی ساتھ چلے لیکن کوئی اصرار بھی اس کے اکٹھا ہونے کے اصرار سے بدل سکا۔ آخر سب لوگ چلے گئے، اور وہ اپنے دوسرے علمی اور سیاسی مشاغل میں مصروف و متنبہ رہا۔

مغرب کی ساز کے بعد بالعموم اس کے خاص مذاہب مذہب اور مصاحب اسکے غلط کدہ میں جمع ہوتے تھے، اس مجلس میں نہ عیش و طرب کے پروگرام ملتے تھے، نہ ہوا و ہوس کی کہانیاں بیان کی جاتی تھیں۔ نہ لطف و زندگی اور لذت حیات کے منصوبے تیار کئے جاتے تھے۔ نہ دوستوں سے یہ وعدہ کیا جاتا تھا کہ جب ہمارا وقت آئے گا تو نا اہلی اور نالائقی کے باوجود ہمیں اپنے اپنے منصبوں پر فائز کیا جائیگا، نہ دشمنوں اور مخالفوں کو دھمکیاں جاتا تھا کہ آج اگرچہ تم ہمارے در سے باہر ہو لیکن جب عنان اقتدار و اختیار ہمارے ہاتھ میں آئے گی، تو تمہیں اور تمہارے بچوں کو گوشتوں میں پلو ادا کیا جائے گا، جا بید اور ضبط کر لی جائے گی، اور کسی شتم کے رحم و رعایت کا سہوہ نہیں کیا جائے گا، ان باتوں کے برعکس اس مجلس میں، علماء، صلحا، اور اسوہ دین و ملت کا ذکر ہوتا تھا

ان کے احوال و سوانح زیر بحث لائے جاتے تھے، قرآن اور حدیث کی تفسیر و تشریح پر گفتگو ہوتی تھی۔ فقہ اور سیاست کے مسائل پر تبادلہ خیال کیا جاتا تھا....
سلاطین ماضیہ کے روشن اور تابناک کارنامے زیر بحث لائے جاتے تھے۔ اور ملت اسلامیہ کی فلاح و صلاح کے مختلف پہلوؤں پر مشورت ہو کر کرتی تھی۔

جلال الدین خوارزم شاہ کا خلوت کہ وہ بیک وقت سیاست کہ دیکھی تھا، بزم شادی بھی اور ایوان علم و ادب بھی !

آج بھی مغرب کے بعد یہ مجلس جی ہوئی تھی
حاضرین میں سے ایک شخص نور الدین نے کہا :
”عجب ہے ان دلچسپیوں میں حصہ نہیں لیتے، جن میں آپ کے برادران والا تربیت اور دوسرے افراد فاضلانہ حصہ لیتے رہتے ہیں۔“

جلال الدین نے جواب دیا :
”ہاں بھئی! اپنی اپنی طبیعت ہے !
ایک دوسرے شخص عین الملک نے کہا
”آپ بھی عجیب قسم کے شاہزادے ہیں، آپ کو تو مولوی ہونا چاہیے تھا !
جلال الدین : ہر آدمی وہی ہوتا ہے جس کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے، خواہ وہ کسی
ملا کے گھر پیدا ہو، یا بادشاہ کے محل میں !
عین الملک : آپ کا رجحان طبع کیا ہے ؟ —

جلال الدین : قوم اور ملت کی خدمت !
نور الدین : اگر کبھی وہ وقت آیا کہ اختیار و اقتدار کی باگ آپ کے ہاتھ میں آئی تو

آپ کیا کریں گے۔

جلال الدین: دسکرا کر تم جیسے درست کو قاضی القضاۃ بناؤں گا۔ نہ کسی دشمن کی گردن کاٹوں گا، ہر شخص کو دہ دوں گا جس کا دہ مستحق ہوگا، اور دہ چھین لوں گا جسکے اسے استحقاق نہیں!

عین الملک: تو پھر میں اپنے مستقبل سے مایوس ہو جانا چاہیے؟
جلال الدین: اگر تم نے مجھ سے دوستی کا رابلہ اس لئے قائم کیا ہے کہ نا جائزہ فائدے اٹھاؤ تو ضرور مایوس ہو جانا چاہیے۔ میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ مجھ سے کوئی غلط امید قائم کرے۔ نہ میں کسی سے کوئی غلط قسم کی توقع کرتا ہوں!

نور الدین: وفاداری ہماری سرشت بن چکی ہے، آپ ہیں نوازیں۔ یا معتبوب قرار دیں۔ ہم بہر حال آپ کے پسینہ پر اپنا خون بہا دیں گے،
جلال الدین: یہ الگ بات ہے اس زمانہ میں وفاداری کا معیار بھی غیر اسلامی ہو گیا ہے!
عین الملک: یہ آپ نے عجیب بات فرمائی۔

جلال الدین: میں غلط نہیں کہتا..... تم لوگ غیر مشروط وفاداری کے عادی ہو چکے ہو۔ یہ غلامانہ ذہنیت ہے۔ اسلام اسے پسند نہیں کرتا۔ اسے مکروہ قرار دیتا ہے!

عین الملک: تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ وفاداری مشروط ہونی چاہیے؟
جلال الدین: ہاں یہی مطلب ہے!

عین الملک: تو پھر یہ وفاداری نہ ہوتی کا رد بار ہو گیا..... کم از کم میں تو یہی سمجھتا ہوں! اور شاید یہ غلط نہیں سمجھتا!

جلال الدین، تمہارا خیال صحیح ہے۔ و ناداری ذات سے نہیں مقصد سے ہوتی چاہیے !
 نور الدین: ذات اور مقصد تو دو باعمل الگ الگ چیزیں ہیں۔

جلال الدین: ہاں اور انہیں الگ ہی رہنا چاہیے اور مجھ میں کون سے سرفراب
 کے پر لگے ہیں کہ تم ہر حالت میں میرے پسینہ پر اپنا خون بہاؤ؟
خون بڑی قیمتی چیز ہے اسے بیکار نہیں بہنا

چاہیے !

عین الملت: ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ خون صرف اس لئے ہے کہ آقا پر ہے۔

جلال الدین: آتا؟ اسلام میں غلام اور آقا کوئی چیز نہیں ہر شخص اپنی

زندگی کا مالک ہے اور یہ زندگی خدا کی امانت ہے، یہ صرف خدا ہی کے

راستے میں صرف ہو سکتا ہے، اسے صرف خدا ہی کے لئے قربان ہونا

چاہیئے چچا پوچھو تو، آج جو ہم ادبار و انحطاط کے شکار ہو رہے

ہیں، وہ اس لئے، اگر ہم نے آقا پرستی کو اپنا شعار نہ بنایا ہو تا بلکہ مقصد

اور اصول کے لئے جینا اور مرنا سیکھا ہو تا تو آج ہماری قوم زوال آستانہ

ہوتی، اور جب تک ہم یہ نہ سیکھ لیں گے، ترقی کی منزل ہم سے دور ہوتی جائے

گی، ادبار ہم پر غالب آتا جلتے گا!

نور الدین: بات تو یہی ہے جو آپ نے فرمائی، لیکن معیت یہ ہے کہ ہم دفعتاً اپنے

معاشرہ کو بدل بھی تو نہیں سکتے اور اگر یہ لئے کی کوشش کریں تو

جگہ اس کے کامیاب ہوں، طرح طرح کی مشکلات اور مواعظ

سنا کر وہ جائیں گے!

جلال الدین: یہ کم ہمتی کی باتیں ہیں انسان میں اگر عزم و ہمت ہو تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے کوئی شکل بھی اس کا راستہ نہیں روک سکتی
 عین الملت: آخر اس وقت آپ کے دل میں یہ خیال آیا کیوں؟
 جلال الدین: اس لئے کہ اس حقیقت کو ہاشنگانہ طور پر سمجھ لینے کی جتنی اس وقت ضرورت ہے کبھی نہیں تھی، اگر اب بھی ہم نے اس حقیقت کو نہ سمجھا، تو وہ وقت جلد آنیوالا ہے جب کہ اسے انورس کرنے کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔

نور الدین: آپ کی باتوں سے تو ایسا اندازہ ہوتا ہے جیسے کوئی خطرہ منہ لاتا ہوا آپ کو نظر آ رہا ہے۔ کیا واقعی؟

جلال الدین: ہاں بہت بڑا خطرہ، جہیب اور ہولناک خطرہ، ایسا خطرہ جو کسی ایک شخص کیلئے نہیں ایک خاندان کے لئے نہیں، ایک ملک کے لئے نہیں ساری ملت اسلامیہ کے لئے ہے، جس کا دانا اگر اب نہ کیا گیا تو کبھی بھی نہیں بڑھ سکے گا جس کے مقابلہ کی تیاریاں اگر آج نہ کی گئیں، تو پھر اس کے مقابلہ میں شکست ہزیمت، پسپائی، اور ذلت کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔ یہ وہ خطرہ ہے جو اسلام کے لئے، ملت اسلامیہ کے لئے، اسلامی تہذیب و تمدن کے لئے، اسلامی معاشرت اور ثقافت کے لئے، اسلامی علم و ادب کے لئے، اسلامی تعمیر اور ترقی کے لئے، ہلاکت ہے، روبرو بادی ہے تباہی ہے!

نور الدین: لیکن اس کا علاج؟

جلال الدین :- باہم الصفات، صرف اتفاق باہمی،
عین الملّت :- لیکن موجودہ حالات میں بے اتفاقی کچھ ممکن ہے، اور اگر ناممکن ہے
تو اتفاقی باہمی یہ نہیں ہو سکتا!

جلال الدین :- ہم مختلف فکر و لوگوں میں بٹے ہوئے ہیں، ہم مختلف علاقوں پر حکمرانی کر رہے
ہیں، لیکن یہ نہیں سوچتے کہ چار ڈھکی بکھری ہوئی سیکیاں صرف اس لئے ہوتی
ہیں کہ ہوا کا جھونکا آئے اور انہیں اٹھالے جائے، خلافت عباسیہ کے
جاہ و جلال پر ہمیں فخر ہے، لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ اندر سے کھوکھلی
ہو چکی، دولت خوارزم شاہی کے پسینہ پر، تم میں بہت سے لوگ اپنا خون
بھانے کو تیار ہیں۔ لیکن کیا یہ دولت، کسی بڑی طاقت کا مقابلہ کر سکتی ہے
مسلمانوں کی اور بھی بہت سی حکومتیں ہیں، انہیں اپنی انفرادیت
پر اصرار بھی ہے، اور ناذ بھی، لیکن جس دن وہ طوفان آیا، جس کا میں
نے ابھی اشارہ کیا ہے تو ان میں سے ایک حکومت بھی اس کا وار نہیں کر سکے
گی۔ اس کے برعکس اگر ہم متحد ہوں، متفق ہوں، ایک دوسرے کے دکھ
ور د کے شریک ہوں، چھوٹے مفاد کو بڑے مفاد پر قربان کرنے کا جو صلہ
دیکھتے ہوں تو ہم پھر وہ طاقت بن سکتے ہیں، جس کے رعب و ادب سے
یہ پہنائے عالم کا پناہ کرتا تھا۔ ہماری عظمت کوئی بہت پرانی کہانی نہیں
حال کا واقعہ ہے، تاریخ کے صفحات جاری عظمت کی داستان بیان
کرتے ہیں۔ دنیا کے چپہ چپہ پر ہماری سطوت اور ہر دفر کے آثار و نقوش
موجود ہیں، آج صرف اسی صورت میں باقی رہ سکتے ہیں، کہ ہم ان کے

باقی رکھنے پر اڑ جائیں گے !

نور الدین : ہم انہیں باقی رکھیں گے !

عین الملّت : ہم ان کے حفظ و بقا کے لئے کتہریں گے !

نور الدین : آپ حکم دے کر دیکھ لیجئے ،

عین الملّت : حکم نہیں ، صرت اشارہ کر کے دیکھ لیجئے ، کسی اشارہ اور کسی قربانی سے ہم

دریغ نہیں کر سکتے ، اسلام کی حرمت ، قوم کی عظمت ، ملت کی عزت کیلئے

ہم خون کی دریاں بیا دیں گے لیکن اب تک نہ معلوم ہو سکا

وہ کون سا خطروہ جو آپ کو نظر آ رہا ہے ، لیکن میں دکھائی

نہیں دیتا !

جلال الدین : کیا تم لوگوں نے چنگیز کا نام نہیں سنا ۔

نور الدین : چنگیز ؟ وہ لیٹر ۹ ؟ وہ صحرائی گوبنا سرہنے

والا راجد گنبد اور کندہ ناتراش انسان جو نہ کھنا جانتا ہے نہ پڑھنا

جو نہ تہذیب سے ، نہ آئینے نہ تمدن سے ، جسے نہ کھانا آتا ہے ، نہ پہننا ؟

عین الملّت : ہم تو سمجھتے تھے واقعی کوئی خطروہ ہوگا ؟

جلال الدین : وطن کے ساتھ ، ادربات بہت معمولی تھی ؟

عین الملّت : گستاخی معان میں تو اسے خطروہ سمجھنے کے لئے مطلق تیار نہیں

ہوں ، وہ ہمارا گیا کر سکتا ہے ، اگر اس لئے ہمارے مقابلہ میں آنے کی

جرات کی ، تو جو تھوڑا بہت کام اس نے اپنے جیسے گنوار دل پر فتح

حاصل کر کے پیدا کیا ہے ، اسے بھی ڈبہ دے گا !

جلال الدین :- نہیں تم نہیں سمجھتے، وہ ایک بہت بڑی طاقت ہے، بہت بڑا
فتنہ ہے، ایک ایسا طوفان ہے، جس کی ٹھکر سہنا ناممکن ہے۔

نور الدین :- ممکن ہے آپ کا خیال سمجھ رہی ہو۔

عین الملک :- لیکن مجھے شبہ ہے، اس کی صحت میں۔

جلال الدین :- میرے بھائی صرف تم ہی کو نہیں، بہنوں کو شبہ ہے، کوئی بھی ان
باتوں پر یقین نہیں کر سکتا، لیکن ایک بات یاد رکھو، حقیقت ہر حال حقیقت

ہے، خواہ اسے تسلیم کیا جائے یا اس کے ماننے سے انکار کر دیا جائے۔۔

میں مانتا ہوں چنگیز لٹرا ہے، جاہل ہے، گنہگار ہے، لیکن وہ ذہین بھی ہے

بدتر بھی ہے۔ مہم جوئی شناس بھی ہے، ایک بہت بڑا جنگ آزمایا بھی ہے،

وہ ایک صحرائی شخص ہے لیکن اب وہ صحرائے اکتا چکا ہے۔ اب اسے شہر

کی رعنائیاں لہجہ رہی ہیں، اب وہ صحراؤں پر حملے نہیں کرتا۔ اب اس کا

لشکر شہروں کا محاصرہ کرتا ہے، انہیں فوج کرتا ہے۔ اور وہاں چنگیزیت

کے اپنے مظاہرے کرتا ہے کہ روح کا نپ اٹھتی ہے!

نور الدین :- ممکن ہے یہ سب سچ ہو، لیکن اب تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس

میں کیا خطرہ ہو سکتا ہے، نہ ہم اس کے دشمن ہیں، نہ وہ ہمارا دشمن ہے

نہ ہم اس کے مقبوضات کو اپنے تصرف میں لانا چاہتے ہیں۔ نہ وہ ہمارے

مقبوضات پر لچائی ہوئی نظریں ڈالتا ہے، اس کا کوئی ماضی نہیں، لہذا ہم

اس کی عظمت نہیں تسلیم کرتے۔ ہمارا شاندار ماضی کئی سو برس تک پھیلا ہے،

اور بدترین دشمن بھی ہماری عظمت کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہے!

کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟
 حلال الدین :- ہاں تم غلط کہہ رہے ہو، دنیا ہر ہم میں اور چکر میں لکئی اور اختلاف
 نہیں ہے، لیکن اس سے بڑا بھی کوئی اختلاف ہو سکتا ہے کہ ہم اسکی
 کشور کثانی میں حائل ہیں؟

عین الملت :- وہ کس طرح؟
 حلال الدین :- جب تک وہ ہیں فتح نہ کر لے، اسکی سر بلندیاں مکمل نہیں ہو سکتیں!
 نور الدین :- لیکن ابھی آپ فرما چکے ہیں کہ وہ موقع شناس اور مدبرہ بھی ہے!
 حلال الدین :- ہاں میں نے یہ کہا تھا!

نور الدین :- اگر واقعی وہ موقع شناس اور مدبرہ ہے تو پھر ہرگز ایسی حمایت نہیں
 کر سکتا کہ ہم سے الجھے۔ کوئی عقلمند بھی بھرپوروں کے چھتے میں ہاتھ
 نہیں ڈالتا!

حلال الدین :- لیکن اس نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہمارا عزم دم توڑ چکا ہے، ہماری ہمت
 جواب دے چکی ہے، ہمارا دلولہ سرد ہو چکا ہے۔ ہمارا جوش ختم ہو چکا
 ہے؟ — اور اگر وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے تو پھر میدان جنگ
 ہمارا اور اس کا فیصلہ کر دے گا۔!

حلال الدین :- لیکن وہ فیصلہ کس کے حق میں ہو گا کیا یہ بھی تم بتا سکتے ہو؟
 نور الدین :- ہمارے حق میں — وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا!
 حلال الدین :- یہی خوش فہمی۔ تباہی اور ہلاکت کی بنیاد ہے۔

عین الملت :- تو خواہ مخواہ ہم اپنے آپ کو کمزور اور اسے شہ زور سمجھ لیں، آخر

کوئی بات بھی تو ہو!

جلال الدین :- سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ متحد ہے، ہم منتشر ہیں وہاں، کسی قسم کا نزاع نہیں ہے، اور ہمارے یہاں ہزار بائیم کے اختلافات

ہیں!

عین الملت :- آپ کی مراد کن اختلافات سے ہے؟

جلال الدین :- ان تمام اختلافات سے جو اس وقت موجود ہیں۔ مذہبی سیاسی دینی ہر قسم کے اختلافات اور ان اختلافات نے میں نکمٹا بنا دیا ہے، ہمدردی فوجت عمل سلب کر لی ہے، ہمیں خود غرض اور منافق بنا دیا ہے، جب تک ہم پھر (مشیغ) پلائی ہوئی دیوار نہ بن جائیں، کسی دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے!

سیکرٹری

اتنے میں عشا کی اذان ہوئی اور مجلس برافاست ہو گئی!

چنگیز !

تھئی صدی عری کا آغاز ساری دنیاے اسلام کے لئے عام طور پر "اور وسط ایشیا" کی اسلامی حکومتوں کے لئے خاص طور پر قتل و غارت، تباہی و بربادی، دوبارہ ہلاکت اور زوال و انحطاط کا زور تھا۔

اسی صدی کے آغاز میں تاتاریوں کا طوفان ایک سبب ہلاکت میں اٹھا اور ترکستان سے لے کر سارے وسط ایشیا اور روس تک چھا گیا ! یہ موت اور ہلاکت کا طوفان تھا،

اس طوفان کی زد میں آکر لاکھوں مسلمان بھڑک بھڑکی کی طرح ذبح کر دیے گئے، ہزار ہا مسلمانوں کو غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہونا پڑا،

صدع آباد، اور بارہنہ شہر خاک کے ڈھیر بن گئے۔۔۔۔۔ ان شہروں کی بنڈ، بالا عمارتیں شاندار محلات، مقصور، خوشنما اور مستحکم ابوان نظر میں کھب جانے والی مسجدیں، علم کے مدرسے، خانقاہیں، مقبرے سہا کر دیئے گئے !

لہلہاتے ہوئے کھیت اور مرغزار، اور غنہ ڈالے گئے !

جن مقامات کی تقدیس کا یہ عالم تھا کہ پرندے پر ماتے ہوئے ڈالتے تھے وہاں یہ وحشی اور سفاک انسان خداوند سے تاتاری گھسے، اٹھولنے نہ مسجدوں کی حرمت کا خیال کیا، نہ عافیتا ہوں گے تقدس کو محسوس کیا، نہ مدرسوں اور مکتبوں کی عظمت تسلیم کی، جہاں پہونچے ہلاکت اور بربادی کا نوشتہ لے کر پہنچے جو کچھ نظر آیا اسے غارت کر دیا، زمین کے برابر کر دیا۔

دوسرا ایشیا کا دور ہوا علاقہ جو تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا، ایران و سنجان ہو گیا۔ جہاں تہذیب کی تخلیق ہوتی تھی تمدن کی بنا پڑتی تھی اور ثقافت کی ایجاد ہوتی، علم و فن کی تجدید ہوتی تھی، ختم اور تکرار کے مظاہر آئے دن آنکھوں کو خیرہ کرتے تھے۔ وہاں خاک اڑنے لگی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے یہ وہ خطہ ارض ہے، جہاں اب تک انسان کے قدم نہیں پہونچے، جہاں اب تک انسانیت پر دان نہیں پڑھی جہاں اب تک بربریت اور بربادی کا دور دورہ ہے جہاں اب تک انسانی ذہن ناتواں شہید ہے۔ وہ کوئی جہم رکھتا ہے نہ قیمت۔ اس مقام کے نام نیواؤں پر ایسی مصیبت کبھی نہ آئی تھی، ختم ننگ نے ہیبت اور وحشت کے ایسے خونچکاں مناظر کبھی نہ دیکھے تھے۔ انسانی تصور نے ایسے رنگ و کھنکھ کر دینے والے مقام کا اندازہ بھی نہ کیا تھا۔

یہ تاتاری انسانی جسم رکھتے تھے۔ لیکن ان کے پس منظر میں جو دل دھڑکتا تھا وہ انسانوں کا نہیں درندوں کا تھا۔

یہ تاتاری منگو لیا کے سحر اے گوبی کے باشندے تھے !
یہ بے آب و گیاہ خطہ قدرت کی فیاضیوں سے یکسر محروم تھا۔

یہاں کے قبائل ہر قسم کے ضبط و نظام سے محروم تھے یہ جدا جدا زندگی بسر کرتے تھے۔
خانہ جنگی ان کا بہترین مشغلہ تھا۔

خانہ جنگی سے جو وقت بچتا تھا، وہ فاحش پر صرف ہوتا تھا، اخلاق، نظام اخلاق، سیرت، کردار، عالی ظرفی، خوش ذوقی، یہ وہ چیزیں تھیں جن کا ان قبائل نے نام بھی نہیں سنا تھا۔ یہ کھلے ہندوں زنا کرتے تھے، چوری کرتے تھے، ڈاکے ڈالتے تھے، اپنے جیسے دوسرے انسانوں کو قتل کرتے تھے، آبادیاں لوٹ لیتے تھے، بستان دیتے، ان کو دیتے تھے، جلا دیتے تھے، خاکستر کر دیتے تھے، نہ انہیں بچوں پر رحم آتا تھا نہ بوز حوصل پر نہ بیماروں پر نہ معذوروں پر، نہ عورتوں پر، ان کے آئین اور ضابطہ میں صرف ایک چیز کا ذکر تھا — اور وہ تھی تلوار۔
جو بہترین تلوار چلا سکتا، وہی اپنے سے کمزوروں اور نا طاقتوں کی قسمت اور زندگی کا مالک بن جاتا تھا۔ اسے حق تھا کہ لوگوں کو غلام بنائے، عورتوں کو کفر اور بانڈیاں بنا کر انہیں اپنے تصرف میں لائے۔ نہ ناموس کی کوئی قیمت تھی نہ آبرو کی کوئی وقعت، بچہ نہ کو وہ اس لئے پکڑتا اور قید کر لیتا تھا کہ یہ مستقبل کے غلام تھے آگے چل کر ان سے چاکری کرانی تھی، ان سے خدمت لینی تھی۔ انہیں ایک اشارہ چشم پر بڑے بڑے خطرے کا مقابلہ کرنا تھا کسی کی مجال نہیں تھی کہ ان سے مرتابی کر سکتا، اس لیے کہ مرتابی کی سزا موت تھی۔ اور کون ہے جو موت سے نہ ڈرتا ہو۔ — ہر شخص تو اتنا جیلا نہیں ہوتا کہ موت سے بھرا جائے۔
اس سے کہہ دو!

یہ تنگ کوئی قبائل — عجیب و غریب قسم کی زندگی بسر کرتے تھے !
 یہ نہ کسی اصول کے پابند تھے ، نہ قانون کے ، نہ حرام کے قائل تھے ، نہ حلال
 کے ، نہ مذہب کے ، نہ ہوسا میٹی کے — سب سے بیگانہ ، سب سے الگ
 سب سے جدا زندگی بسر کرتے تھے اور اسی زندگی میں لگے تھے اس سے کوئی
 بحث نہیں تھی کہ دنیا کہ صر جابا ہے یا اس نے زندگی کو پر تھنے کیلئے کون
 کون سے اصول اور ضابطے اور قاعدے متعارف کر رکھے ہیں ؟
 اپنی خانہ بدوشوں اور وحشیوں کے ایک معمولی سے گھرانے میں ایک لڑکا پیدا ہوا

چنگیز !

لوگ کہتے تھے یہ سنو میں ہے !

اس لئے کہ تو ہم ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا !

لوگ کہتے تھے بد قسمت ہے ؟

اس لئے کہ باپ کے بعد کوئی نہ تھا جو اس کی سرپرستی کرنا ۔ اس کی
 تربیت کی طرف متوجہ رہتا ۔ اس کا دل رکھتا ۔ اس کی پرورش اور پرداخت کا بوجھ

اپنے سر لینا !

لوگ کہتے تھے ۔ اس کا مستقبل تاریک ہے !

اس لئے کہ اسے پڑھانے والا اس کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہ تھا !

لیکن چنگیز خود اپنا معلم بنا لے گا اس نے خود اپنی تربیت کی ، اس نے

خود اپنی رہنمائی کی ۔

میں اپنی داد خود دے لوں کہ میں بھی کیا قیامت ہوں !

بہت جلد جنگیر اپنے آپ کو جنگیر بنا لیا۔
 پہلے وہ اپنے ہم سن اور ہم عمر دوستوں کا سردار بنا کسی کی ناک توڑی
 کسی کا کان کاٹا کسی کے طہانچ لگایا کسی کے گھونٹہ مارا۔ کسی کو اپنے پتھر
 کاٹا۔ بنا کسی کو کشتی لڑکر زیر کر لیا۔ اور زبردستی سرداری کا تاج اپنے سر پہ
 رکھ لیا۔

بھر وہ جوان ہوا۔
 جوانی کے ساتھ حوصلہ بڑھا، انگلیں بڑھیں، تمنائیں پیدا ہوئیں
 اور ساتھ ساتھ طاقت بڑھی۔ رعب بڑھا۔ حوصلہ بڑھا،
 اب تک صرف چند لڑکوں کا سردار تھا۔

اب اپنے کا ناموں اور سن چلے بن کی بدولت وہ اپنے قبیلہ کا سردار بن گیا۔
 لیکن جنگیر اور صرف ایک قبیلہ کی سرداری۔۔۔؟
 کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کے لئے!

ایک قبیلہ کی سرداری اس کے حوصلہ کی توہین تھی۔ لڑائی اچھڑے
 سے وہ ڈرتا نہیں تھا۔ بلکہ ایسے نادروقتوں کا مستلاشی رہتا تھا۔ بہت جلد یہ طبع
 کر اور اپنی بہادری کا سکہ بٹھا کر وہ صحرائے گوبی کے قبائل کا مشترک
 سردار بن گیا۔۔۔ جیالا، بہادر اور منجیلا سردار!

قبائلی کی سرداری نے سمند ہوس پر تار و پاز کا کام کیا۔
 وہ صحرائے گوبی سے باہر نکل کر قریوں اور شہروں پر اپنی سطوت اور
 جلالت اور عظمت اور شوکت، شجاعت اور فراست کا سک بٹھانا چاہتا تھا
 اور صحرائے گوبی کی زندگی پر اپنی حوصلہ مندوں، اور اولوالعزمیوں کو تاج و کسکا

وہ وحشیوں اور تہذیب نا آشنا لوگوں کی سرداری پر اپنی طبع بلند کو
راستی نہ کر سکا!

وہ جنگل اور صحرائی حکومت سے خوش نہ مطمئن!

وہ شہروں کو بھیج کر ناچاہتا تھا!

مہذب اور متمدن آبادیوں کا زیر نگین کرنا اس کی زندگی کا
سب سے بڑا مقصد بن گیا تھا!

چنگیز خان نے تاتاری سرداروں کو مغلوب کر کے اپنی ایک
ریاست قائم کر لی تھی پھر اس نے یگانہ روزگار، نوجوانوں، ولادروں کی
ایک فوج گراں مرتب کی!

ادریہ فوج نے کردہ ایک ہیب اور ہولناک طوفان کی صدمت میں باہر نکلا!

فوج و نصرت نے اس کے قدموں کو چوما!

کامیابی، در کامرانی اس کے جلو میں چلی!

فیروز مندی اور بختاوری اس کے سر پر سایہ فگن رہی۔

چند ہی سال کے اندر چنگیز کے مفتوحات اور مقبوضات کا دائرہ وسیع

سے وسیع تر ہو گیا

بہت عرصہ پہلے یہاں تک پہنچی کہ چین اور ترکستان کے درخیز بادشاہ

آباد، اور پروردنی گراں قیمت مصنوعات سے مالا مال، اور سیم و زر سے

بھر پور علاقوں پر چنگیز کا پرچم لہرانے لگا!

اب وہ ایک بہت بڑا سپہ سالار تھا جس کی ہیبت اور ہمت سے ولادروں

عالم کا بنے تھے!

اب وہ بہت بڑا تاجدار اور شہنشاہ تھا!

جس کے رعب و سطوت کا یہ عالم تھا کہ عایا اس سے اتنی خائف اور
ترساں رہتی تھی، جتنی بکری شیر سے۔ وہ اپنی فوج گراں لیکر جس طرف بڑھتا
تھا۔ سب سے طاقت اور بہادری کی بارش کرتا ہوا گذرتا تھا!

چنگیز کی حکومت، تلوار کی نوک! اور خنجر کی دھار پر قائم تھی، اسے
آبادیوں کے اجاڑنے، گردنوں کے کاٹنے، شہروں کو ڈھانے، عمارتوں کے
سمبار کرنے، کھیتوں کے روندنے اور لوگوں کے قتل عام میں وہ مرہ آتا
تھا جو کسی شکری کو شکار میں آتا ہے۔

انسانی زندگی کو ذرا بھی اس کی نظر میں وقت نہ تھی
لہذا وہ بے گناہوں کو اس ناول کا سہرح پامال کر ڈالتا تھا جب طرح باقی
چیونٹی گور دند ڈالتا ہے!

بیشک چنگیز نے چین اور ترکستان کے درخیز و شاداب علاقے فتح کر لئے
لیکن ابھی بہت کچھ باقی تھا، مشرق وسطیٰ کی اسلامی حکومتیں، اس کی
ادوار العمرانی کے لئے ایک چیلنج تھیں۔

ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گزراں اور

بخدا — دنیائے اسلام کا سب سے بڑا نادان اور روحانی مرکز تھا، دنیا
کے کسی بڑے سے بڑے سپہ سالار اور شہنشاہ کی یہ محنت نہ تھی کہ ادھر کا رخ
کر سکتے۔ خود چنگیز کو بھی نہیں،

اور جب تک بغداد پر تاتاری پرچم نہ لہرانا، اس کے جو حصے ناتمام تھے!
 مشہرت اور مسطوت کے باوجود مشرق وسطیٰ اس کی دوسرے سے باہر تھا
 اس قلعہ کا پھاٹک بغداد تھا۔ جب تک یہ پھاٹک سر نہ ہو جاتا۔ ممکن نہ تھا
 کہ قلعہ پر قبضہ ہوتا، اور بغیر اس کے کوئی تمنا بھی پوری نہ ہو سکتی تھی!

خطرناک ارادہ

ایک روز فتح چین و ترکستان کے سلسلہ میں فوجی جنرل کا اہتمام ہوا،
 دسیج پیمانے پر رقص و موسیقی کا انتظام کیا گیا۔ لیکن رقص و موسیقی
 چنگیز کا جی بہلا نہ ناز و انداز سے اس کی طبیعت بحال ہوئی
 یہ رنگ دیکھ کر اس کے ایک مستملام، ملازم، اتھن خان نے۔ جو جنگ
 و پیکار کے ہر مرحلہ میں اس کے ساتھ رہ کر دوشیاخت ویا کرتا تھا۔ کہا
 ”میرے آقا کیا بات ہے کہ آج میں آپ کو اسرہ وہ دیکھ رہا ہوں!۔
 آپ کی سلطنت دشوکت کے سامنے دنیا کا کوئی ملک نہیں ٹھہر سکتا!
 چنگیز :- دیکھو بدل کر! ہاں۔۔۔“
 اتھن خان :- آج ہم جنرل سے ہیں!۔
 چنگیز خان :- ہاں میں دیکھ رہا ہوں!۔
 اتھن خان :- یہ جیٹن ہے، فتح و نصرت کا۔۔۔ وہ فتح جو
 ہیں چین پر حاصل ہوئی ہے،

چنگیز خاں :- ہاں اور ہم نے ترکستان بھی فتح کر لیا۔
 متن خاں :- بے شک — اور یہ فتوحات کی پہلی کڑی ہے۔
 چنگیز خاں :- ہاں ... میں سوچ رہا ہوں کیا دوسری کڑی بھی ہم حاصل کر سکیں گے!
 متن خاں :- کیوں نہیں؟ — ضرور!
 چنگیز خاں :- لیکن آثار کہہ رہے ہیں کہ اب یہ دوسرا معرکہ سر کرنا آسان نہیں!
 متن خاں :- چنگیز خاں کے لئے کوئی معرکہ بھی دشوار نہیں ہو سکتا!
 چنگیز خاں :- ہاں — اور چنگیز نے فیصلہ کر لیا ہے کہ
 یاتن رسد بہ جانا یا جاں ز تن بر آید!

یاقہ یہ معرکہ سر کرے گا۔ ورنہ اسی کام میں اپنی جان گنوا دیگا۔ دجوش
 کے عالم میں! میں چنگیز ہوں میں نے آج تک شکست نہیں کھائی
 متن خاں :- بجا ارشاد ہوا — کبھی نہیں،
 چنگیز خاں :- اور میں یہ معرکہ بہت جلد سر کر لینا چاہتا ہوں۔
 متن خاں :- کون سا معرکہ درخیں ہے — اپنے اس غلام کو بھی تو بتائیے،
 چنگیز خاں :- وہ معرکہ ہے بغداد کا!
 متن خاں :- بغداد —؟
 چنگیز خاں :- ہاں — کیا یہ نام سنکر سہم گئے، ڈر گئے؟ حوصلہ بہت
 ہو گیا تمہارا؟

متن خاں :- نہیں میرے آقا میں ہر معرکہ میں ہر خطرہ میں آپ کے قدموں کیساتھ
 ساتھ چلوں گا کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ غلام پیچھے پھر لے زندگی اور

موت، خوشی اور غم کا میا بی اور نا کامی ہر وقت پر ہر موقع پر ہر محلہ
میں خاں اپنے آقا کا ساتھ دے گا، اسکے ایک اشارہ پر اپنی جان قربان
کر دے گا۔ اس کے پسینہ پر اپنا خون بہائے گا۔

چنگیز خاں:- بس تو پھر یہ راگ رنگ کی محفل برخواست کر دے!
میں خاں:- میرے آقا۔ آپ کے ہر ارشاد کی تعمیل کی جائے گی۔ لیکن —
چنگیز خاں:- لیکن — کہو کیا کہتے ہو؟

میں خاں:- لیکن، یہ سترکہ اس طرح سر نہیں ہو سکتا —!
چنگیز خاں:- پھر کس طرح ہو گا؟ — کیا تم میرے راستہ کے حقیر
بنا چاہتے ہو؟

میں خاں:- ہرگز نہیں، میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کام اس طرح ہو کہ کامیابی
شک و شبہ سے بالا ہو جائے!

چنگیز خاں:- وہ کون سا طریقہ ہے؟

میں خاں:- بغداد، صرف ایک شہر نہیں، ایک پورا ملک ہے، بغداد کا خلیفہ
صرف بغداد کا بادشاہ نہیں۔ دنیائے اسلام کا تاجدار ہے۔ کون مسلمان
بے جو خلیفہ کے نام پر اپنی جان، قربان کر دے؟ کون مسلمان ہے جو
خلیفہ کے ایک اشارے پر کٹے مرنے کیلئے تیار نہ ہو جائے؟
چنگیز خاں:- ہاں میں جانتا ہوں..... مجھے معلوم ہے — لیکن

پھر؟

میں خاں:- اس کی صورت یہ ہے کہ بغداد کو نہ چھڑا جائے، دوسری سلطنتوں کا

استیصال کیا جائے جب شکست کھا جائیں گی، خود بخود بغداد کا سارا
زور حتم ہو جائے گا۔ وہ بچے ہوئے پھیل کی طرح آپ کی گود میں
آکر رہے گا! —

چنگیز خاں :- لیکن اگر ہم مسلم ممالک پر حملہ کریں تو کیا بغداد سب راہ نہ ہوگا؟
ممن خاں :- نہیں — میرے آقا!

چنگیز خاں :- یہ تم نے ایسی بات کی ہے۔ جسے ہم باور نہیں کر سکتے!
ممن خاں :- میرے آقا میں غلط نہیں کہتا۔ بغداد کا موجودہ خلیفہ عیش و عشرت
میں کھو یا ہوا ہے اسے اپنے سوا کسی دوسرے کی فکر نہیں ہے اس کے
عیش و عشرت میں اگر غلط نہ پڑے تو اسے اس کی قیقا پر داہ
نہیں کہ دوسرے ممالک کا کیا حشر ہو رہا ہے؟

چنگیز خاں :- اور کیا دوسرے ممالک کا بھی یہی حال ہے۔
ممن خاں :- بے شک! —

چنگیز خاں :- تو پھر فرق کیا ہوا؟ — یہ لوگ جب ایک دوسرے
سے بے تعلق ہو گئے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں نہیں شریک
نہیں ہوتے۔ ایک دوسرے کے کام نہیں آتے۔ تو ایک ہی بات ہے
چاہے ہم بغداد پر حملہ کریں یا کسی دوسرے ملک پر!

ممن خاں :- نہیں میرے آقا ایک ہی بات نہیں ہے — پھر بھی بغداد
کا نام بہت اونچا ہے۔ ساری دنیا پر اس کی ہیبت ہے۔ ساری دنیا
پر اس کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے لہذا کیا ضرورت ہے کہ اسے پہلے چھڑ

کو ایک زبردست خطرہ ہم مول لیں۔؟ یہ کام بڑی آسانی سے بعد
میں بھی ہو سکتا ہے!

چنگیز خاں:- تو پھر سب سے پہلے کسی مسلمان بادشاہ کو ہم اپنی تلوار کا ہدف بنائیں؟
ممن خاں:- میں صرف ایک ہی کا نام لے سکتا ہوں۔ علاؤ الدین
خوارزم شاہ!

چنگیز خاں:- علاؤ الدین خوارزم شاہ۔ میں سمجھا۔ اس لئے
کہ بغداد کے بعد اس کی سلطنت سب سے بڑی ہے؟

ممن خاں:- صرف یہی وجہ نہیں ہے میرے آقا۔
چنگیز خاں:- کیا اس لئے کہ بغداد سے زیادہ گہرا ربط و ضبط ہے اس کا؟
ممن خاں:- صرف یہی وجہ نہیں ہے۔ ایک بات اور بھی ہے!

چنگیز خاں:- وہ کیا ہے؟
ممن خاں:- خوارزم شاہ کی دھاک جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ بغداد سے

بھی زیادہ ہے اگر اسے ہم نے شکست دیدی تو پھر کسی میں ہمت نہ ہوگی
کہ ہمارا مقابلہ کر سکے۔ صرف خوارزم شاہ کو شکست دینے
کے معنی یہ ہیں کہ سارے عالم پر ہم نے اپنی دہشت مسلط کر دی!
چنگیز خاں:- خوارزم شاہ کے زور و قوت کیا حال ہے؟

ممن خاں:- کوئی شبہ نہیں وہ بہادر ہے۔ اس کے پاس فوج بھی اچھی ہے،
سامان جنگ کے اعتبار سے وہ فرد مایہ نہیں، لیکن وہ بوڑھا ہو چکا
ہے اس کے حوصلے ختم ہو چکے ہیں!

جنگیز خاں :- کیا وہ اولاد نہ دینے سے محروم ہے ؟
 متن خاں :- نہیں میرے آقا، وہ صاحب اولاد ہے اس کے کئی بیٹے ہیں، اور
 یہ سب بیٹے بہادر اور جیلے ہیں، اور یہ سب — لیکن خود عرنی ہیں،
 جاہ طلب ہیں، باپ کی زندگی میں مستقبل کے پروگرام بنا رہے ہیں ان
 میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ وہی جانشین بنے، ان کا یہ نفاق و افرات
 ہمارے کام آئے گا — ہم ان سے لڑ رہے ہوں گے
 وہ آپس میں لڑ رہے ہوں گے !

اتنی دیر کے بعد جنگیز کے چہرے کی سختی اور کڑھکی دور ہوئی، اس کے ہاتھ
 کی خشکیں جو طرہ پر طرہ ابھرتی جا رہی تھیں کم ہو گئیں اب تک اس کی ہاتھ
 سے شرارے بر مار رہے تھے۔ اب ان میں لطف و مسرت کے ڈور سے پُر
 گئے۔ وہ سکڑانے لگا۔ اور اسے سکڑاتا دیکھ کر متن خاں کا دل پھول کی طرح
 کھل گیا، اس نے بے تابی کے ساتھ اپنا سر جنگیز کے قدموں پر رکھ دیا
 اور بڑے جذبات انگیز لہجہ میں کہا !

میرے آقا، اول چاہتا ہے ہمیشہ آپ کو اسی طرح شاداں و بخشاں
 جنگیز خاں نے کہا

متن خاں تم نے ہماری پریشانی دور کر دی !

متن خاں :- غلام جب تک زلف ہے ۔ اپنے آقا کو کبھی پریشان ہونے نہیں دے گا !

جنگیز خاں :- تم نے جو صواب دی ہے ۔ وہ ہماری نظریں بہت دیتی ہے !

متن خاں :- غلام کا کام ہی اس کے سوا کیا ہے کہ آقا سوچے اور وہ تدبیریں

بتے۔۔۔۔۔ لیکن میرے آقا اب کہ آپ کا تکتہ ر اور انقباض بلج
ر فنج ہو چکا ہے۔ علام کی التجا ہے کہ اس جن تسرت اور غشی کے ساتھ
سرکت فرمائیں:

چنگیز :- ہاں اب ہم دل سے اس میں حصہ لے رہے ہیں،
متن خاں :- رقص و موسیقی کا مظاہرہ کرنے کیلئے میں نے کئی نئے طائفے دور
ورائے کے ممالک سے طلب کئے ہیں کیا ان کے کمالات آپ نہیں ملاحظہ فرمائیں گے
..... میرے آقا، ان رقاصوں کا ناچ دیکھ کر آپ دنگ رہ
جائیں گے۔ ان کے کمالات موسیقی سے آپ بہت محظوظ ہونگے
ان کا ناچ، ان کا نغمہ، ان کا عشوہ، ان کی ادا، ان کے انداز دیکھ کر
آپ ہر در محظوظ ہوں گے..... کیا اجازت ہے؟

چنگیز :- ہاں..... تم وہ طائفے طلب کر دو، میں ان کا ناچ دیکھوں گا
ان کا لکڑ سنوں گا، انہیں انعام دوں گا، انہیں نوازوں گا، انہیں مال دلاؤں گا
کہ وہ دن کا..... دنیائے میرے قہر و غضب کا نمونہ دکھائے
لطف و عنایت کا نہیں، آج میں دنیا کے سامنے یہ مثال بھی قائم کر دوں گا
وہ جان لے گی کہ چنگیز صرف جلال و غضب کا پیکر نہیں ہے، نوازش
اور کرم کا مجسمہ بھی ہے!

متن خاں :- بیشک میرے آقا بیشک..... جس طرح آپ کا قہر و غضب
پانچواں نہیں رکھتا، اسی طرح آپ کے لطف، نوازش کی بھی
کوئی انتہا نہیں ہے!

چنگیز خاں:- صرف ان ناپختہ دلیوں اور گانے والیوں ہی کو نہیں، آج میں اپنی زوج
کے دلاوریوں اور سسر ماؤں کو بھی بے زادوں گا، انعام دوں گا۔ ان کی تنخواہوں
میں اضافہ کروں گا، ان کے کارناموں کی داد دوں گا، ان کا حوصلہ بڑھا
دوں گا، ان کی دل دہی کر دوں گا۔ انہیں وہ دوسرا جودہ مانگیں گے
..... اعلان کر دو، آج ان کی ہمتنا پوری ہوگی، ان کی ہر آرزو کی
تکمیل کی جائے گی، وہ جو چیز چاہیں گے وہ ملے گی..... یہ میرے
وہ دلاوری اور سسر ماہیں جنہوں نے میری خاطر میرے حکم پر، میرے
لئے دشمنوں کی سنائیں کھائیں، بیڑوں کے وار سہے، تلواروں کا مقابلہ
کیا تیروں کے مقابلہ میں سیفہ میر ہوئے۔

تمن خاں:- بے شک میرے آقا بے شک!.....

چنگیز خاں:- لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں صرف سزا دینا جانتا ہوں، یہ نہیں جانتے کہ
میرے جودہ کرم کا بھی کوئی جواب نہیں ہے!

تمن خاں:- جانتے ہیں میرے آقا..... نہ جانتے جوتے تو یہیں موروثی
کی طرح آپ کے گرد جمع ہوتے، آپ کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے پر
آمادہ و مستعد رہتے۔

چنگیز خاں:- تمہیں وہ بات یاد ہے؟

تمن خاں:- کون سی بات میرے آقا؟

چنگیز خاں:- شاید ایک سال پہلے کی بات ہے۔ ہمارے عایا کے کچھ افراد خواہ مخواہ
کے حدود مملکت سے گزر رہے تھے.....

ممن خاں :- خوب یاد ہے میرے آقا!
چنگیز خاں :- اور تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ ان میں سے کچھ لوگ ایک میلہ میں بوٹ لے
گئے تھے۔

ممن خاں :- یاد ہے میرے آقا!
چنگیز خاں :- پھر خوارزم شاہ نے کوئی تادان دیا؟
ممن خاں :- نہیں۔! نہیں دیا!
چنگیز خاں :- ان بھرموہی کو کیفر کر، ورنہ ایک پہونچا جنہوں نے منگولیا کو لوٹا تھا؟
ممن خاں :- بالکل نہیں میرے آقا!
چنگیز خاں :- تو کیا اس جرم کو ہم نظر انداز کریں گے؟
ممن خاں :- (مسکرا کر) ہرگز نہیں میرے آقا۔
چنگیز خاں :- تم خوارزم شاہ کو ہماری طرف سے نامہ لکھو کہ اگر فوراً تادان ہماری
خدمت میں نہ پہونچا تو اس کی خیریت نہیں!

ممن خاں :- بہت خوب میرے آقا!
چنگیز خاں :- اور اسے یہ بھی لکھو کہ جن لوگوں نے منگولیا کو لوٹا تھا، انہیں گرفتار کر
کے ہمارے حضور میں بھیج دو۔

ممن خاں :- لکھ دوں گا میرے آقا!
چنگیز خاں :- اسے یہ بھی تحریر کر دو کہ ہم سے معافی مانگے!
ممن خاں :- ضرور لکھوں گا میرے آقا!
چنگیز خاں :- اور یہ بھی کہ اپنے شہزادوں میں سے ایک کو ہمارے پاس بطور برغمال کے

لکھے !

متن خاں :- رچک کر کیا فرمایا ؟
چنگیز خاں :- (ہر آواز بلند) اسے یہ بھی لکھو کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک کو ہمارے
پس یہ خاں کے طور پر رکھے !

متن خاں :- (سہم کر) یہ خاں کے طعنے پر ؟
چنگیز خاں :- ہاں — وہ شہزادہ ہمارے پاس قید رہے گا، تاکہ اگر کچھ بھی
کوئی ناگوار بات رونما ہو، یا خوارزم شاہ ہم سے کبھی سرتابی کرے
تو ہم اس شہزادے سے بدلہ لے سکیں۔ اسکی گردن کاٹ لیں،

متن خاں :- لکھ دوں گا میرے آقا !
چنگیز خاں :- (اور زیادہ پر ہیبت آواز میں) اور اسے یہ بھی لکھو کہ اگر اس نے ہمارے
ان احکام کی ذرا تعمیل نہ کی تو ہم وہ ہم سے مقابلہ کے لئے تیار رہے
ہم اپنی فوج لے کر باہر نکلیں گے۔ اور اسکی حکومت کا خاتمہ کر کے
رکھ دیں گے۔

متن خاں :- بہت خوب میرے آقا، میرے مالک !
چنگیز خاں :- اسے یہ بھی لکھو کہ اگر وہ دنیا کے آخری حصہ میں بھی ہوا تو ہم آئیں
گے۔ اور اسے زندہ نہ چھوڑیں گے لے

نہ بہ تاریخی الفاظ ہیں۔ چنگیز نے علاؤ الدین کو جو نامہ جنگ لکھا تھا اس میں یہی الفاظ
تھے !

مثنیٰ خاں :- یہ تو بہت ضروری ہے، اسے ضرور لکھوں گا!
 چنگیز خاں :- ہاں۔ اسی طرح اس کے حوالہ سے درست ہوں گے!
 مثنیٰ خاں :- میرے آقا اس میں کیا شک ہے!

چنگیز خاں :- مثنیٰ خاں! —
 مثنیٰ خاں :- میرے آقا میرے مالک!
 چنگیز خاں :- وہ تمہارے طلسمے کہاں ہیں؟
 مثنیٰ خاں :- ابھی حاضر ہوتے ہیں!

چنگیز خاں :- ہاں... انہیں بلاؤ، ہم ان کا ناچ دیکھیں گے! — اب ہم
 خوش ہیں اور ہر خوشی میں بیش از بیش حصہ لیں گے ہمارا دل اس وقت
 مسرت سے معمور ہے اب ہم سے کوئی پریشان کن بات نہ کی جائے۔
 بس صرف ناچ، رنگ، مسرت و انبساط! —

چنگیز کی سفارت

من خاں کا خیال صحیح تھا، چنگیز خاں کے راستہ کا سب سے پہلا پتہ معلوم ہوا
 خوارزم شاہ تھا جب تک یہ پتہ نہ پایا جائے۔ بعد ازاں تک پہنچنا محال تھا !
 چنگیز خاں، من خاں کے تاجر اور فرست کا قائل تھا، اگرچہ وہ خود بھی بڑا
 ذریعہ دور اندیش صاحب فراست اور مدبر تھا، لیکن من خاں کی بات ہی اور تھی،
 حکمت علی کے خزانہ کا وہ مامر تھا ہمیشہ دور کی کوڑی لاتا تھا، معاملات و مسائل میں اس کی
 سب سے بوجھ سے چنگیز متاثر بھی تھا۔ اور عجب بھی، یہی وجہ تھی کہ بعد اس کی صلاح و مشورہ
 کے وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا، ایک عرصہ سے اس کے دل میں یہ فتنہ چل رہی تھی کہ مشرق
 وسطیٰ میں اسلامی ریاستیں پھیلی ہوئی تھیں، یہ ریاستیں چنگیز خاں وار نہیں رہ سکتی
 تھیں۔ یہ بات چنگیز کو بھی معلوم تھی، اور ان ریاستوں کو بھی، پھر بھی وہ آگے بڑھتے
 ہوئے جھجکتا تھا۔ دل میں ہر روز نئے نئے پروگرام بناتا تھا، لیکن عمل کرنے کی ہمت نہیں
 پڑتی تھی، وہ جانتا تھا کہ جب تک بغداد کی عظمت فنا نہ ہوگی، مقصد یہ کامیابی نہیں
 ہو سکتی، اور اب من خاں نے اسے یہ بات سمجھا دی تھی، اگر خوارزم شاہ کا مستیصال

ہو جائے، تو پھر ہندو تک راستہ صاف ہے۔ بات دیر میں سمجھ میں آئی، لیکن سمجھ میں نہ آئی
تو پھر خوارزم شاہ کو ختم کرنے کی تدبیروں پر عمل کرنے میں ایک لمحہ بھی تاہل نہیں کیا۔
اس نے دور انداز کاربانوں کی آڑ لے کر اسے چیلنج بھیجا، اور اپنی سفارت کو ہدایت
کر دی کہ علاء الدین کو باد کرادے کہ اگر اس نے چنگیز کے اگلے سر تسلیم خم نہ کیا تو
زودہ باقی رہے گا، نہ اس کی حکومت، اس کی سفارت کا سربراہ خود من خاں
لٹھا۔ وہ جب علاء الدین کے دربار میں پہنچا۔ اور اس نے چنگیز خاں کا الٹی میٹم
اس کی خدمت میں پیش کیا، تو اس نے سمجھ لیا کہ کیا ہونے والا ہے، یہ سمجھ لینے کے
باد جو اس کی بہت اور حوصلہ میں فرق نہیں آیا۔ اس نے من خاں سے کہا
چنگیز خاں سے کہہ دینا، میں اس کا انتظار کروں گا۔ میں اس سے مقابلہ کر دوں گا
میں اس پر یہ ثابت کر دوں گا کہ بہادر موت سے نہیں ڈرتے، یہ وہ خطرہ کا مقابلہ کرنے
کو تیار رہتے ہیں،

یہ باتیں اس نے کچھ ایسے تہوڑے اور انداز سے کہا تھا کہ خود ہی دیکھ کے لئے
من خاں ہکا بکا رہ گیا۔ اسے یہ امید تھی کہ ایسا جواب ملے گا، لیکن وہ بھی کوئی اور
شخص نہیں چنگیز کا اچھی تھا اس نے کہا
میرے آقا نے آپ کو ایک موقع دیا ہے، آپ کو اس سے فائدہ اٹھانا
چاہیے!

علاء الدین خوارزم شاہ نے جواب دیا۔
کیا اگر میں تمہارے آقا کو ایسا ہی موقع دوں تو وہ اس سے فائدہ
اٹھائیگا۔

مثنیٰ خاں:- نہیں..... وہ جنگ کرے گا، آخر وقت تک لڑے گا!
 علاؤ الدین:- تو اس نے مجھے بڑوں کیوں سمجھ رکھا ہے..... کیا میں مقابلہ
 نہیں کر سکتا؟

مثنیٰ خاں:- ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ زندگی کو اختیار کرے یا موت کو۔
 اگر آپ نے موت ہی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، تو میں آپ کو ردِ
 نہیں سکتا، آپ شوق سے جنگ کی تیاریاں کیجئے، میدان میں تو اڑی
 آسانی سے ہمارے تنازعہ کا فیصلہ کر دے گی!

علاؤ الدین:- تیار ہے اس مشورہ کا شکریہ۔۔۔۔۔ میں جانتا ہوں تلوار کا
 فیصلہ آخری اور قطعی ہوتا ہے اور اب میں اسی کو حکم بنا رہا ہوں!
 مثنیٰ خاں:- لیکن ایک اور بات بھی آپ سوچ لینے تو اچھا ہوتا!
 علاؤ الدین:- وہ کون سی بات ہے؟۔۔۔۔۔ بتاؤ!

مثنیٰ خاں:- دو باتیں ہیں۔۔۔۔۔ یا تو آپ کو میرے آقا کی قوت و طاقت
 کا اندازہ نہیں۔۔۔۔۔

علاؤ الدین دبات کاٹ کر خوب اندازہ ہے، مجھے معلوم ہے وہ لاکھوں آدمیوں
 کا قاتل ہے،

مثنیٰ خاں:- جی ہاں اس کی اس خصوصیت کہ بہت سے لوگ جانتے ہیں لیکن
 ایک خصوصیت ایسی ہے، جسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔

علاؤ الدین:- یہ کہ وہ کسی اصول اور نظام کا پابند نہیں؟

مثنیٰ خاں:- جی نہیں، آپ غلط سمجھے!

علاء الدین: تم اپنے آقا کو ہر حال مجھ سے زیادہ جانتے اور پہچانتے ہو۔ تم ہی بتاؤ
سکتے ہو اس کی دوسری خصلت کیا ہے؟

متن خاں: میرے آقا کی اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس پر ہر بان ہو جاتا ہے
اسے فرش سے فرش پر پہنچا دیتا ہے!

علاء الدین: تمہارا مقصد کیا ہے؟ — ہم نہیں سمجھے۔

متن خاں: اگر آپ میرے آقا کی خوشنودی مزاج حاصل کر لیں، تو نہ صرف آپ کو
آپ کی حکومت قائم رہے گی، آپ کے وہ بدباد اور طغیان میں فرق نہیں
آئیں گا بلکہ آپ کو اور بھی بہت سے فائدے پہنچ سکتے ہیں!

علاء الدین: وہ فائدہ ہے؟ — چنگیز کے فائدے پہنچ سکتے ہیں؟

متن خاں: جی — اور اتنے زیادہ کہ آپ ان کا اندازہ نہیں
کر سکتے!

علاء الدین: تفصیل سے بتاؤ کیا مقصد ہے تمہارا؟

متن خاں: چنگیز اپنے وفاداروں کی ضرورت سے زیادہ قدر کرتا ہے،

علاء الدین: تم سوداگر ناچاہتے ہو؟

متن خاں: اگر آپ راضی ہوں، تو ہم اس پر بھی تیار ہو سکتے ہیں!

علاء الدین: رسوا کرنا تو بتاؤ، اگر ہم چنگیز کا کہا مانیں تو کیا ہو گا؟

متن خاں: سب کچھ سبب تو آپ چاہتے ہیں!

علاء الدین: پھر بھی — کچھ تو کہو!

متن خاں: آپ دنیا کے سلام کے سب سے بڑے فروں سکتے ہیں آپ کی قوت و طاقت۔

دو چند ہو سکتی ہے، آپ کا اعزاز اور وقار بہت زیادہ بڑھ سکتا ہے،
 آپ کا دائرہ حکومت وسیع سے وسیع تر ہو سکتا ہے! آپ
 آمادہ تو ہوں!

علاء الدین: یعنی میری مدد کی جائے گی، اگر میں دوسرے اسلامی حکومتوں کا اورد ریاستوں
 کا الحاق کر لوں؟

من خاں:۔۔۔ دریں چہ شک؟۔۔۔ یقیناً — بلکہ، اگر آپ چاہیں تو
 خلیفہ اوقت بن سکتے ہیں!

علاء الدین: مسکرا کر) اتنی بڑی رشوت؟

من خاں:۔۔۔ کیوں نہیں؟ — کیا آپ اس کے مستحق نہیں؟

علاء الدین:۔۔۔ میں تو اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا!

من خاں:۔۔۔ آپ کیا ہیں، اسے آپ نہیں سمجھتے، ہم جانتے ہیں!

علاء الدین:۔۔۔ (ہم) — یعنی تم، صرف تم؟

من خاں:۔۔۔ میں، میرے آقا چنگیز، ہمارے ارباب بہت و کشا و سب ہی سمجھتے ہیں!

علاء الدین: آخر کیوں؟ — اتنی زیادہ شش کیوں سے مجھ پر؟ اتنے حسن ظن

کا میرے ساتھ کیوں اظہار کیا جا رہا ہے؟

من خاں:۔۔۔ اس لئے کہ آپ میں زندہ رہنے، آگے بڑھنے، ترقی کرنے اور نام پیدا
 کرنے کی صلاحیت ہے!

علاء الدین: (مجیدگی کے ساتھ) تو کیا اس صلاحیت کا استعمال اسی طرح ہو سکتا ہے

کو میں مسلم حکومتوں سے ان کے علاقے چھین لوں، خلیفہ المسلمین سے بنادیتا

کہوں؟

متن خاں: سوچ لیجئے، ابھی سو تو ہے:

علاء الدین: سوچ لیا۔ اچھی طرح سوچ لیا!
متن خاں: بد اشتیاق کیا ہو، بس تو میں اپنے آقا چنگیز خاں کو یہ خوش خبری دیتا
ہوں جا کر کہ خوارزم شاہ ہمارا ہے، ہمارے ساتھ ہے!

علاء الدین: اگر تم یہ کہو گے، تو قلعہ کہو گے!

متن خاں: یعنی آپ میری پیش کش مسترد کرتے ہیں۔

علاء الدین: ہاں۔ اور وہ بھی نہایت حقارت کے ساتھ!

متن خاں: (بڑھکی کے عالم میں) تو آپ کو یہ جواب ہے؟

علاء الدین: صرف یہی۔ اور کچھ نہیں۔

اتنا خود غرض جریں۔ اور لاپختی نہیں ہوں کہ اپنے فائدے کے

لئے دوسروں کو برا بھلا کہوں مسلمانوں کے اتحاد اور تنظیم کے لئے اپنے

خون کا آخری قطرہ بہا سکتا ہوں۔ لیکن اپنے لئے مسلمانوں کا خون

نہیں بہا سکتا۔

متن خاں: میں نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا، زندگی اور موت دونوں کے ہاتھ

کھلے ہوئے ہیں آپ جو اسلئے چاہیں اختیار کریں!

علاء الدین: تم مجھے کد آنے ہو؟ دھمکتے ہو؟

متن خاں: صرف حقیقت بیان کرتا ہوں، نہ کداتا ہوں نہ دھمکتا ہوں۔

علاء الدین: تمہیں اور تمہارے آقا کو معلوم ہو چکا ہے، موت سے وہ ڈرتے ہیں

متن خاں: وہ ضرور آئے گا، اور بہت جلد آئے گا!
 علاء الدین: میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ اس لئے نہیں کہ
 مجھے یہ توقع ہے کہ حیت جاؤں گا۔۔۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ
 اس کے سپاہیوں کی تعداد حد شمار سے خارج ہے۔۔۔۔۔
 متن خاں: بے شک۔۔۔۔۔ ہمارے پاس اتنی بڑی فوج ہے کہ ہم خود اسے
 نہیں گن سکتے۔

علاء الدین: میں جانتا ہوں کہ چنگیز کے وسائل اور ذرائع لا تعداد ہیں، اس کے ساز
 و سامان جنگ کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ لڑتا ہے غالب آتا ہے اور مغلوب
 کو تہمتیں نہیں کر کے رکھ دیتا ہے۔ وہ رحم کرنا نہیں جانتا، انسانیت اور
 شرافت کسے کہتے ہیں، وہ صرف یہ جانتا ہے کہ دشمن کو ہلاک کر دینا چاہیے
 متن خاں: ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ میرا آقا جنگ کے میدان
 میں جب قدم رکھتا ہے تو رحم اور انسانیت کی مجال نہیں اس کے
 پاس بھٹک سکیں!

علاء الدین: ہاں تم سچ کہتے ہو، یہ بات نہ ہوتی تو اس نے شہرہ اجاڑے ہوتے
 کئی ہوئی گردلوں کے انبار نہ تیار کر آئے ہوتے، باری ہوئی مخدق کو
 غلام نہ بنایا ہوتا!

متن خاں: میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ کے معلومات بالکل صحیح ہیں۔۔۔۔۔
 لیکن سوال یہ ہے کہ حیب یہ سب کچھ آپ جانتے ہیں، مانتے ہیں پھر بھی
 آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ میرے آقا پر غالب آجائیں گے۔ اسے شکست

دے دیں گے اس سے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔

علاء الدین :- نہیں ۔۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ میں ہار جاؤں گا۔
متن خاں :- آپ کو یقین ہے؟

علاء الدین :- ہاں، اسی طرح جس طرح اس وقت دن ہونے کا یقین ہے :

متن خاں :- (متحیر ہو کر) پھر بھی آپ لڑنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

علاء الدین :- چنگیز کو صرف یہ سبق دینے کیلئے کہ طاقت حق نہیں ہے۔۔۔ حق

طاقت ہے!

چنگیز مجھے ہاک کر سکتا ہے۔ لیکن میری روح کو پامال نہیں کر سکتا، وہ میری
ملکت کو تاراج کر سکتا ہے۔ لیکن میرے عزم و استقامت کی دنیا کو زیر و
زبر نہیں کر سکتا۔ وہ میری گردن کاٹ سکتا ہے، لیکن ناممکن ہے کہ وہ میری
صداقت کے گلے پر تلوار چلا سکے۔ وہ میرے جسم پر فتح حاصل کر سکتا ہے
لیکن میرے جذبہ کو نہیں کچل سکتا؟

متن خاں :- لیکن ان باتوں سے حاصل؟

علاء الدین :- یہ کہ حق اور صداقت کا فیصلہ تلوار نہیں کرتی!

متن خاں :- پھر کون کرتا ہے۔

علاء الدین :- خدا۔۔۔ صرف خدا۔۔۔ وہ وقت آئے گا جب

چنگیز یہ محسوس کرے گا کہ اپنی طاقت کے بے محابا استعمال کے بعد بھی وہ

حق کو نہیں کچل سکا

متن خاں :- ممکن ہے وہ وقت آئے۔۔۔ لیکن ابھی اس کے آنے میں ہے۔

ہے۔ بہت دیر ہے میرا خیال ہے کہ وہ وقت کم از کم میرے آفاقی زندگی میں
 تو نہیں آسکتا اور اس کے بعد اگر آیا تو پھر وہ میرے آقا کو کسی قسم
 کا گزند نہیں پہنچا سکتا!

علامہ الدین:۔ بہر حال وہ وقت کبھی بھی آئے لیکن ایک: ایک دن آئے گا ضرور!
 ممن خاں:۔ بس تو آپ اس کا انتظار کیجئے، ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ آپ
 اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کریں گے۔ آپ خدا کو یاد کیجئے، پکارئے بلائیے
 ہم مسکی دینا پر اپنا سکہ چلاتے رہیں گے یہ ہمارا اتنا اقل فیصلہ ہے
 جس سے خدا جی مسخرت نہیں ہو سکتا، ہم خدا کو صرف اس وقت تک مانتے
 ہیں جس وقت تک وہ ہمارا ساتھ دے۔ جب اس کی تقدیر ہماری مرضی
 کے تابع رہے لیکن اگر ایسا ہو تو پھر خدا سے ہیں کوئی سر و کار نہیں
 بہتر یہی ہے کہ وہ ہمارے معاملات میں دخل نہ دے!
 علامہ الدین:۔ لیکن وہ کسی کا مشورہ نہیں سنتا جس معاملہ میں چاہتا ہے دخل دیتا ہے
 ممن خاں:۔ ہمارے معاملہ میں اگر وہ دخل دے گا تو ہم اس سے بھی لڑیں گے!

تنہا! —! —!

تمہے خاں، خوارزم شاہ سے یوس ہو کر اپنے لشکر میں واپس آ گیا!
چنگیز خاں کو جیسے ہی اطلاع ملی کہ متن خاں واپس آیا ہے، اس نے فوراً اسے
اپنے خاص خیمہ میں طلب کیا، اور بے تابی کے ساتھ کہا،
”متن خاں تم آ گئے؟“

وہ بولا

”میں حاضر ہو گیا اپنے آتہ کی خدمت میں!۔۔۔ چنگیز گویا ہوا!
— ہم بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے تھے — کہو کیا خبر
لائے؟“

متن خاں نے اپنی اور علاؤ الدین خوارزم شاہ کی ساری گفتگو دہرا دی
اس نے ساری حد استان سنانے کے بعد کہا
”میرا خیال ہے کہ سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکل سکتا، اب جنگ کے
سوا کوئی چارہ نہیں ہے — لیکن جنگ جس قدر جلد شروع ہو جائے اسی

بہتر ہے، اگر اسے مہلت دی گئی تو پھر ہیں ایک مضبوط دشمن سے مقابلہ کرنا پڑیگا
اتنے دن وہاں۔ کہ کر میں نے اندازہ کر لیا ہے کہ علاء الدین کا شہرہ تو بہت ہے
لیکن حقیقتاً وہ بھی اندر سے کمزور ہو چکا ہے !

چنگیز نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا
وہ کمزور ہو یا مضبوط ہم اس سے ضرور لڑیں گے !
تمن خاں نے کہا

میرے آقا، ہم تو فیصلہ بہت دن ہوئے کر چکے ہیں — اگر وہ ہمارا
آلہ کار بن جاتا، تو کچھ دن اور زندہ رہ لے تا، ورنہ مرنے والا اسے تھا خواہ ہمارا
آلہ کار بنایا نہ بنتا !

تمن خاں کی باتوں کو چنگیز بڑے عجز سے سن رہا تھا، پھر اس نے کہا :
یہ مسلمان بھی عجیب لوگ ہیں، مرنے سے ڈرتے ہیں، غلطی سے خوف
کھاتے ہیں، میں نے بہت سے دشمنوں کو پامال کیا۔ بہت سی قوموں سے لڑا بہت
سے مغلوں کو دیکھا لیکن اس طرح کے لوگ کہیں بھی مجھے منظر نہ آئے۔ جانے کس
مٹی سے یہ لوگ بنے ہیں !

جے پردائی کیساتھ تمن خاں نے کہا
کسی مٹی سے بھی بنے ہوں، لیکن چنگیز کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتے !
چنگیز خاں نے ماتھے پر ہنڈیاں کر کہا
(دیکھو) تو میں جانتا ہوں — تو ہم کب یہاں سے کوچ
کریں گے ؟

میں خاں نے باقاعدہ عرض کیا،
 جب آقا کا حکم ہو..... میں کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہاری
 تازہ دم فوج ہر وقت کوچ کرنے، دشمن پر ٹوٹ پڑنے اور اس کا گلا کاٹنے
 کو تیار ہے، صرف ایک اشارہ کی دیر ہے!
 چنگیز مسند سے اٹھ کھڑا ہوا۔

بس تو پھر وقت کا تعین بے کار ہے، ابھی اور سی وقت چلو۔
 (درکار خیر میسر حاجت استخارہ نیت ہے) درکار خیر حاصل ہوگا
 ہم اب انتظار نہیں کر سکتے، ہم اب ٹھہر نہیں سکتے، ہم ابھی اور سی وقت
 چلیں گے..... کیا تم تیار ہو؟

میں خاں نے زمین ادب کو بوسہ دیا، دہ عرض گزار ہوا!
 میرے آقا یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ ہم ابھی چلیں گے اور دشمن پر اس
 طرح حملہ آور ہوں گے جس طرح شاہین کبوتر پر چھٹتا ہے!

چنگیز خیمہ سے باہر نکلا! اور تلوار سونٹ کر کھڑا ہو گیا
 یہ اس بات کی علامت تھی کہ چنگیز کسی دشمن سے جنگ کا فیصلہ کر چکا ہے!
 چنگیز کو تلوار بدست دیکھ کر سارے لشکر میں ایک عجیب سا عالم پیدا
 ہو گیا! — سوار اور پیادے سب میں ایک نیا جذبہ پیدا
 ہو گیا! مال غنیمت کی بوس، غلاموں کا لالچ، لونڈیوں اور باندیوں
 کی تمنائیں، مقامات اور سناظر کی سیر کا شوق، جنگ آزمائی کا اشتیاق
 ان سب کیفیتوں نے لشکر کے ہر فرد میں ایک خاص قسم کی حشمتی و مستعدی

پیدا کر دی تھی، نوراً گنتی ہوئی اور لام بندی شدہ ہو گئی، اور چند گھنٹوں کے اندر چنگیز کا لشکر ایک سیل بلا کی صورت خواندہ شاہ سے مقابلہ کیلئے چل پڑا،

مخبروں کے جانے کے بعد علاء الدین سمجھ گیا، کہ اب قیامت کے منور ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ چنگیز ایک بھرے ہوئے شیر کی طرح حملہ آور ہو گا، اس نے بھی زور و شور سے جنگی تیاریاں شدہ کر دیں، اپنی بھری ہوئی طاقت کو جمع کرنے کی کوشش کی، اپنے سپاہیوں میں وہی جذبہ پیدا کرنا چاہا جو خود اس کے سینہ میں محسوس رہا تھا!

لیکن چنگیز کی ہیبت کچھ اس طرح مٹھی ہوئی تھی کہ ہر شخص ارمائی کے تختوں سے لرزنے لگا۔

دشمن سے مقابلہ کی جو آہنگ ایک لشکر کے سپاہیوں میں ہوئی چاہئے، وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی، اس مدد ملی میں جہاں ان میں چنگیز کی دہشت کام کر رہی تھی وہاں آپس کی شکر دہنیاں اور باہمی جھگڑے بھی کار فرما تھے، خود علاء الدین کے بیٹوں میں اتحاد نہ تھا، بیٹے بجائے اس کے کہ یہ سوچتے کہ باپ کے پہلو پہلو دشمن سے جنگ کریں گے، صرف یہ سوچ رہے تھے کہ یہ بڑھاپا کب مرے گا۔ ایسے کب عنانِ اقتدار و اختیار کے ہاتھ میں آئے گا؟ ان کے پیش نظر قوم اور ملک کا مستقبل نہیں تھا، صرف اپنا مستقبل تھا، صرف اپنی ذات تھی، صرف اپنی حکومت، اور اقتدار کی فکر تھی۔ یہ صرف اس دن کا انتظار کر رہے تھے جب علاء الدین مرے گا اور حکومت پر ان کا مٹی، غل ہو گا۔

اللہ تعالیٰ علیہ السلام کی موت کا اور زور مند چہیتا، یہاں جلال الدین مستثنیٰ تھا۔ وہ باپ کی موت کا اور زور مند

نہیں تھا، وہ چنگیز کی قوت و طاقت کو پارہ پارہ کر دینے کا خواب دیکھ رہا تھا!
 لیکن جلال الدین اکیلا تھا!
 سارے خاندان میں کوئی ابھی اس کا ہم نوا اور ہم خیال نہیں تھا!

کھوٹے سکے

علامہ الدین خوارزم شاہ اگرچہ بوڑھا ہو چکا تھا، مگر اس کے حوصلوں پر بڑھاپا طاری ہوا تھا، عقل پر وہ نزدیک کی چیز مہی دیکھتا تھا۔ اور دور کی مہی! — اس نے محسوس کر لیا تھا کہ چنگیز سے لڑنے کا ارمان اس کے سوا کسی کے دل میں نہیں ہے، اس بات سے اس کے دلوں نے سر نہ نہیں پڑے تھے۔ اس کا عزم اور جوان ہو گیا تھا!

ایک روز اس نے اپنے بیٹوں، عزیزوں، دوخ کے سرداروں، شہر کے امیروں اور دوسرے صاحب فکر و نظر اصحاب کی مجلس مشاورت منعقد کی۔ جب سب لوگ آگئے تو اس نے کہا۔

چنگیز نے میرے پاس سفارت بھیجی تھی کیا آپ حضرات کو اس کا علم ہے؟
حاضرین میں سے ایک شہزادے نے کہا۔

ہاں ہمیں معلوم ہے — لیکن آپ کے اور اس کے درمیان کیا باتیں ہوئیں یہ نہیں معلوم! — شاید اس نے ہماری قوت و شوکت کا اندازہ

قاضی حسام الدین: کیا ہے؟ — کیا وہ ایک آدمی نہیں جیسے ہم آپ ہیں۔
 سپہ دار فوج: جی تانہی صاحب، وہ آدمی نہیں وہ قیامت ہے، طوفان ہے جس قبر
 خداوندی کا ابھی آپ ذکر فرما، ہے تھے وہ اس کا نمونہ ہے وہ قبر
 الہی ہے!۔

علاء الدین: پھر تم کیا چاہتے ہو؟ یہ سچی تو کہو!
 سپہ دار افواج: کم زور ہم میں تو خودکشی کی رائے نہیں دے سکتا۔ ہرگز نہیں
 قاضی حسام الدین: جنگیز سے مقابلہ کرنا خودکشی ہے؟
 سپہ دار افواج: خودکشی۔ کھلی ہوئی اور صاف
 علاء الدین: اپنے تحفظ کی کوشش میں جان دیدنا خودکشی نہیں بہادری ہے
 انسانیت ہے، اگر میرا کوئی بھی ساتھ نہ دے تو بھی میں اپنے خاندان، اولاد
 کو لے کر میدان میں نکول گا اور لڑوں گا
 پھر اس نے اپنے دلی عہد کی طرف دیکھا، اور پر امید نظروں سے
 دیکھتے ہوئے کہا

کیوں میں غلہ تو نہیں کہتا؟
 دلی عہد کو سانپ سونگھ گیا، وہ صرت پہلو بدل کر رہ گئے۔ انہوں نے کوئی
 جواب نہیں دیا، صرت باپ پر ایک نظر ڈالی اور سر جھکا لیا!
 علاء الدین نے کڑھک کر پوچھا
 تم بولتے کیوں نہیں؟

اب خاموشی ناممکن ہے، اس نے بڑی مدھم آواز میں کہا۔

- سپہ دار فوج کے اظہارِ رائے کے بعد اب کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟
 علاء الدین نے بھرائی ہوئی آوازیں کہا
 - تم بھی کچھ نہیں کہہ سکتے؟
 دلی عہد نے جواب نہیں دیا!
 ایک کورہ میں جلال الدین بیٹھا ہوا تھا! اب وہ ضبہ زکر سکادو اٹھا اور
 اس نے کہا:-

- پدر عالی وقار..... جنگیزی سے نہیں میں پہاڑ اور سمندر سے بھی
 لڑنے کو تیار ہوں، میں دیکھ رہا ہوں حالات کتنے نازک ہو چکے ہیں، اگر ہم نے تا نا یوں
 کا مقابلہ نہ کیا تو ہم مٹ جائیں گے تباہ ہو جائیں گے، برباد ہو جائیں گے، بلکہ میں
 تو یہ کہتا ہوں مسلمان ختم ہو جائیں گے، اسلام خطرہ میں پڑ جائے گا،

جنگیز سے ہم ایسا لڑنا نہیں چاہتے کہ خوارزم شاہی حکومت کے حفظ
 و دفاع کا سوال ہے، اس لئے لڑنا چاہتے ہیں کہ اسلام کی حرمت اسکی متقاضی ہے!

علاء الدین نے محبت بھری نظروں سے اپنے پیٹے جلال الدین کو دیکھا پھر دلی
 عہد اور سپہ دار فوج سے مخاطب ہو کر کہا

- کیا اب بھی آپ اپنی رائے پر قائم ہیں؟

کسی نے جواب نہیں دیا

قاضی حسام الدین کھڑے ہو گئے

- میں فتویٰ دیتا ہوں جنگیز سے لڑنا فرض ہے!

علاء الدین:- میں آپ کے اس فتوے کا احترام کرتا ہوں، میں آپ کو یقین دلاتا

ہوں کہ میں تاتاریوں کے سیل سبک سیر زمین گیر کا مقابلہ کروں گا میں اپنے
بیٹے جمال الدین کا طرف سے بھی آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ بھی ان شاء اللہ
زندگی کی آسز و عسائس اور خون کے آخری قطرہ تک اس فتنہ اور خطرہ کا مقابلہ
کرے گا، لیکن دوسرے لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا؛

قاضی حسام الدین نے پھر سوراخ دار میں فرمایا
۱۵۲۲ عریضہ مفت فتوح علی علیہ السلام
اگر ارادہ کر لیا
ہے تو خدا پر بھروسہ کر دو، تمہارے سپہ دار اور ولی عہد سے کہیں زیادہ قوی ہے؛
یہ کہتے کہتے وہ رونے لگے!

باپ اور بیٹا

چنگیز خاں اپنا لشکر لے کر بہت جلد خوارزم شاہ کے سامنے پہنچ گیا۔
 دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں۔ علاء الدین خوارزم شاہ اس لئے
 حملہ میں پہل نہیں کر رہا تھا کہ اسے اپنا انجام معلوم تھا.....
 اور چنگیز صرف اس لئے گریز کر رہا تھا کہ وہ اصل جنگ سے
 پہلے احمصالی لڑائی لڑنا چاہتا تھا، اس کے نام کی دہشت پہلے سے موجود تھی، اب
 اس کی فوج ظفر موج بھی ساز و سامان جنگ سے بس سامنے کھڑی تھی۔ جنگ
 نہیں شروع ہوئی تھی ہر وقت شروع ہو سکتی تھی لیکن جتنی جتنی تاخیر ہو رہی تھی
 اتنی ہی اس کی دھماک بیٹھ رہی تھی، علاء الدین کی فوج بڑے کیلے تیار تھی لیکن اسکے
 امرا جی چر رہے تھے، اس کے خواص گتر رہے تھے، اس کے خاندان کے امرا و اعراض
 کہ رہے تھے۔ اس کی فوج کے سردار جنگی پروگرام سے زیادہ سیر و تفریح اور لٹکانہ
 کے پروگرام سے دلچسپی لے رہے تھے۔ چنگیز خاں کا نظام جاسوس بھی بہت مکمل تھا اسے
 رتی رتی کی خبریں مل رہی تھیں اسے علاء الدین کے لشکر کی ایک ایک بات معلوم تھی

اسے یہ بھی معلوم تھا کہ علاء الدین کے کئی حالات ہیں اس کے بیٹے کس نکو میں ہیں، اس کے سرداران فوج کس سوچ میں ہیں؟ اس کے خواص، جاگیردار اور مایاوار طبقہ کا اندازہ کب کیا ہے چرنیکر کو یہ بھی معلوم تھا کہ علاء الدین کے پاس ساز و سامان جنگ کتنا ہے؟ اس کے سپاہیوں میں فنون جنگ کے ماہر کتنے ہیں؟ اور اس کے پاس ساز و سامان جنگ کتنا ہے؟ وہ ہر روز اپنے خیمہ میں جب تن خاں سے نقشہ جنگ پر گفتگو کرتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا علاء الدین کا شکست بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، وہ جبچہ اس مرحلہ کو سر کر سکتا ہے جب یہ بات اتنی آسانی سے ممکن ہے تو پھر اس میں جلدی کیوں کی جائے۔

شیر جب شکار کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے، تو
 وہ ایک بیک حملہ بہت کم کرتا ہے، پہلے وہ اچی وھار سے جنگ پر بہت طاری کرتا ہے پھر جب شکار کا امنسا سامنا ہوتا ہے تو بھی وہ فوراً اسے چھاپ بیٹھتا ہے نہیں کرتا پہلے وہ اسے گھورتا ہے، پھر غراتا ہے۔ پھر وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے، اسکا رک خون پیٹھ ہی خشک ہو چکا ہوتا ہے، پھر اس میں تاب مقاومت باقی رہ جاتی ہے۔ یہ حفاظت خود اختیاری کا جذبہ، شیر کے ایک طہاچہ میں وہ گرون ڈال دیتا ہے، اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس، نیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

چکر بھی یہی کھیل کھیل رہا تھا!

دونوں فوجیں بدستور آسنے سامنے پڑی تھیں، حملہ کا آغاز کسی طرف سے نہیں ہو تھا!

ایک روز علاء الدین، اسی فکر میں حیران اور پریشان بیٹھا تھا کہ علاء الدین آیا اور مولا اب ہو کر کھڑا ہو گیا، علاء الدین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا:

کیوں؟ — کوئی نئی خبر؟

جلال الدین نے ایک اضطراب کے عالم میں جواب دیا۔
 پدر عالی گھر — میں خود بچیس بدل کر جنگیز کے لشکر میں گیا تھا وہاں
 میں نے دیکھا کہ ہر سپاہی مرنے اور مارنے پر تیار ہے، ہتھیاروں کو جلادی جا رہی
 تھی، تہواروں پر صیقل رکھی جا رہی ہے۔ خنجروں کی دھار آزمائی جا رہی ہے
 نیزوں کی زبانیں صاف کی جا رہی ہیں، فوج کے سرداروں میں اس ہم کو
 سر کرنے کا ایک سرفروشاں جذبہ نظر آ رہا ہے، ہر سردار اپنے ماتحتوں کو جذبات
 انگیز العافاسیں اکسارہا تھا۔ عہد و پیمان لے رہا ہے کہ اپنے بادشاہ کی حرمت
 کے لئے کٹ مرے، جان دیے، متن خاں ایک ایک سردار سے الگ الگ ملتا تھا
 کہ رہا ہے اور اسے بتا رہا ہے کہ اس وقت اس کا کیا فرض ہے؟ اور اس فرض کو کس طرح
 انجام دینا ہے؟ خود جنگیز کا حال ہے کہ اسے کسی پہلو قرار نہیں، کبھی وہ اپنے خیمہ
 میں متن خاں سے مصروف گفتگو ہے، کبھی دوسرے سردار ان فوج سے صلاح و مشورہ
 کر رہا ہے، کبھی لشکر کا چکر کاٹ رہا ہے اور ایک ایک سپاہی کو شرف مخاطب
 سے سرفراز کر رہا ہے۔ دل بڑھا رہا ہے، انعام دے رہا ہے، ترقی کے وعدے
 کر رہا ہے، کبھی اسلحہ خانے میں پہنچ جاتا ہے، اسلحہ کو دیکھتا ہے، جانچتا ہے
 پکھتا ہے، جن میں غامی نظر آتی ہے، انہیں الگ کر دیتا ہے، جو اصلاح طلب
 ہوتے ہیں انہیں اسلحہ سازوں کے حوالہ کر دیتا ہے نئے نئے ہتھیار ڈھلوانا ہے
 بنواتا ہے ان کے استعمال کے طریقے بتاتا ہے، اس کو بس ایک ہی بات کی
 دھن ہے حرف ایک بات کا سردا ہے — فتح!

اور پردہ الاقداس میں اپنے لشکر کا حال بھی دیکھ رہا ہوں، اپنے سپاہیوں کی کیفیت بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اپنے سردار ان فوج کے عزم، حوصلہ اور دلور کا بھی رمز شناس ہوں، اپنے بھائیوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کی ذہنیت بھی دیکھ رہا ہوں۔ اپنا اسلحہ خانہ بھی دیکھ چکا ہوں، آج بھی میں نے دیکھا ہے، اور ابھی دیکھ کر آ رہا ہوں، اسے چنگیز کے اسلحہ خانہ سے کوئی نسبت نہیں، ہمارے رشتہ دار اور سپاہیوں کی چنگیز کے ساتھیوں اور سپاہیوں سے کوئی مناسبت نہیں، ہمارے سردار ان فوج اور چنگیز کے سردار ان فوج میں کوئی مقابلہ نہیں۔ ہمارے امرا اور چنگیز کے امرا میں کوئی اشتراک کا نقطہ نہیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا اس طرح ہم جیت سکیں گے، دشمن پر غالب آ سکیں گے،

علاء الدین کچھ دیر تک سوچا رہا اور پھر اس نے کہا

جو سوال تمہارے دماغ میں گردش کر رہا ہے اس نے مجھ بھی پریشان کر رکھا ہے۔ دن کو چہن کتابے، رات کو غینڈا آتی ہے سچے میں نہیں آتا، ان حالات کا انجام کیا ہوگا؟ — بار بار اپنے دل سے سوال کرتا ہوں کیا ہم وہی مسلمان ہیں جنہوں نے عرب کے ریگ دار سے نکل کر ایک مختصر سی مدت میں ساری دنیا کا تختہ الٹ کر رکھ دیا تھا، کیا ہمارے اند آج بھی یہی آں اور دشمن باقی ہے جو ہماری اسلاف کے اندر موجود تھی؟ — نہیں اسلام وہی ہے، لیکن مسلمان

وہ نہیں رہے!

علاء الدین: بجا ارشاد ہوا۔۔۔۔۔ جب تک اپنی حالت نہ بدلیں، اس وقت تک دشمن پر غالب نہیں آ سکتے!

علاء الدین:۔ لیکن یہ موقعہ ظہیر اخلاق کا نہیں، اصلاح احوال اور تعمیر افکار کا نہیں ہے دشمن ہمارے سر پر کھڑا ہے، ہر آن اور ہر لمحہ جنگ کا لگن بچ سکتا ہے، یہ کیوں کہ ممکن ہے کہ دشمن کی تلواریں ہمارے سر پر چک رہی ہوں اور ہم گوشتہ اعتکاف میں بیٹھے اصلاح و اخلاق کے کام میں مصروف ہوں!

جلال الدین:۔ میں مانتا ہوں آپ نے جو کچھ فرمایا بالکل صحیح ہے، لیکن پدر محترم میں تو یہ جانتا ہوں کہ ہم یہ بازی ہار چکے ہیں..... ہمارا مقابلہ اگر کسی سمولی حریف سے ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ ہم اپنے کام کی ساجھ تائی رکھ سکتے، لیکن مقابلہ ہے جنگیر سے، جو اپنے وقت کا سب سے بڑا فاتح اور کشور کش ہے، جس کا ایک ایک سپاہی سرفروشی اور بہادری میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ جس نے آج تک شکست نہیں کھائی، ہر مرحلہ میں کامیاب ہوا ہر معرکہ میں غالب آیا، ہر قوم میں ظفر مندر ہا:

علاء الدین:۔ ہاں — پھر تہاری کیا رائے ہے؟ کیا کیا جائے؟ کیا ہم جنگیر سے کہیں کہ ہم اپنی اصلاح کا موقع دیا جائے اور فی الحال وہ دایس چلا جائے؟

جلال الدین:۔ ہمیں میرا مطلب یہ نہیں تھا! علاء الدین:۔ تو پھر کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس طرح سے کہ ہم آسانی سے تہارا مطلب سمجھ لیں۔

جلال الدین:۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اگر واقعی ہم دشمن سے مقابلہ کرنا چاہتے

ہیں تو ہمیں بے جہی کے ساتھ انہیں سزا دینا چاہیے، جو ہمارے راستہ میں
پتھر بنے ہوئے ہیں۔ ————— ہم اپنی اصلاح نہیں کر سکتے، اس
لئے کہ اب اتنا وقت اور موقع نہیں لیکن کیا ہم اپنے حلقہ کو غداروں،
کمزوروں اور بزدلوں سے پاک بھی نہیں کر سکتے؟

علامہ الدین: ہمارا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کمزور اور کسلندی کا اظہار کر رہے
ہیں۔ —————

جلال الدین: جی ابا جان میرا مطلب یہی ہے، ایسے تمام لوگوں کو قاتلے گھاٹ اتار
دیا جائے، یہی ایسے لشکر نہیں چاہیے جو بہت سے افراد پر مشتمل ہو، لیکن جس
کے دل میں کوئی جذبہ نہ ہو کوئی حوصلہ اور دلولہ نہ ہو، ہم ایسے سٹھی بھر سپاہیوں
پر اعتماد کر سکتے ہیں، جو خدا کے اعتبار سے خواہ کتنے ہی کم ہوں، لیکن جس
کے سینہ میں مرٹنے کی تڑپ ہو، جو اپنے مذہب، اپنی قوم اپنے ملک اور اپنی
ملت کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرتے ہوں
ایسے چند آدمی بڑے سے بڑے لشکر کے پچھلے چھوڑا سکتے ہیں
————— ہیں ایسے آدمی چاہئیں!

علامہ الدین: میرے بیٹے، مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے لیکن تم نے ایک
بات پر غور نہیں کیا!

جلال الدین: وہ کون سی بات ابا جان؟

علامہ الدین: وہ بات یہ ہے کہ اگر اس وقت ہم نے کوئی تاویبی یا تعزیری قدم
اٹھایا تو ہم خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائیں گے، اور یہی وہ چیز ہے جس کا

جنگیز بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہا ہے۔ کیا ہم ایسا اقدام کریں —؟
 میں سے ہمیں تو نقصان پہنچ جائے اور دشمن پورا پورا فائدہ
 اٹھالے؟

جلال الدین :- اچھا صبر ایک کام — ان لوگوں کی ایک فہرست تیار
 کی جائے جو اپنے عمل کے اعتبار سے ہمارے دشمن ہیں، انہیں سزا
 دی جائے بغیر اس کے —

جلال الدین :- سنو سنو — دشمن نے جنگ کا ننگ بجا دیا ہے وہ آگے بڑھ رہا
 ہے — آؤ، دیکھو وہ جنگیز اپنی فوجوں کو بڑھاتا دیتا ہوا
 اسی طرف آرہا ہے!

بخارا اور سمرقند

چنگیز ہر اصول پر ضابطہ اور ہر قاعدہ سے بے نیاز تھا۔ وہ چنگیز تھا اور اس کا وجود صرف اس لئے تھا کہ ضابطوں کو توڑ دے، اصولوں کو پامال کرے، قاعدوں کو کچل دے وہ جو کچھ کرتا تھا وہی ضابطہ اور اصول بن جاتا تھا، اسے اپنی تدبیر اور شجاعت پر ناز تھا۔ ساری دنیا کا مصروف صرف یہ سمجھتا تھا کہ اس اطاعت کرے، اس کا حکم مانے، اس کی خدائی تسلیم کر لے، اور اس دنیا میں اگر کوئی شخص ایسا نظر آتا تھا جو اس کی خدائی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا تھا، اس کے وہ پیچھے پڑ جاتا تھا جب تک اسے تباہ و کر لیتا تھا، آرام سے نہیں بیٹھتا تھا۔ علاء الدین خوارزم شاہ نے اس کی توہین کی تھی، اس کی خدائی کو ماننے سے انکار کر دیا تھا اسے اپنی انفرادیت پر، اور اس انفرادیت کے قیام پر اصرار تھا، یہ بات چنگیز کے لئے ناقابل برداشت تھی، وہ جس طرح جھکے ہوئے سردوں کو مولیٰ، گاجر کی طرح اپنی تلوار سے کاٹ دینے کا عادی تھا، اسی طرح وہ اگر بے ہوش سردوں کو بھی تماشہ دینا اپنا سب سے اولین فریضہ سمجھتا تھا، متن خاں کے مشورہ سے

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ علامہ الدین کو نیست دنا بود کر کے رہے گا اور یہ علامہ الدین بھی کچھ عجیب قسم کا آدمی تھا۔ اپنی کمزوری پر پورے طور پر واقف تھا، اپنی حیثیت اور بساط سمجھتا تھا، لیکن کبھی ایک لمحہ کیلئے اس نے یہ سوچا کہ اطاعت قبول کر لے بھیاڑ ڈال دے، اور اس طرح قوم کی نہیں تو صرف اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان بچالے۔ وہ مرنے پر تیار ہوا تھا! وہ ایسی زندگی کا قائل ہی نہیں تھا جو فلاحی اور بے بسی کی زندگی ہو، کمزور اور شہ زور کی یہ کشمکش دلچسپ بھی تھی اور سبق آموز بھی!

علامہ الدین کے مدد و ملکت بہت دیر چلتے تھے۔ اس کی فکر دہرا اعتبار سے دشمن کے لئے وجہ جذب کشش تھی، یہاں کی سرسبز شاہدانی امرتہ عالی ہر جزو نظم کو اپنی طرف مائل کرتی تھی اور بخارا اور سمرقند کی تو بات ہی دوسری تھی وہی بخارا اور وہی سمرقند جس کیلئے حافظ شیرازی نے کبھی ترنگ میں آکر کہا تھا،
بخارا ہندوستان ختم سمرقند و بخارا را!

یہ دونوں شہر اپنی کامرانی اور رعنائی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے یہاں ہنرستان تھا، یہاں علم تقسیم ہوتا تھا یہاں تہذیب اور ثقافت کی گہری کمی نہ تھی، یہاں کی مسجدیں، یہاں کے مدرسے، یہاں کی خانقاہیں اپنی نظیر نہیں رکھتی تھیں، ان سجدوں و وسعت اور رعنائی، خوبی تعمیر اور نقش و نگار آنکھوں میں اتر جاتے تھے، وہاں میں گھس جاتے تھے، ان مدرسوں میں تال اللہ اور تال الرسول کے ترانے بلند ہوتے تھے، یہاں قرآن و حدیث، فقہ اصول، تفسیر و کلام، فلسفہ و منطق، معانی و بدایع اور مناجات و بلاغت کے حصے لیتے تھے، اطراف و اکنان عالم سے طالبان علم آتے

تھے اور سیراب کر جاتے تھے، ان خانقاہوں میں ہمہ وقت ذکر و نیکی محض گرم رہتی تھی۔
 معنوں کے اسرار، موزن و بحر و ہتھ تھے، تزکیہ نفس اور تطہیر سیرت کے
 پروگرام جاری رہتے تھے، یہاں گہ نگار آتے تھے، باصفاء بن جاتے تھے، یہاں
 مسیہ کا تہم دکھتے تھے اور با خدا بن جاتے تھے، یہاں عھیاں شعاد پہنچتے
 تھے اور خدا کے برگزیدہ بند بن جاتے تھے، کچھ عجیب نقاشی یہاں کی۔ کوشیب
 ماحول تھا یہاں کا!

رعایا شاد حکمران مملکت پرور، امیر کو عزیز سے کوئی خطرہ نہیں، عزیز کو
 امیر سے کوئی دہشت نہیں، مزدور مالک سے ترساں نہیں۔ غلام آقا سے گریزاں
 نہیں، مغلوبہ اور زرا و اسب ہی رہنے لگتے تھے اور آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔
 لیکن شاید اب اطمینان و آرام کا یہ دور ختم ہو رہا تھا، طوفان مونا، زہر و چکا
 تھا۔ اور ہر آن اس کی غارت گری کا امکان بڑھتا ہی جا رہا تھا جنگیز کی فوجیں
 بخارہ کا محاصرہ کر چکی تھیں۔

در نظر جنگ جنگیز کی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں، ڈیڑی دل ایک ایسا لحاظ
 ہے جو سبالتو کا ترجمان ہے، جس سے ظاہر کرنا یہ مقصد ہوتا ہے کہ فلاں فوج اتنی بڑھی
 تھی جیسے ڈیڑی کا لشکر لیکن یہ مبالغہ جنگیز کی فوج کے لئے ایک حقیقت ہے، جنگیز
 کی فوجیں حد شمار سے خارج تھیں اور یہ تلی ہوئی تھیں کہ بخارہ کو سر کر کے رہیں گی
 جنگ مشرور ہوئی!

اور بہت جلد جنگ کو بھی فیصلہ ہو گیا، اسی قدر جلد کہ جس کو دیکھنا
 بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

علاء الدین خوارزم شاہ کو شکست ہوئی !
 چنگیز کی فوجیں وحشت اور بربریت کی پوری شان کے ساتھ انجارا میں
 داخل ہوئیں ۔

علاء الدین کچھ حنیہہ لوگوں کو لے کر بخارا سے نکل گیا !
 اب بخارا چنگیز کے رحم و کرم پر تھا !
 لیکن رحم و کرم اور چنگیز؟ —————
 ۵: بالکل الگ مسئلہ و
 چیزیں تھیں !

بخارا اسہا ہوا تھا !
 بخارا کے در و دیوار پر ایک عجیب قسم کی سیرگوری اور اواسی برس رہی
 تھی وہاں کے لوگ وحشت کے سبب بالکل خاموش تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زندہ
 نہیں رہ چکے ہیں !
 چنگیز اپنی فوج ظفر موج کے سامنے ایک و بود انیم اور زبودست تقریر
 کی ، اس نے کہا

شاباش بہادر و !
 وہ کارنامہ تم نے کر دکھایا جس کی تم سے تو حقہ تھی ، تم نے میری
 قنا پوری کر دی ۔ تم نے بخارا فتح کر لیا ، اب اس طرح فتح کیا
 جس طرح میں چاہتا تھا ، یہ فتح تمہارے دست و بازو کا معجزہ
 ہے ایسا معجزہ جسے کوئی جھٹکا نہیں سکتا !
 لیکن میرے بہادر و !

تیار کام ابھی ختم نہیں ہوا، یہ تو صرف ایک بڑے کام کی
ابتدائی تھی، ابھی نہیں بہت کچھ کرنا ہے، ابھی بہت سے کارنامے تھے
انجام دینے ہیں، ابھی نہیں ایسے کام کرنے ہیں جنہیں بجا رہی نہیں
ساری دنیا یاد رکھے گی!

یہ شہر بہت دنوں میں بنا تھا، ہر سہا برس کے بعد اس نے یہ آب
ورنگ و رشاد، یہ رعنائی، یہ زیبائی، یہ جلال حاصل کیا تھا، تم اس کا آب و
ورنگ مشاہدہ اس کی شان ختم کر دو، اس کی رعنائی چھین لو، اس کی
زیبائی کو انہ پارہ بنادو، اس کا جلال ٹکڑے ٹکڑے کر دو!
یہ ہندو بالا عمارتیں!

نہیں میں انہیں دیکھنا بھی نہیں چاہتا، انہیں مسمار کر دو، ایک
ایک عمارت کو مٹی کا ڈھیر بنادو!
یہ عمارتیں! یہ کھنڈ!

میں مدرسوں اور مکتبوں کے نام سے بھی بیزار ہوں، ان سب کو
تور پیڑ چڑھاؤ۔ سجدوں میں آگ لگا دو، خانقاہوں کو زمین کے
برابر کر دو، کوئی چیز بھی باقی نہ رہنے پائے، کوئی چیز بھی صحیح اور سالم
نظر نہ آئے۔ سب پر تمہارا غیظ چلے — سب کو ٹکڑے ٹکڑے
کر کے رکھ دو!

نہیں، نہیں!

ابھی جلدی نہ کرو، میری باتیں سن لو، ابھی میں کچھ اور کہنا چاہتا

آگے بڑھیں گے !

شباباش !

شباباش بہادر و شباباش !

جنگ کے سپاہی اپنے آتما اور آرم سے بوجھ کر خود بخوار اور ستاک تھے تقریر کے ختم ہوتے ہی شکست و ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، آہ و فزیا کی دلد ز صدائیں بلند ہونے لگیں عمارتیں گرا رہی تھیں، مردوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈی بنائے جانے لگا، باقی ماند و آبادی کو پوری بے دردی کیساتھ قتل کر دیا گیا،

آخر جنگ کا حکم پورا ہوا !

بھارہ، یہ کل ملک مشرق کا بہترین اور خوبصورت شہر تھا آج خاک کا ڈھیر بن گیا۔ اب وہاں نہ اذان کی صدائیں اٹھتی تھیں، نہ آبادی نظر آتی تھی !

جنگ کا لشکر بھارہ کے درسوں، خانقاہوں، محلوں اور عمارتوں کو برباد کرنے کے بعد آگے بڑھا !

یہ بھارہ کی شکست و ہجرت اور آبادی کا یہ قتل عام افسانوی سائز نہیں، تاریخی حقیقت ہے ایک عینی شاہد کا قول تاہم کچھ کے صفحات تااریخوں کے باب میں اب تک محفوظ ہے !

آمدند و کتند و سوختند و بردند و رفتند ! ————— !

سمرقند کی باری تھی !

چنگیز خاں کا خیال تھا علاء الدین سمرقند میں ہو گا، اور نہ بھی ہو تو سمرقند بجائے خود
 " طوبیٰ خوب است " کے مصداق اس کی جو صراطِ الارض کو پورا کرے گا۔ سمرقند کے بارے
 میں متن خاں نے اسے بتا دیا تھا کہ یہ شہر بھی اپنی خوبیوں اور شاندار رہائشوں کے
 باعث مشرق کی جانب ہے، اگر اسے ذرا بڑا کیا تو کچھ نہ کیا، اگر اس کی اینٹ سے اینٹ
 نہ بجائی تو کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا، بات چنگیز کی سمجھ میں آگئی تھی چنانچہ اس نے
 سیدہ سمرقند کا رخ کیا !

سمرقند کے لوگوں کو بخارا کی تباہی اور بربادی کی خبر ابھی نہیں ملی تھی، انہوں نے
 جب چنگیز کے لشکر سے اپنے تئیں محصور پایا تو حیران ہوئے اور دل میں خوش بھی ہوئے کہ
 یہ بے وقوف بخارا کو سپردِ رکاب کیا گیا۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

یہ مجمعہ کے بڑے بڑے اذرعلاء الدین خوارزمشہ کی فوجیں بخارا سے بڑھ کر اس کا
 محاصرہ کر میں گی۔ پھر دہانے بائیں آگے پیچھے سے کہیں بھی اماں نہ ملے گی، ہری طرح
 مارا جاتا ہوگا، مرغان ہو گا اور ایمان دہا کو اس کے حال ذرا پر ترس آئے گا۔ یہ لشکر
 برباد ہو جائے گا، اور خود چنگیز اگر قتل نہ ہو تو گرفتاری اور قید کی ذلت سے دوچار
 ہو گا، سمرقند کے لوگ اگرچہ چنگیز کی شخصیت، اس کی سفاکی اور بربریت، اس کے
 ظلم اور شقاوت سے واقف نہ تھے، لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ چنگیز لاکھ بڑا آدمی ہو
 لیکن اتنا بڑا تو نہیں کہ ہمیں شکست دیدے، ہمیں ہرا دے،

ہم ہم ہیں، اور وہ وہ۔

چند روز کے محاصرہ کے بعد ایک روز دقتاً چنگیز کا مورخہ شکر سمرقند پر ٹٹ پڑا۔

سمرقند کے لوگوں کی خوش فہمیاں ہم یہ انہیں :
 بخارا سے علاء الدین کا لشکر سمرقند کی مدد کو نہیں آیا،
 ان سمرقند نے مدافعت اور مزاحمت کی کوشش کی، لیکن اس کوشش میں وہ
 کامیاب نہ ہو سکے اور دیکھتے ہی دیکھتے سمرقند بھی جو گنہگار
 بھی وہی حشر ہوا جو بخارا کا ہوا تھا۔ یہاں کی بھی اینٹ سے اینٹ بچ گئی، لوگ
 بے تکی شاقل کئے گئے، جو قتل نہیں کئے گئے، انہیں غلام بنالیا گیا، عصمت شعار
 اور باتمکین خواتین باندیاں بنائی گئیں۔

چنگیز کی ایک آرزو پوری ہو گئی کہ اس نے سمرقند کو اس طرح زیر و زبر کے
 رکھ دیا جس طرح کوئی ہولناک اور تباہ کن چیز زلزلہ کسی شہر کو آٹن کی آٹن میں الٹ پلٹ
 کر رکھ دیتا ہے اور کھنڈر بنا دیتا ہے۔ لیکن اس کی دوسری تمنا پوری نہ ہو سکی۔

علاء الدین : — علاء الدین اس کے ماتھے نہ آیا،

اس ناکامی نے اس کی خوشی چھین لی، اس نے بزم ہو کر غمناک سے کہا :
 علاء الدین کہاں ہے ؟

غمناک نے زمین ادب کو بوسہ دے کر لڑتے ہوئے کہا :
 میرے آقا دو پہاڑ آیا ہی نہیں !

چنگیز کی برہمی اب تک قائم تھی،

یہ تو مجھے بھی معلوم ہو چکا، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کہاں ہے ؟

کیا اسے زمین کھا گئی یا آسمان ٹھل گیا؟ — جب تک میں اسے ختم نہ کر
لوں مجھے قراؤ نہ آئے گا!
میں خاں نے عرض کیا

”میرے آقا جاسوسوں نے غلطی دی ہے کہ وہ مارنٹاں میں ہے! —
اب ہیں اسی طرف کوچ کرنا پڑے گا۔
چنگیز نے حکم دیا
لشکر کو حکم دے کہ آگے بڑھے۔“

بڑی لشکر اور جدد جہد و محنت شائدہ کے بعد لشکر بخارا سے سمرقند پہنچا تھا یہاں
جی اسے آرام دلا، یہاں آتے ہی اس نے جی اسرا کو کیا اور محاصرہ کرنے کے بعد جنگ
لڑی اور جنگ میں کامیابی ہونے کے بعد شہر کی ساری عمارتوں کو ڈھایا، مردوں اور
خواتین کو غلام بنایا اور ہزار ہا ہزار آدمی کی گردن ماری۔ اس سارے کام میں دیر لگی
گئی واکس بھی صرف ہوا اور تھکان بھی ہوئی، لشکر کے لوگ چاہتے تھے کہ ذرا استراحت
کر آگے بڑھیں گے، میں خاں کی بھی یہی رائے تھی، لیکن چنگیز کا حکم کون ٹال سکتا تھا؟
میں خاں نے ڈرتے ڈرتے کہا

”میں ابھی کوچ کا حکم دیتا ہوں، امید ہے صبح کو درم ہمارے قریب میں
سے روانہ ہو جائیں گی۔“

چنگیز نے تیوری چڑھا کر پوچھا
”گج دوم کیوں؟ — ابھی کیوں نہیں؟ —
میں خاں نے عرض کیا۔“

آقا نے نانداد کا حکم ہو تو مارا شکر ابھی ایک لمحہ میں تیار ہو کر سر پہ گھنٹہ رواڑ ہو سکتا ہے۔ یکن.....

چنگیز:۔ لیکن کیا؟..... صاف صاف کہو۔

من خان:۔ میں چاہتا ہوں ہمارا شکر آج صحت آج کی رات آرام کرے، اس کے بعد پھر نہ جانے کہاں کہاں کی منزلیں مارنا پڑیں گے کدھر کا وضع کرنا پڑے ایک رات کے آرام میں سب لوگ تازہ دم ہو جائیں گے۔

چنگیز بگڑ گیا

چنگیز ہر وقت تازہ دم رہتا ہے، وہ کبھی نہیں تھکتا!

من خان:۔ میرے آقا۔!

چنگیز خاں:۔ اور چنگیز کی فوج کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے، اسے بھی مکان کے نام سے چہ نا چاہیے!

من خان:۔ میرے آقا! میرے آقا!

چنگیز خاں:۔ اپنی چھو لدا رہی یہیں بھوڑے جاتا ہوں، تم اپنے ساتھیوں اور ہم خیالوں

سمیت اس میں آرام کرو۔۔۔۔۔ جسے میرے ساتھ چلنا ہو وہ آئے

یہ کہہ کر چنگیز ایک کمر گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ ایڑ لگانے ہی دلا تھاکا من خان اُس کے بڑھا اور رکاب سے لپٹ گیا۔

میرے آقا۔۔۔۔۔ میں بھی چلوں گا ہم سب چس گے!

چنگیز خاں:۔ تو آؤ۔۔۔۔۔ بس گھوڑے پر بیٹھ جاؤ!۔۔۔۔۔ ابھی اسی

وقت اب میں ایک لمحہ بھی صاف نہیں کر سکتا!

من خاں نے رکاب پکڑے پکڑے عرض کیا۔
 کہ از کم خاصہ تو نوش فرمایا لے،
 چنگیز ہنس پڑا
 میں سمجھ گیا، تم بھوکے ہو!

من خاں: نہیں میرے سروار میرے آقا! میں بھوکا نہیں ہوں۔۔۔۔۔ میں
 چاہتا ہوں آپ خاصہ نوش کر لیں، کئی دن سے آپ اتنے معروض نہ ہو
 ہیں کہ دسترخوان کچھ ہی نہ رکھا، صرف بھلوں پر قناعت کرنا پڑی،
 چنگیز خاں: ہاں۔۔۔۔۔ اور میں نے ذرا بھی تکلیف نہیں محسوس کی!۔
 من خاں: لیکن میں اہتمام کر چکا ہوں میرے آقا۔۔۔۔۔ صرف میری خاطر
 ہوتی رہی، اب اس خاصہ نوش فرماتے ہی کو چھو کہ

دیکھ لگا!

چنگیز خاں مسکرایا!

جیو ہم دیکھیں گے خاصہ کہاں تیار ہو رہا ہے اور کیا کیا تیار ہو رہا ہے؟

من خاں: چلے میرے آقا، آئیے میرے ساتھ!

چنگیز: چلو!

پھر اس نے ایک سپہ دار کی طرف دیکھ کر بلند آہنگی کے ساتھ کہا
 - فرما بھونک دو، سب کو اطلاع ہو جائے کہ ہم ابھی کو چھو کریں گے!

وہ سینہ پر ہاتھ رکھ کر بولا

- ابھی لیجئے میرے آقا!

چنگیز نے متن خاں سے کہا :

”آؤ۔۔۔!“

سپہ دار کے حکم سے فوراً قرنا کی آواز بلند ہوئی۔ چنگیز متن خاں کے ساتھ
اس خیمہ میں پہنچا جہاں دیگیں چڑھی ہوئی تھیں اور کھانا پک رہا تھا !
چنگیز نے کہا

”یہ ہے ہمارے خاصہ کپنے کی جگہ ؟“

متن خاں : ”میرے آقا بھی ہے یہیں میری نگہانی میں آپ کا خاصہ
تیار ہوتا ہے !“

چنگیز : ”کیا کیا پک رہا ہے ؟“

متن خاں : ”دبے کا گوشت ، کباب ، ردئی ، طرح طرح کے خوران نعمت !“

چنگیز : ”ہوں ہم دیکھ رہے ہیں !“

چنگیز متن خاں سے باتیں کر رہا تھا ، اور خیمہ میں کھل کھل کر کپنے کا سامان

دیکھ رہا تھا۔ وہ ٹہلے ٹہلے ایک باد رچی کے پاس پہنچا جو ردئی پکا رہا

تھا تازہ تازہ اور گرم گرم !

چنگیز نے ایک ردئی اٹھالی اور متن خاں سے کہا

”کباب لاؤ !“

متن خاں دو دو دو ڈاکا کباب لینے گیا جب تک وہ آئے تے چنگیز سات

آٹھ ردئیاں لکھی ہی کھا چکا تھا ۔

اتنے میں ایک قاب کے اندر بہت سے کباب لے کر متن خاں آیا چنگیز نے

قالب متن خاں کے ہاتھ سے بے لی اور کہا۔

• پانی لاؤ..... !

متن خاں دوڑا دوڑا پانی لینے گیا، اتنی دیر میں چنگیز نے کہا یوں کی قالب
صاف کر دی، ایک ایک لقمہ میں دو دو کباب دہ بڑی بے پروائی سے کھا رہا تھا۔
پھر روٹی تھی کباب نہ تھے، اب کباب تھے روٹی نہ تھی، اتنے میں متن خاں
پانی لے کر آیا، چنگیز نے کھڑے کھڑے پانی پیا اور متن خاں سے کہا
ہم نے خاصہ نوش کو لیا!

شکر کی کمر بندی ہو چکی تھی، خیمہ سے باہر نکلا۔ گھوڑے پر بیٹھا اور لشکر سمیت
مازندران کی طرف بڑھ دیا۔

باپ کی وصیت

چنگیز کا لشکر صفت سیل رواں آگے بڑھ رہا تھا، وہ جہر سے گذرنا تھا، تباہی پلاکت اور بربادی کے چہرے دکھاتا ہوا بڑھتا تھا۔ مستعدی کا یہ عالم تھا کہ دن کو دن سمجھتا تھا، زرات کورات، اور خون آشامی کی یہ کیفیت تھی کہ گناہگار اور معصوم کی کوئی تفریق نہیں تھی، جو سامنے آیا وہ کشتہ تیغ کسم ہوا..... اماں، پناہ، احسان ان چیزوں سے چنگیز کے لشکر کا ہر فرد بالکل ناواقف تھا!

چنگیز کا لشکر اب طوفان آب و باد کی طرح، نامزداران کی طرف بڑھ رہا تھا، بڑھتا چلا ہوا رہا تھا، راستے میں کئی شہر پڑے، وہ سب پامال ہوئے، بہت سی بستیاں گزریں وہ سب برباد کر دی گئیں، جتنے دیہات نظر آئے اجاڑ دیئے گئے، اور ان جگہوں کے باشندے بھی یا غلام بنائے گئے یا ہلاک کر دیئے گئے..... غلامی موت سے بڑھ کر تھی، جو لوگ غلام بنائے جاتے تھے، وہ پہلے تو خوش ہوتے تھے کہ جان بچی لاکھوں پائے لیکن جب غلامی سے سابقہ پڑتا تھا تو محسوس کرتے تھے، اکاشش وہ بھی ہلاک کر دیئے گئے، انہیں وہ حقوق اور مراعات بھی حاصل نہیں تھے، جو حیوانوں اور

۔ متن خاں علاء الدین یہاں بھی نہیں ہے !

متن خاں نے دست بستہ عرض کیا

۔ شاہ عالم پناہ رہے شک وہ یہاں نہیں ہے، حضور کی آمد کی خبر سنکر نوک

دم بھاگ گیا !

چنگیز :۔ اور بھاگ کر اسے ہیں مجبور کر دیا کہ ہم قناتب کا سلسلہ جاری رکھیں،
ہم جہد کر چکے ہیں لاکھوں کے انگری سرے پر بھی ہوسکا تو ہم وہاں جائیں گے

اور اسے قرار واقعی مزد دیں گے — خواہ وہ کہیں بھی ہو !

متن خاں :۔ بے شک ہم اس کا قناتب جاری رکھیں گے !

چنگیز خاں :۔ کتنے آدمی گرفتار ہوئے ؟

متن خاں :۔ ہزار ہا ہزار — گنتے کی ضرورت کیا ہے ؟

چنگیز خاں :۔ (سنسکرت) ہاں جن کی قیمت میں غلامی اور موت لکھی جا چکی ہے، انہیں شہداء
کرنے سے کیا حاصل ؟

متن خاں :۔ بجا ارشاد ہوا عالم پناہ !

چنگیز خاں :۔ بس تو ایسا کام کر دو — جو کام کے آدمی ہوں انہیں غلام بنا دو

جو ناکارہ ہو، انہیں موت کے گھاٹ اتار دو !

متن خاں :۔ بہت خوب — لیکن علاء الدین کے کچھ اہل خاندان

بھی گرفتار ہوئے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے ؟

چنگیز خاں :۔ (چونک کر) خاندان شاہی کے کبھی کبھی افراد گرفتار ہوئے ہیں،

متن خاں :۔ میرے آغا !

چنگیز خاں :- ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہو نا چاہیے، جو سب کے ساتھ ہو رہا ہے — غلامی یا ہلاکت !
 متن خاں :- بجا ارشاد ہوا، یہی ہو گا، لیکن غلام ایک بات گزارش کرنا چاہتا تھا۔

چنگیز خاں :- تم ہمارے غلام نہیں، دوست ہو بھائی، عزیز ہو —
 کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟
 متن خاں :- میری گزارش یہ تھی کہ جب تک خوارزم شاہی حکومت کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک —

چنگیز خاں :- یہ لوگ قید رکھے جائیں؟
 متن خاں :- یہی غلام بھی عرض کر رہا تھا!
 چنگیز :- لیکن کیوں؟ — کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہیں پانسہ پیٹ
 دجائے، اور ہمیں لینے کے دیے نہ پڑ جائیں؟

متن خاں :- نہیں میرے آقا — میں جانتا ہوں پانسہ پیٹ
 ہی نہیں سکتا!

چنگیز خاں :- ہم نے ہارنا نہیں سیکھا ہے!
 متن خاں :- بے شک — چنگیز نے ہارنا سیکھا ہے ہارنا نہیں،
 چنگیز خاں :- پھر اس مشورہ کی مصلحت؟

متن خاں :- غلام کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح متفرق طور پر ان لوگوں کو ہلاک کرنے
 سے کیا فائدہ، لطف تیرے جب تھا کہ علاء الدین کے سامنے ان لوگوں کی

.. جلال الدین (محمد بن بخش) کہاں ہے؟ ————— اسے بلاؤ

ابھی بلاؤ!

ایک خادم گیا اور تھوڑی دیر میں جلال الدین کو لے کر آگیا!

جلال الدین باپ کے پاس حاضر ہوا، اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، اور کہا غلام کو یاد فرمایا تھا آپ نے؟

علاء الدین :- ہاں بیٹا، میں نے تکلیف دی تھی تمہیں،

جلال الدین :- قبلہ و کعبہ آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ آپ کے ایک اشارہ پر جلال الدین اپنی جان قربان کر سکتا ہے!

علاء الدین :- میں جانتا ہوں میرے بیٹے ————— مجھے کچھ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں — بہت ضروری، بے حد اہم!

جلال الدین :- ارشاد، ارشاد!

علاء الدین :- لیکن وہ باتیں سب کے سامنے نہیں کہی جاسکتیں، تخلیہ ضروری ہے،

یہ بات سنکر سب لوگ ایک ایک کر کے اٹھ گئے،

جب بالکل تخلیہ ہو گیا تو جلال الدین نے کہا

قبلہ و کعبہ سب لوگ چلے گئے۔ اب یہاں کوئی نہیں ہے، ارشاد فرمائیے،

آپ کہنا کیا چاہتے تھے؟

علاء الدین :- تم میرے اور قریب آ جاؤ، بالکل قریب ————— دیوار

ہم گوشہ دارو!

جلال الدین کھسک کر اور قریب آگیا اور منتظر چھوڑوں سے باپ کو دیکھنے لگا

کہ وہ کیا کہتا ہے ؟ علاء الدین نے خیمہ پر ایک متجسسہ نظر ڈالی اور رازدارانہ انداز میں کہا ۔

۔ کوئی ہماری باتیں سن تو نہیں سکتا ؟

جلال الدین :- نہیں تیرے دیکھ کوئی بھی ہماری باتیں نہیں سکتا ، بالکل نخلہ ہے ، علاء الدین :- پھر بھی خیمہ سے باہر نکل کر دیکھ آؤ جا کر ، کوئی اس پاس تو نہیں ہے ؟

جلال الدین کو حیرت تھی کہ وہ کون سی راز کی بات ہے جو علاء الدین کہنا چاہتا ہے ، لیکن باپ کا حکم مائل بھی نہیں سکتا تھا ، باہر نکلا اور اچھی طرح ادھر ادھر دیکھ کر واپس آیا اور باپ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا

۔ میں نے دیکھ لیا اس پاس کوئی بھی نہیں ہے ، آپ فرمائیے کیا کہنا چاہتے ہیں ؟

علاء الدین :- ایک بہت اہم معاملہ میں صلاح لینا چاہتی ہوں !

جلال الدین :- فرمائیے میں بڑی توجہ سے سن رہا ہوں ،

علاء الدین :- کیا میں چنگیز کی اطاعت قبول کر لوں ؟

جلال الدین :- (تیزی پر صفا کر) میں کیا عرض کر سکتا ہوں

رہو بہ مملکت خویش خرداں دانند !

علاء الدین :- پھر بھی تمہاری کیا رائے ہے ؟

جلال الدین :- (غصہ سے سانسیں لے کر) میری رائے لینا بیکار ہے ، سرداران فوج سے پوچھئے ، ولی عہد مملکت سے دریافت کیجئے ، اور بابا حل و عقد کا ایسا لہجہ !

علاء الدین :- ان سب سے پوچھ چکا ، ان سب کی رائے ہے کہ ہمیں قسمت سے

نہیں لڑنا چاہیے !

جلال الدین۔ قسمت؟ — یعنی یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ چنگیز نے اپنا قسمت سے

دُنا ہے؟

علاء الدین۔ ہاں یہی سمجھتے ہیں۔ — اچھا یہ بتاؤ اگر تم میری جگہ ہوتے
تو کیا کرتے

جلال الدین خاموش رہا اس نے کوئی جواب نہیں دیا،

علاء الدین۔ بتاؤ بیٹے میں تم سے پوچھ رہا ہوں :-

جلال الدین۔ درجوش کے عالم میں خدا آپ کو عمر خضر عطا فرمائے، —

علاء الدین۔ ارے کیا تم میرا مرنا نہیں چاہتے؟

جلال الدین۔ آپ کی زندگی کیلئے میں اپنی جان تک قربان کر سکتا ہوں!

علاء الدین۔ دفعۃً ہی سانس لیکر خیر — ہاں یہ بتاؤ آگے تم کیا کہہ رہے
تھے؟

جلال الدین۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو زندگی کی آخری سانس

تک چنگیز کا مقابلہ کرتا، چنگیز اگر قسمت ہے تو میں اسے بھی مقابلہ کرتا، اور

اسے شیشہ کی طرح چکنا چور کر دیتا۔

یہ سن کر علاء الدین اٹھنے لگا، جلال الدین نے اسے پھر لٹا دیا اور کہا

قبلہ کعبہ آپ بہت کمزور ہیں، ہرگز اٹھنے کا ارادہ نہ کیجئے۔

علاء الدین۔ اچھا تو اور قریب آ، میرے سینے سے لگ جا۔ میں تجھے پیار کر دوں
گنا:

جلال الدین، باپ کے سینے سے لپٹ گیا، علاء الدین نے اس کے سر پر ہاتھ

پھیرا اس کی پیشانی کا بوسہ کیا اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اس نے لڑتی ہوئی آواز میں کہا،

میرے سب سے میرے بچے — مجھے تجھے یہی توقع تھی، تو نے میرا دل رکھ لیا۔ اب میں خوشی سے مروں گا،

جلال الدین: اب بہت دن زندہ رہیں گے۔

علاء الدین: نہیں بیٹے، میں اب چند گھنٹوں کا مہمان ہوں، اپنے متعلق میں بھوکا نہیں کھا سکتا رہیں، جانتا ہوں میری کیا حالت ہے؟

جلال الدین: صرف کمزوری ہے، یہ کمزوری کبھی ان شاء اللہ جلد جاتی رہے گی علاء الدین: بچے مجھے غافل تھی نہ دو میں اب زندہ نہیں رہ سکتا اور تمہاری ماس گنگندہ کے بعد مجھے زندہ رہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے! مجھے امید ہے تم میرا کام جاری رکھو گے۔

جلال الدین: آپ کا مطلب جنگیز —

علاء الدین: ہاں — میں چاہتا ہوں، جنگیز کی وحشت اور بربریت سے تم مر غم نہ ہو، تم مسلمان ہو اور مسلمانوں کی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ انہوں نے نامساعد سے نامساعد حالات میں، دشمن کا مقابلہ کیا اور بالآخر کامیاب ہوئے، تم مسلمان ہو اور بدو وحین کی موکہ آرائیاں تمہارا مقدس ترکہ پیسے — کیا تم اس مقدس ترکہ سے دست بردار ہو جاؤ گے؟

جلال الدین: ہرگز نہیں — تم بدو کبہ جلال الدین جب تک زندہ

ہے، وہ قوت و شوکت، طاقت اور جاہ و جلال، دبدبہ اور طنطنہ، کثرت
اخراج و مال و زر اور سائے و سایان جنگ سے مرعوب نہیں ہو سکتا
وہ لڑے گا اور میدان جنگ سے کبھی مزہ نہیں پھرے گا،

علاء الدین: ہاں میرے بیٹے میں یہی چاہتا ہوں۔

جلال الدین: میں جانتا ہوں پیگنیز تیرا خدا وندی کا تصور ہے، ہو اگرے ہو بے کو تو ما
کاٹا ہے، ہم اگر ڈٹ کر مقابلہ کریں تو اس کے دانت کٹے کر سکتے ہیں، یہ
ہم اگر متحد ہو کر میدان جنگ میں اتریں تو اسے شکست فاش دے سکتے
علاء الدین: (دکڑو آواز میں) کیا کہا، متحد ہو کر ————— کیا مسلمان متحد
ہو سکتے ہیں؟

جلال الدین: کیوں نہیں ہو سکتے، اگر وہ متحد نہ ہوئے تو بے شک تباہ ہو جائیں گے
پھر خوار و ذمہ شاہی سلطنت بھی رہ جائے گی اور خلافت عباسیہ کی بھی
امینت سے امینت بچ جائے گی، پھر دفاعی کچھ نہیں ہو سکتا۔

علاء الدین: تو کیا اگر مسلمان متحد نہ ہوئے تو تم ہمت دار جاؤ گے، لڑو بیٹے؟
جلال الدین: نہیں قبلہ و کعبہ ————— میں نیچے سے بے پروا ہو کر جنگ

جاری رکھوں گا، یہ میرا فرض ہے، یہ آپ کی وصیت ہے ———
میں اس فرض کو انجام دوں گا، میں وصیت کی تعمیل کروں گا:

علاء الدین نے پھر جلال الدین کو مسینہ سے لگا لیا اور کہا
میں اس مسافرت اور محجوری کے عالم میں تمہیں کوئی انجام نہیں دے سکتا
لیکن خدا اس حسن نیت کی جزا ضرور دے گا:

اتنے میں غامض نے آکر اطلاع دی کہ حکیم صاحب انتظار میں بیٹھے ہیں،

جلال الدین نے کہا

”جاؤ انہیں ملے آؤ!“

حکیم صاحب، اور حکیم صاحب کے ساتھ خاندان کے دوسرے لوگ بھی
آموجود ہوئے، حکیم صاحب نے نبض دیکھی، ان پر اس وقت محویت کا عالم طاری تھا
پھر انہوں نے ہاتھ ہٹایا اور یابوسی کی نظر ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے

جلال الدین نے پوچھا

”قبضہ کعبہ کا مزاج کیسا ہے؟“

حکیم صاحب نے کہا

”اب پوچھنے کی ضرورت نہیں دیکھنے کی ضرورت ہے — دیکھ !

جلال الدین باپ کی طرف لپکا اس نے دیکھا کہ علاء الدین کی آنکھیں بند ہیں ایسا
معلوم ہوتا ہے، وہ سو رہا ہے، وہ سوچنے لگا قبضہ کعبہ باتیں کرتے کرتے سو کیسے گئے؟

اس نے پھر حکیم صاحب سے پوچھا،

”کیا ہوا انہیں؟“

حکیم صاحب نے کہا

”جی جو ایک ردہ سب کو پیش آتا ہے ————— بختیہز بختیہز“

سامان کیجئے!“

اس اچانک موت پر جلال الدین کے مہرے پیچ نکل گئی۔ چنے پروگرام

لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا !

برسہ کہ ہم اپنے

تمن خان کا چنگیز کو مشورہ!

علاء الدین خوارزم شاہ کی وفات نے دوستوں کو غم اور غمغصوں کو مسرور کر دیا۔ دوست بہت کم تھے اور خود غصہ بہت زیادہ! چنگیز خاں کچھ دنوں کے لئے اپنے مستقر پر واپس آ گیا تھا، اگرچہ علاء الدین اس کے ہاتھ نہ آیا، پھر بھی وہ اپنے تئیں ناکام نہیں سمجھتا تھا، تمن خان نے اسے باز کر دیا تھا کہ اس کے ان بے بہرے حیلوں نے علاء الدین کی کمزوری ہے، اور اب وہ رمال سے ہاتھ باندھ کر عامر ہو اسی چاہتا ہے۔ چنگیز خاں یہ سوچ رہا تھا، اگر تمن خاں کی بات پوری نہ ہوئی تو پھر میں پہلے سے زیادہ جوش و خروش اور زور و قوت کے ساتھ خوارزم شاہی حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے میدان میں آ جاؤں گا۔ مستقر آ جانے سے یہ فالو ہو گا کہ فوج کی تنظیم جدید ہو جائے گی، اور ایک مرتب ہو جائے گا! — وہ فوج کی تنظیم جدید اور مینا نقطہ جنگ لیکن اسے انہماک کے ساتھ مشغول تھا، ان کاموں میں اتنا الجھا رہا تھا کہ اس نے مینا جتنا تقریباً بند کر رکھا تھا۔

چنگیز نے ایک نئی ملٹن قائم کی تھی، آج اس کا معاذ کرنا تھا، ابھی وہ اپنے خیمہ سے باہر نہیں نکلا تھی کہ متن خاں درازا ہوا اندر گھس آیا چنگیز کو اس کی اس کی اس حیات پر حیرت ہوئی اس نے کہا

”تم یہاں کیسے آ گئے، بغیر اجازت!“

”متن خاں اپنے آقا کا اگرچہ مزاج شناس تھا، لیکن اس وقت اس پر کچھ اور ہی کیفیت طاری تھی، اس نے کہا۔

”میرے آقا، میں اس وقت ایسی خبر لے کر آیا ہوں جسے فوراً گوش

گزار کرنا چاہتا ہوں، ایک لمحہ کا تفت بھی میرے لئے بیکار تھا!

چنگیز کو اور حیرت ہوئی کہ آخر وہ کون سی خبر ہو سکتی ہے؟ اس نے پوچھا

”تو کہتے کیوں نہیں کون سی خبر ہے وہ؟“

”متن خاں! علاء الدین مر گیا!“

چنگیز خاں! (محبوب ہو کر) علاء الدین مر گیا؟ کیا واقعی؟

”متن خاں! غلام اپنے آقا تک دی خبر پہنچا تب ہی جو شک و شبہ سے بالا ہوا!

اب تک باہر جلنے کیلئے چنگیز کھڑا کھڑا متن خاں سے باتیں کر رہا تھا، اب وہ بیٹھ گیا۔ اس نے کہا

”یہ تو واقعی بڑی اچھی خبر ہے!“

”متن خاں! اس خبر کے اچھے ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اب ہم اپنے پروگرام

پر نظر ثانی کرنے کیلئے مجبور ہو گئے ہیں!

چنگیز خاں! پروگرام پر نظر ثانی؟ — کیا تمہارا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے

حکما ارادہ ترک کر دیں؟

ممن خاں: میرے آقا، میں بھی چاہتا ہوں!

چنگیز خاں: تم اتحق ہو — ہم اپنا ارادہ بدل نہیں سکتے، دشمن کی اس

پریشانی اور اہتری سے میں فائدہ اٹھانا چاہیے، اور تم چاہتے ہو کہ اسے

ہم تیار کر کے کامو قویں؟ — کتنی بے تکلیبات ہے،

ممن خاں خاموش ہو گیا اسے خاموش دیکھ کر چنگیز خاں نے کہا

کیا تمہیں ہماری رائے سے اتفاق نہیں ہے؟

ممن خاں: غلام میں یہ جرات تو نہیں کہ وہ اپنے آقا کی رائے سے اختلاف کر سکے،

ہاں وہ یہ ضرور چاہتا تھا کہ وہ اپنے خیالات پیش خدمت کر سکتا!

چنگیز خاں: اجازت ہے — کہو!

ممن خاں: جہاں تک دشمن کی پریشانی اور اہتری سے فائدہ اٹھانے کا تعلق ہے،

میں پورے طور پر متفق ہوں اس تجویز سے، لیکن میرا طرز فکر دوسرا ہے!

چنگیز: ہم سنیں گے، تمہاری رائے کی ہماری نگاہ میں وقعت ہے!

ممن خاں: دشمن سے فائدہ اٹھانے کی بہترین ترکیب غلام کے خیال میں یہ ہے

کہ اسے فی الحال اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے!

چنگیز خاں: بے وقوف — یہ کیوں؟

ممن خاں: اگر ابھی اس پر حملہ کیا گیا تو وہ اس قدر جلد زیر نہیں ہو گا، جتنا کہ عرصہ

بعد، حملہ کی خبر سن کر علاء الدین کہے "متفق ہو جائیں گے، مسلمانوں میں

اتحاد ہو جائے گا، ہو سکتا ہے: دوسری مسلم حکومتیں بھی ہمارے اس اقدام

کرنا پسند کریں اور اس کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں
 چنگیز :- ہم کسی اسلامی حکومت کو خاطر میں نہیں لاتے، جو ہم سے لڑنا چاہتا
 ہے وہ شوق سے میدان جنگ میں اتر آئے ہم اس کا خیر مقدم کریں گے
 متن خاں :- بیشک — اور اس پر غالب بھی آئیں گے !
 چنگیز :- جب یہ جانتے ہو تو پھر ایسا احمقانہ مشورہ کیوں دے رہے ہو؟
 متن خاں :- اگر دشمن کو اس وقت یوں ہی اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو آپ
 جانتے ہیں نتیجہ کیا ہوتا؟

چنگیز :- بتاؤ —

متن خاں :- نتیجہ یہ ہوتا کہ علاء الدین کے بیٹے آپس میں لڑنے لگتے، یوں بھی وہ کمزور
 ہیں، اس خانہ جنگی سے وہ اور زیادہ کمزور ہو جاتے، اور ان کے کمزور
 ہو جانے کے بعد صرف ایک فوج کشی میں کام بن جاتا!
 چنگیز :- (مسکاکر) پھر یہ حکومت کچے ہوئے پھل کی طرح ہماری گود میں گر جاتی!
 متن خاں :- بے شک، سردار عالم بے شک!
 چنگیز :- دہر بانی کیا تھا! اچھا ہم تہاری تجویز پر غور کریں گے!
 متن خاں :- اس بندہ نوازی کا شکریہ ا

چنگیز :- لیکن ایک بات کا سختی سے خیال رکھنا، وہ یہ کہ فوجی تیاریوں میں کسی قسم
 کی ڈھیل نہ پڑنے پائے، ہماری فوج ہر وقت کیل کانٹے سے لیس
 رہے ہمارے ایک اشارہ پر کھڑے ہو جائیں گے!

متن خاں :- ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے اور اب بھی ایسا ہی ہوگا ہماری فوج

تین خاں۔ ہر وقت کیل کھانے سے کیس رہتی ہے وہ اپنے مالک کا اشارہ پاتے
 ہی دشمن پر اس طرح ڈٹ پڑتی ہے جس طرح شہباز کو تر پر!
 چنگیز یہ ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کیا فیصلہ کریں گے۔ لیکن ہماری بخوریں
 معقولیت کا پہلو ہمیں نظر آتا ہے، ہم اس پر غور کریں گے اور کل نہیں
 جواب دیں گے۔!

تین خاں۔ بہت بہتر۔۔۔ ہماری کئی پلٹیں اس انتظار میں ہیں کہ آپ
 ان کا ساتھ فرمائیں گے۔

چنگیز۔ چلو۔۔۔ ہم معاندی کے لئے جارہے تھے کہ تم آگئے،۔۔۔
 — اور واقعی تم نے ہیں ایسی خبر سنائی جسے سنکر میں خوش ہوں
 پھر چنگیز تین خاں کو لے کر اپنے نئے بھرتی شدہ سپاہیوں کا ساتھ کرنے چلا گیا

اور چنگیز خاں اور اس کے مشیر تین خاں کی یہ رائے غلط بھی نہیں تھی!
 علاء الدین خوارزم شاہ جیسے ہی اس دنیا سے رخصت ہوا اس کے بیٹوں میں
 جنگ زرگری شروع ہو گئی، ہر شخص کی ہی تمنا تھی کہ وہ ملک تاج و تختیں جو ایک ہی بیٹا
 ہوتا تو یہ سوال نہ پیدا ہوتا۔ کئی بیٹے تھے اور ان میں سے ہر ایک سب سے زیادہ اپنے
 آپ کو مستحق سمجھتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ جو جس شہر میں تھا وہیں اس نے اپنی جگہ کھلائی
 اور نہ مال و دانی کا اعلان کر دیا، ایسے سوتوں پر عزائم اگر بیدار ہوں تو وہ خود
 ہی آگے بڑھ کر ناکاہوں کو شاد بے ہیں اور کسی مسخ شخص کو اپنی قسمت
 کا مالک بناتے ہیں، خوارزم شاہی حکومت کا وارہ اگرچہ بہت وسیع تھا اور اس کے

اطاعت گزاروں کی تعداد و شمار سے خارج تھی۔ لیکن یہ عوام کا لاف نام تھے، یہ حالات کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے ان میں اتنا دم نہیں تھا کہ یہ نااہل کو مار بھگائیں اور مستحق شخص کو اپنا فرماں رواں بنادیں، نہ ان کی سیاسی تربیت ہوئی تھی، نہ ان میں شعور سیاسی تھا، یہ صرف اس لئے تھے کہ جو یا فرماں روا وقت و شوکت کا مظاہرہ کرتا ہو اس سامنے آئے، یہ اپنی گردن میں اس کی اطاعت کا قلابہ ڈال لیں، اور پھر علاء الدین کی تو لوگوں کے دلوں پر ہیبت بٹھی ہوئی تھی، اس کے بیٹوں کے متعلق بھی یہ خیال تھا کہ ان میں سے جو بھی مالک اور ننگ حکومت ہوگا، وہ باپ سے زیادہ نمایاں کارنامے انجام دے گا، انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ صرف حکومت کرنا چاہتے ہیں حکومت کے فن سے ناواقف ہیں، یہ بادشاہت کے تخت پر اس لئے قابض ہونا چاہتے ہیں کہ بے اندازہ دولت کے مالک بن جائیں گے اور اس دولت سے عیش و عشرت کریں، لطف زندگی ٹھائیں، یہ اختیار اقتدار کے اس لئے اچھوٹے تھے کہ اسے اپنی غلامی میں لے کر اپنے جیسے لوگوں کو بوازیں اور ان لوگوں پر ظلم کریں جو ان کی حرص و حرص کو پسند نہیں کرتے، ان کے نزدیک بادشاہ کا مقصد خدمت خلق نہیں تھا، عوام کی دوا دہی نہیں تھی، مظلوموں کی دستگیری نہیں تھی، محتاجوں کی امداد و اعانت نہیں تھی، ظالموں کی سرکوبی نہیں تھی، رشوت خوردوں اور چاہ پرستوں کا قطع قہر نہیں تھا، یہ صرف ایک بات کے جو یا تھے بادشاہت کریں، عیش کریں زندگی کے منہ سے اڑائیں قوم پر باد ہوئی ہے تو ہو، ملک تباہ ہو تا ہے تو انہیں کوئی پروا نہیں، اسلام پر زوال آتا ہے تو آیا کرے، بے خطا و بے گناہ مسلمان بیٹھ کر بکری طرح نظر کرتے ہیں تو ہوا کریں، یہ سارے وہ مسائل تھے جن سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا، جن پر

کرنایہ وقت کا ماضی کرنا سمجھتے تھے۔ چنانچہ خوارزم شاہی حکومت کے مختلف شہروں میں بادشاہتیں قائم ہو گئی تھیں، کوئی بھائی بھی ایسا نہیں تھا، جو دوسرے سے اپنے کو کمتر سمجھتا تھا، لہذا قدرتا ہر بھائی کے دلیس یہ تنا گھڑائی لے رہی تھی کہ وہ دوسرے بھائیوں کو اپنا میطیع بنا لے، اور خود اقتدار و اختیار کی ہاگ اپنے ہاتھ میں لے لے! — یہ ذہنیت خارج جنگی اور طوائف الملوکی کا پیش خیمہ تھی لیکن جب برے دن آتے ہیں، قسمت بگڑتی ہے اور ادبار سر پر منڈلانے لگتا ہے تو حقیقت پر کوئی اعز نہیں کرتا، صرف اپنی ذات ہر شخص کو پیش نظر ہوتی ہے!

— یہی اس وقت خوارزم شاہ کے خاندان میں بھی ہو رہا تھا!

ہاں ایک جلال الدین تھا، جو سب سے الگ تھا۔ تحت حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے خاندان خوارزم شاہی میں کشمکش ہو رہی تھی تو یہ الگ بیٹھا، حسرت و انوس کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا، اس نے نہ کسی بھائی کا ساتھ دیا، نہ کسی سے لڑا نہ کسی سے کوئی مطالبہ کیا! — چونکہ یہ سب الگ تھلگ تھا، لہذا دوسرے بھائی بھی اسے بھولے ہوئے تھے۔ وہ الگ الگ شہروں میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر رہے تھے۔ اور یہ ایک گوشہ میں بیٹھا مسلمانوں کی قسمت کو رد رہا تھا!

ایک روز جلال الدین اسی نگر میں مستقر ہو بیٹھا تھا، کہ اس کے ایک جانشین اور نذاکار دوست اور ساتھی اور دود کے رشتہ دار معین الدین نے کہا!

ہیں امید تھی کہ آپ حالات سنبھال لیں گے لیکن آپ کی اس خاموشی اور گوشہ نشینی نے ہماری ساری امیدیں خاک میں ملا دیں — آخر آپ کیا

سوچ رہے ہیں؟
جلال الدین مسکرایا۔

میرے دوست، میرے عزیز، میرے ساتھی کیا تم نہیں جانتے
کہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟
معین الدین: بالکل نہیں جانتا۔ خدا کے لئے حالات کی نزاکت
کو محسوس کیجئے اور۔۔۔

جلال الدین: حالات کی نزاکت کو تو اچھی طرح شاید تم سے بھی زیادہ محسوس
کر رہا ہوں لیکن۔۔۔ اور کیا کر دوں؟ یہ نہیں جانتا۔ بتا سکتے ہو کچھ؟
معین الدین: ضرور بتا سکتا ہوں!

جلال الدین: تو پھر نیک میں تاخیر کیوں؟۔۔۔ بتاؤ!
معین الدین: لیکن مجھے امید نہیں کہ آپ میری بات مان لیں گے!
جلال الدین: بلاوجہ مایوس اور ناامید نہ بننا ایک مسلمان کا کیٹوہ نہیں، میں جانتا
ہوں تم میرے عفر ہو، کہو میں سنوں گا، عذر کروں گا، اور اگر مہن ہو تو
مان بھی لوں گا!

معین الدین: بھلائی کا صرف ایک راستہ ہے۔۔۔ یہ کہ آپ اپنی بادشاہت
کا اعلان کر دیں!

جلال الدین: (زہر خنک سہا) تم جیسے دیرینہ اور آزمودہ کار مخلص دوست سے یہ
تو حقارت تھی کہ وہ ایسا مہنگ اور خطرناک مشورہ دے گا!
معین الدین: میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا آپ میری بات نہیں مانیں گے، یہی ہوا،

جلال الدین: کیسے مان لوں؟ — حکمرانی کے امیدواروں کی فہرست میں
ایک نام کا اور اضافہ کر دوں؟ تم مجھے اتنا خود عرض کھتے ہو؟
معین الدین: خود غرضی یہ ہے کہ آپ اپنی شخصیت کو بچانے کے لئے مسلمانوں کو
نظر انداز کر رہے ہیں، مسلمانوں کے مفاد عمومی کو فراموش کئے
دے رہے ہیں،

جلال الدین: — مسلمانوں کے حال زار پر میرا دل کڑھ رہا ہے، اس خون کے
آنسو رو رہا ہوں لیکن آنسو میں ان کی مدد نہیں کر سکتا میں ان کے
کام نہیں آ سکتا!

یہ کہہ کر جلال الدین بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، روتے
روتے آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہو گئی، ہچکی بندھ گئی، اس نے بھرائی
ہوئی آواز میں کہا

.. کاش مجھے موت آجائے!

معین الدین: مر کو کیا کر لو گے میرے دوست؟ — زندہ رہ کر تم کچھ
نہیں کر سکتے، مرنے کے بعد کون سے جہنمے گاڑ لو گے؟ — تمہیں
خدا نے دقت دیا ہے، موقع دیا ہے اس سے فائدہ

اور خدا کے بندوں کے کام آؤ۔

جلال الدین: دہے بسی کے ساتھ (کسی طرح)؟

معین الدین: — تحت حکومت پر قبضہ کر کے!

جلال الدین: تو یوں کہو گویا تم مجھے خانہ جنگی کی طرف مائل کر رہے ہو —

ایں! معین الدین:۔ اگر تم خانہ جنگی روک نہیں سکتے، تو خانہ جنگی میں مبتلا ہو کر اس کا خانہ کر دو۔۔۔۔۔ تم جانتے ہو، تمہارے بھائیوں میں ایک بھی ایسا نہیں جو حالات پر قابو پا سکے!

جلال الدین:۔ ہاں اچھی طرح جانتا ہوں! معین الدین:۔ تمہارے بھائیوں میں ایسا بھی کوئی نہیں ہے جو غلی اس دامن قائم رکھ سکے جلال الدین:۔ ہاں یہ بھی ایک حقیقت ہے! معین الدین:۔ اور ان میں سے کوئی تاتاری پورش کا بھی حریف نہیں بن سکتا! جلال الدین:۔ حالانکہ والدہ رحم کی سب سے بڑی تمنا یہی تھی!

معین الدین:۔ اور مجھے یاد ہے تم نے کہا تھا اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت انہوں نے وصیت کی تھی کہ اس کام کو جاری رکھنا، کیونکہ وہ سمجھتے تھے، اگر چنگیز نے خوارزم شاہی حکومت ختم کر دی تو پھر کوئی اسلامی حکومت بھی ان کی دستبرد سے نہیں چکر سکتی، ہر مسلم حکومت ختم ہو جائے گی مسلمانوں کا قتل عام ہوگا اور پھر ایک نہ ایک دن خلافت عباسیہ بھی تاتاری تلوار کے سامنے دم توڑ دے گی۔

جلال الدین:۔ (دشمن کے عالم) جب تک میں زندہ ہوں یہ نہیں ہو پائے گا! معین الدین:۔ کیا کرو گے تم؟۔ بتاؤ تو سہی!

جلال الدین:۔ میں سدسکندری بن کر اس طوفان کو روکوں گا، اس کا مقابلہ کر دوں گا، اس کا رخ پھیر دوں گا، جب تک میں زندہ ہوں، چنگیز کی ہر حسرت نہیں پوری ہو سکتی، میں اس کدواں کھٹے کر دوں گا۔ اسے بتا دوں گا کہ جسے وہ غصا کرتا

مجھ رہا ہے، وہ فولاد ہے، اسے وہ ہضم نہیں کر سکتا، اس سے اس کے
 دانت ٹوٹ جائیں گے، اس کی زندگی تھک ہو جائے گی!
 معین الدین: لیکن یہ سب کچھ کیونکر ہو گا؟ — میں اسی گوشہ قناعت میں بیٹھ کر
 اگر واقعی تم اپنے قول میں مخلص ہو، تو پھر آؤ، باہر نکلو، اور وہ کرد جو تمہیں
 کھانا چاہیے جس کے تم اہل ہو، جو صرف تمہیں کر سکے ہو!
 مجھے یقین ہے تاتاری پورش کا مقابلہ واقعی حلال الدین کے سوا کوئی نہیں
 کر سکتا!

حلال الدین: کیا تہاری رائے ہے میں بھی اپنی بادشاہت کا اعلان کر دوں؟
 معین الدین: تیر کسی تھپک کے میرا جواب ہے — ہاں!
 حلال الدین: ایک عزم کے ساتھ، تو میں تمہیں اپنا نقیب بناتا ہوں اجازت دیتا
 ہوں میری بادشاہت کا اعلان کر دو!
 معین الدین: جوش مسرت میں حلال الدین سے لپٹ گیا۔ اس نے زور
 سے نرہ لگایا

شہنشاہ حلال الدین خوارزم شاہ زندہ باد!

فائقہ!

جس طرح غوری خاندان کا جاہ و جلال اور مدبر، سلطان غیاث الدین
اور سلطان شہاب الدین کے دم سے تھا اسی طرح خوارزم شاہی خاندان کی آن بان
علاء الدین خوارزم شاہ اور محمد بن تمش جلال الدین خوارزم شاہ کی ذات سے ملتی علاء الدین
۵۶۵ھ میں تخت نشین ہوا اور مختصر مدت میں اس کو قبیۃ مملکت سندھ اور البیڑ خراسان
اور ہندوستان تک پھیل گیا اس بھائیوں کے گرد فرجاء و مرقت اور شان و شکوہ کا خاتمہ اسی
اولیٰ الزم فرمان بردار کے ہاتھوں ہوا۔

لیکن زمانہ بڑا بے رحم ہے، وہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا نہ کسی کے ساتھ حمایت
نہیں کرتا، کسی پر احسان نہیں کر سکتا کسی کے ساتھ مدت کا ساتھ نہیں کرتا اس
کی بچی میں جیا جاتا ہے وہ پس جاتا ہے ہمت بھی جاتا ہے علاء الدین کا نیز آفتاب بھی
مافیٰ بزوال ہو چنگیز کی پورش نے اس کا دبہ ختم کر دیا عالم غربت میں اسے موت
آئی اور وہ اپنے شاہزادہ آغا زاد و حرمت انجیہ انجام کو یاد کرتا ہوا اس دین سے رخصت
ہو گیا اس کی جمیعت اور شوکت کو کچھ دھکا تو چنگیز کے باعث پہنچا، دوسری مصیبت یہ

آٹھ سو اس کے بیڑوں میں تخت نشینی کے لئے انکشمش شروع ہو گئی، ان سب میں
ابن مسقر اور سراپا گرد شخصیت جلال الدین کی تھی۔ پہلے تو وہ اس انکشمش سے ذرا الگ الگ
مہا سین پھر کچھ باپ کی وصیت کو یاد کر کے کچھ حالات کے اقتضا سے مجبور ہو کر اور کچھ
مہینہ الدین کے مشورہ سے متاثر ہو کر اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا، لوگ
جو حق اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے، بہت جلد اس کی سلطنت تمام
یوگنی چند ہی سال میں داخلی شورشوں اور خارجی یورشوں کے باوجود اس نے
اپنے حدود سلطنت اپنے باپ سے بھی زیادہ بڑھائے، عراق سے لے کر ترکستان بلاد
خرزہ ہندوستان کے بعض حصے سمیت ان، کرمان، طبرستان، جرجان، خراسان
در فارس وغیرہ اس کے زیر اقتدار آ گئے۔

جلال الدین کی ذات عجیب و غریب صفات کا مجموعہ تھی :

وہ بہت بڑا فاتح تھا، کثرت تھا، فرائز روا تھا، ساتھ ہی ساتھ اے علم
دوب سے بھی گہرا شنف تھا۔ وہ اچھا شاعر اور عالم بھی تھا !

تختِ حکومت پر بیٹھنے کے بعد اس نے جہاں نظام عدل و امن استوار کیا
وہیں اس نے علمی اور ادبی سرپرستی کا سلسلہ بھی شروع کر دیا، وہ علماء اور فنکاروں کو ترغیب
کرتا تھا، ان کی محبتوں اور مناظروں میں شریک ہوتا تھا، اختلافی سائل کی تحقیق میں
بڑے حوصلہ کے ساتھ لیتا تھا، علماء کی مالی امداد کرتا تھا ان کے وقار اور احترام کو ہمہ جہات
میں ملحوظ خاطر رکھتا تھا۔ علم سے اس کی وابستگی اور رغبت کی کاسب سے بڑا
سبب یہ تھا کہ وہ وقت کے بہت بڑے عالم، واعظ، صوفی، محدث، مفسر اور
معلم اخلاق حضرت امام فخر الدین راضی کا شاگرد تھا ! اس کی ذرا پانچویں نے امام صاحب

کی عزت کو امارت سے
 جلال الدین کی
 سے محبت کرتا تھا۔ بچوں
 آتا تھا کسی کا دل نہیں
 سعید الدین پر وہ خاص ط
 تھا اور کچھ اس طرح کہ اپنی ر
 نازک موتوں پر اس نے اپنی
 تھی کہ جلال الدین اس پر حد سے ر

تاننا یوں سے بھر پوں کا صلہ
 چنگیز خاں اگرچہ متن خاں کے مشورہ
 جنگ کو سنان نہیں ہونے دیا تھا کبھی وہ
 سپہ دار کبھی اس کے عمال خوارزم شاہ کی قوت
 مونسے حملے کرتے رہتے تھے جلال الدین صرغ مر
 اب تک اس نے کوئی زبردست لڑائی نہیں لڑی تھی،
 چنگیز خاں یہ انتظار کر رہا تھا کہ خوارزم شاہی ر
 باہر پستی از بد انتظامی، عوام کو اس حکومت سے اس
 تب وہ بھر پور دار کرے، اور جلال الدین اس نگرین تھا کہ اپنی قور
 سدھا سے نظم و انان درست کرنے، سپاہ کو مضبوط کرنے، تین اپنے بار

آٹھ سو کے بیڑوں میں تخت نشینی کے لئے انکشمش شروع ہو گئی، ان سب میں
ابن مسقر اور سر اپاگرد شخصیت جلال الدین کی تھی پہلے تو وہ اس انکشمش سے ذرا الگ الگ
مہا لیکن پھر کچھ باپ کی وصیت کو یاد کے کچھ حالات کے اقتضائے مجبور ہو کر اور کچھ
معین الدین کے مشورہ سے متاثر ہو کر اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا، لوگ
جوت در جوت اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے، بہت جلد اس کی سلطنت مستحکم
ہو گئی چند ہی سال میں داخلی شورشوں اور خارجی یورشوں کے باوجود اس نے
اپنے حدود و مملکت اپنے باپ سے بھی زیادہ بڑھائے، عراق سے لے کر ترکستان بلاد
خرزہ، ہندوستان کے بعض حصے، سمستان، کرمان، طبرستان، جرجان، خراسان
در فارس وغیرہ اس کے زیر اقتدار آ گئے۔

جلال الدین کی ذات عجیب و غریب صفات کا مجموعہ تھی :

وہ بہت بڑا فاتح تھا، کثرت تھا، فرماں روا تھا، ساتھ ہی ساتھ اسے علم
دوب سے بھی گہرا شغف تھا، وہ اچھا شاعر اور عالم بھی تھا :

تختِ حکومت پر بیٹھنے کے بعد اس نے جہاں نظام عدل و امن استوار کیا
وہیں اس نے علمی اور ادبی سرپرستی کا سلسلہ بھی شروع کر دیا، وہ علماء اور فنکاروں کی توجہ
کرتا تھا، ان کی محبتوں اور منافعوں میں شریک ہوتا تھا، اخلاقی سائنس کی تحقیق میں
بڑے حوصلہ سے حصہ لیتا تھا، علماء کی مالی امداد کرتا تھا ان کے وقار اور احترام کو ہمہ جہات
میں ملحوظ خاطر رکھتا تھا۔ علم سے اس کی وابستگی اور رغبت کی کاسب سے بڑا
سبب یہ تھا کہ وہ وقت کے بہت بڑے عالم، داعی، صوفی، محدث، مفسر اور
معلم اخلاق حضرت امام فخر الدین راضی کا شاگرد تھا، اس کی ذرا پاشیوں نے امام صاحب

کی عزت کو امارت سے
 جلال الدین کی
 سے محبت کرتا تھا۔ بچوں
 آتا تھا کسی کا دل نہیں
 سمین الدین پر وہ خاص ط
 تھا اور کچھ اس طرح کہ اپنی ر
 نازک موقعوں پر اس نے اپنی
 تھی کہ جلال الدین اس پر حد سے ر

تاناریوں سے بھرپوں کا صلہ
 چنگیز خاں اگرچہ متن خاں کے مشورہ
 جنگ کو سنان نہیں ہونے دیا تھا کبھی وہ
 سپہ دار کبھی اس کے عمال خوارزم شاہ کی قوت
 مٹنے کے کرتے رہتے تھے جلال الدین صرف م
 اب تک اس نے کوئی زبردست لڑائی نہیں لڑی تھی،
 چنگیز خاں یہ انتظار کر رہا تھا کہ خوارزم شاہی ر
 جاہ پرستی اور بد انتظامی، عوام کو اس حکومت سے اس
 تب وہ بھرپور دار کرے، اور جلال الدین اس نگر میں تھا کہ اپنی قور
 سدھا لے، نظم و امان درست کرے، سپاہ کو مضبوط کرے، تب اپنے بار

نہ وقت کی تھی تب دشمن

پ نہ سکے،

دست نہ لائی نہیں ہوئے

در صدد ہو گئی !

کے ساتھ شکا پر گیا، خیر دفر گاہ

کے قدم جہاں پہنچتے ہیں

پہل اور رنگارنگی پیدا ہو جاتی

سفر میں جلال الدین کے ساتھ

س تھی حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھی

لیکن فائقہ ان سب پر خالق تھی اسے

ان کی بھی رانی معلوم ہوتی نہ معلوم کس قدر

کچھڑی، بار باروں میں لگی اور ایک روز جلال الدین

زبانیں جانتی تھی، علم و ادب کا شعور بھی رکھتی تھی !

یہی تھی، گانا، نسا اچھا جانتی تھی کہ جیب بلند رہ

سماں بندھ جاتا تھا، طیبہ و جوش اپنا کام چھوڑ

تھے، ناچنے کے فن میں بھی کمال رکھتی تھی، اگر وہ صرف

بے مثال ہوتی، لیکن وہ صرف ایک رفاہ نہیں تھی مغنیہ بھی تھی

در رجبے برہنہ کر کے تہیز میں ایک شریف دل دھر چکا تھا، وہاں گر چہ

علاؤ الدین کی پسندیدہ اور محبوب کنیزوں میں بھی لیکن نہ کسی۔ نہ شک کرتی تھی
 نہ کسی سے جتنی تھی، نہ سازشوں میں حصہ لیتی تھی، نہ کسی کی غیبت کرتی تھی، محض میں اور کبھی
 بہت سی کنیزیں تھیں، خوبصورت، طرحدار، سیم تن، سیم برنگی، غدار، پیر، کبیرہ، دروہ
 سب ایک دوسری کے کاسٹ پیج میں تھیں، اپنی تھیں، ایک دوسری کے خلاف سازشیں
 کیا کرتی تھیں، ایک دوسری کے خلاف شکایات اور حکایات کے دفتر اپنے دل
 میں پوشیدہ رکھتی تھیں، لیکن فائدہ کنیز ہونے کے باوجود ان سب سے الگ تھی
 صورت کے اعتبار سے بھی ازسیرت کے اعتبار سے بھی اور انداز طبع کے لحاظ سے بھی۔
 اور ایک بات اور بھی تھی :

یوں تو حرم شاہی کا ہر کنیز اپنی زندگی کا مقصد صرف یہ سمجھتی تھی کہ اپنے آقا
 کو خوش رکھے، اپنی باتوں، اپنی حرکتوں، اپنی خدمتوں، اور اپنی نصیحتوں سے آقا
 کی نگاہ میں زیادہ سے زیادہ اعزاز حاصل کرے اس کی مز چڑھائی بن جائے، اسکے
 دل کی مالک بن جائے، لیکن ساتھ ہی ساتھ ان میں سے کوئی ایسی نہ تھی جو کسی کو چاہتی
 نہ ہو، جو تھوکر اس سے شادی نہ کر لیتی ہو، جو علانی کی زندگی سے عاجز نہ ہو، اور
 آزاد ہونے کی دعا نہ کرتی ہو۔ مگر فائدہ ————— فائدہ کا حال یہ تھا کہ
 وہ اگر زندہ رہنا چاہتی تھی تو اس لئے کہ اپنے آقا کی خدمت کرے، وہ کہیں
 اور نہیں اسی محل میں رہنا چاہتی تھی، وہ جب تک یہاں نہیں آئی تھی، بار بار
 اسکے دلیں آزاد ہونے، آزادی کی زندگی بسر کرنے، اپنا گھر بسا کر کسی کو اپنا بنا
 لینے کی تمنا چلیں، لیکن یہاں آنے کے بعد ایک بیک بیک یہ ساری تمنائیں اور مرادیں
 ختم ہو گئیں۔ یہ ساری حسرتیں ماضی کا ایک داتہ بن گئیں، اب وہ یہ نہیں چاہتی کہ آزاد

ہو، اب اس کے دل میں یہ خیال نہیں آتا تھا کہ اپنا گھر بسائے، اس نے جب پہلی مرتبہ
جلال الدین کو دیکھا تھا تو نہ معلوم کس بات تھی، بڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی، پھر بھی
اس کا جی نہ بھرا جی چاہا کہ بس دیکھتی ہی رہے۔ یہی پہلی نگاہ محبت
کی نگاہ بن گئی۔ فالغہ ہر خیال سے بے نیاز ہو کر ہر تمنائے دھڑکنے والے
خود راہِ زم شاہ کو چاہنے لگی، وہ اپنی حقیقت اور حیثیت جانتی تھی، وہ یہ بات سوچ بھی
نہ سکتی تھی کہ جلال الدین کی بیوی بن جائے گی، جو ہم سرائے شاہی میں ایک ملک کی
زندگی بسر کریگی جلال الدین کے دل پر حکومت کرے گی، اس نے نہیں سوچ سکتی تھی
کہ لونڈی بیوی نہیں بن سکتی اور

خود اس کا یہ خیال تھا کہ لونڈی کو بیوی بننا بھی نہیں چاہیے، حق تلفی تھی، وہ
کسی کا حق مارنا نہیں چاہتی، ہاں یہ ضرور چاہتی تھی کہ اپنے محبوب کی خدمت کرتی
رہے، اسے دیکھتی رہی۔ اسے دل ہی دل میں پیار کرتی رہے، اور اس کام سے اسے
کوئی سنجہ نہیں کر سکتا تھا، یہ کام وہ نہ برابر کرتی رہتی تھی اور اس کا فیصلہ
تھا کہ یہ کام وہ زندگی بھر کرتی رہے گی، وہ دل و جان سے جلال الدین کو چاہتی
تھی لیکن اپنی چاہت کا اظہار نہیں کر سکتی تھی! اتنی بہت کہاں سے لاتی

اور جلال الدین بھی اس کے ساتھ تعلق خاطر، شفقت اور خلوص کا برتاؤ
کرتا تھا لیکن اس برتاؤ سے وہ کبھی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتی، وہ سمجھتی اور
یقین کرتی رہی کہ پروانہ کی طرح وہ سبچے کا طیران کر سکتی ہے، اس پر نقد ہو سکتی
ہے اسے اپنا نہیں سکتی، یہی وجہ تھی کہ اس کی خدمت میں ایک عجیب سی داری تھی، اس کی
باتوں میں ایک خاص قسم کی کشش تھی، اس کی حرکتوں میں ایسا سوز تھا جسے محسوس کیا

جاسکتا تھا، پایا نہیں جاسکتا تھا، وہ چپ رہتی تھی خاموش رہتی تھی، سمجھوں اور سمجھوں کے
 سامنے دل کی بات زبان پر لاتی تھی، نہ اپنے محبوب کو دار و دار اور غمگسار بنانے پر
 تیار تھی، اس کا حق، اس کا نغمہ، اس کا قصہ صرف جلال الدین کے لئے تھا، اور
 جلال الدین یہ سمجھتا تھا کہ یہ بات صرف اسی میں کہاں ہر کنیز سے یہی وجہ تھی کہ وہ اگرچہ
 فائقہ کی قدر دانی کرتا تھا، اس سے ہر والہات کا برتاؤ کرتا تھا، لیکن بھی اس نے کوئی
 ایسی بات نہ کی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ وہ خاص طور پر فائقہ کو پسند کرتا ہے!

ہاں اس مرتبہ یہ نئی بات ضرور ہوئی تھی کہ جلال الدین اپنے ساتھ فائقہ کو بھی
 لایا تھا۔۔۔۔۔ صرف فائقہ کو۔۔۔۔۔ کسی اور کنیز کو نہیں ایسا کیوں ہوا
 تھا اسے دوبارہ سوچتی تھی، لیکن کوئی جواب سمجھ میں نہ آتا تھا!

سیر و سکار سے فارغ ہو کر جلال الدین اپنے شاہی خیمہ میں پہنچ گیا!
 وہ اس وقت تھکا ہوا تھا اور آرام کرنا چاہتا تھا، فائقہ یہ سمجھی کہ دن کی تھکن وہ رات
 کی مجلس آرائی اور رنگارنگی سے دور کرے گا، بن کھن کر خیمہ میں پہنچی کہ قصہ
 ہنر سے اپنے آقا کا دل بہلائے، اس میں نشاط حیات پیدا کرے، لیکن جلال الدین
 نے اس کی طرف توجہ نہ کی، اسے سر اٹھا کر دیکھا اور بے پردائی سے کہا،

جلال الدین خوارزم شاہ: ہم آرام کریں گے!۔۔۔!

وہ لے لے پاؤں واپس چلی گئی!

واپس آنے کو تو وہ اپنے خیمہ میں آگئی، لیکن اس طرز عمل سے اس کے دل پر
 جو رشتہ، وہ اسے بے یار و مددگار خیمہ میں بیٹھ کر چپ چاپ رہنے لگی۔
 آئندہ کبھی کہنے کا نام نہ لیتے تھے، دل نہ تھا کہ ادا آ رہا تھا!

د جانے کیسے اور کیوں معین الدین ادھر آ گیا۔۔۔ معین الدین کی عظمت اور
 بڑائی سے خائفہ تھی طرح واقف تھی، وہ یہ جانتی تھی یہ خوارزم شاہی حکومت
 میں سیاہوسفید کرنے کے اختیارات رکھتا ہے اس کے ہاتھوں میں لوگوں کی
 زندگی ہے، اس کے پاس دولت ہے عزت ہے، دولت ہے، شہرت ہے، یہ جس
 عزیز کو چاہے امیر بنا دے جس امیر سے چاہے اس کی دولت چھین لے کسی میں
 محبت نہیں کہ اس کی بات، رد کر سکے، اس کا ہاتھ پکڑ سکے، اس کی زبان۔۔۔ وہ اس کے
 یہ اگرچہ بادشاہ نہیں لیکن اختیار و اقتدار بادشاہ کا رکھتا ہے، اسے دیکھ کر حجابی
 سے خائفہ نے اپنے سنہرے پتے جوڑ چکے ہوئے گال تک آچکے تھے پھر سر و قد
 تنظیم کو کھڑی ہوئی معین الدین اسے دیکھ کر مسکرایا اور اس کے پاس ہی بیٹھ گیا
 اور باتیں شروع کر دیں،

معین الدین: کیا بات ہے خائفہ آج تم بہت بول اور اسزودہ نظر آرہی ہو۔؟
 ابھی تم رد رہی تھیں؟ کیا بات ہے؟
 خائفہ: رعین آواز سے نہیں رد نہیں رہی تھی، خدا میرے آقا کو سلامت رکھے
 میں کیوں رد نے لگی؟

معین الدین: کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے؟
 خائفہ: کچھ بھی نہیں، کوئی خاص بات نہیں۔۔
 معین الدین: پھر تم اتنی دگلیز اور اسزودہ کیوں نظر آرہی ہو؟
 خائفہ: سمجھی گئی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کی طبیعت سست ہو جاتی ہے کچھ پرانی
 یادیں ابھر نے لگتی ہیں، کچھ بیتی ہوئی باتیں یاد آ جاتی ہیں۔

معین الدین :- (ہنسکا) اچھایہ بات ہے زندگی کے پرانے ورق الٹے جا رہے تھے ؟
 خالقا :- یہی سمجھ لیجئے !

معین الدین :- یہ تو میں نہیں جانتا تمہارا حبیب و سب کیا ہے ؟ کس خاندان سے
 تعلق رکھتی ہو لیکن یہ کہہ سکتا ہوں تمہارے اندر شرافت کوٹ کوٹ کر کھڑی
 ہے۔ تمہارا دل بہت بڑا ہے۔ تمہارا باطن اتنا روشن ہے جتنا تمہارا ظاہر
 تمہاری روح اتنی ہی پاک ہے جتنا تمہارا جسم !

خالقا :- (مسکرا کر) یہ اتنی ساری باتیں آپ نے کیسے جان لیں اور باتیں بھی
 وہ جہنم میں خود نہیں جانتی۔

معین الدین :- انسان کی اچھائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ دشمن اس کی تعریف کرے
 خالقا :- تو کیا آپ نے کسی دشمن سے میری تعریف سنی ہے ؟

معین الدین :- ہاں — ہاں وہ بھی بڑے کٹر دشمن سے !
 خالقا :- میں اس کا نام نہیں پوچھوں گی اسلئے کہ میں کسی کی دشمن نہیں ہوں۔

معین الدین :- یہی وہ بھی کہہ رہا تھا !
 خالقا :- کیا جانے جھوٹ کہہ رہا ہو ؟

معین الدین :- مجھے یہ یقین ہے وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتا — اور تم
 سے چھپاؤں کیا نام بھی سن لو، سلطانہ کو تو تم جانتی ہی ہو ؟ حرمِ سرا کی جتنی
 کمیزیں ہیں سب کی جانی دشمن ہے، اپنے سوا کسی کو حسین نہیں سمجھتی، ہر
 ایک کی برائی کرتی ہے، آسمان سے جو بھی اتر آئے تو وہ اس کی برائی کر لیتی
 تعریف نہیں کر سکتی، لیکن اس نے تمہاری تعریف کی تمہارے کمرہ دار کی

یہ بہت سنا ہے جو کسی کو بل سکتی ہے۔

فائقہ :- شکریہ ۔

معین الدین :- کس کا شکریہ ادا کر رہی ہو؟

فائقہ :- سلطانہ کا بھی اور آپ کا بھی!

معین الدین :- میرا کیوں؟ کوئی وجہ؟

فائقہ :- آپ کا اس لئے کہ آپ نے اس کی بات کا یقین کر لیا،

معین الدین :- نہیں یہ تو کوئی بات نہیں، میں تو بہت دنوں سے غبارِ قائل ہوں،

سلطانہ کہتی تو میرے دل میں ہتھاری جو جگہ ہے وہ تو رہتی۔

فائقہ :- (دعوت سے) آپ کے دل میں میری جگہ ہے؟

معین الدین :- ہاں ۔۔۔۔ بہت زیادہ! (فائقہ چپ ہو گئی شرانگہ)

معین الدین :- میں تم سے محبت کرتا ہوں،

فائقہ :- (بے کسی کے ساتھ) آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟

معین الدین :- ہاں میں تم سے محبت کرتا ہوں، نہیں چاہتا ہوں پوچھتا ہوں کہ نہیں،

فائقہ :- (گھبرا کر) نہیں میں اس عزت افزائی کے قابل نہیں۔

معین الدین :- واقعی تم بہت نیک، بہت معصوم، بہت بھولی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

فائقہ :- تم اسکی قابل ہو کہ نہیں چاہا جائے!

فائقہ :- (معصومیت سے) کیا یہ بات بھی سلطانہ کہہ رہی تھی؟

معین الدین :- (ہنس کر) نہیں ۔۔۔۔ یہ بات سلطانہ نے نہیں میرے دل

نے کہی تھی۔

خالقہ : آپ دھوکے میں ہیں — مجھ میں کوئی خوبی نہیں کوئی اچھائی نہیں
 مجھے محبت کر کے آپ محبت کی توہین کر رہے ہیں !
 معین الدین : قبضہ لگا کر میں نے تم سے کب صافحی تھی کہ تم سے محبت کر کے میں
 گناہ کر رہا ہوں ، یا ثواب لوٹ رہا ہوں ، یہ میرا فعل ہے
 کیا تم میری محبت کا جواب محبت سے نہیں دو گے ؟

خالقہ : : دسم کر اجی — ؛ جی — ؛
 معین الدین : تم گھبرا کیوں رہی ہو ؛ محبت کوئی جرم نہیں اور پھر میں تم سے کوئی ایسا
 مطالبہ نہیں کرتا جو اصول کے خلاف ہو ، میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں
 جلال الدین سے مانگ لوں گا اور مجھے امید ہے بارگاہ شاہی میں میری
 درخواست رو نہیں ہوگی — تم اس وقت بہت سہمی ہوئی
 ہو اب آرام کرو — کل پھر میں گے
 وہ چلا گیا !
 خالقہ پھر رونے لگی !

دامان خیال یار

معین الدین مصلح بن کرچلا گیا ————— اسے اطمینان تھا جمال الدین

اس کی بات مان لے گا، فالقہ کا دامن اس کے ہاتھ میں دے گا یہ اطمینان بھی تھا کہ ملکیت کی تبدیلی کے بعد فالقہ اس کی ہو جائے گی، دل سے چاہنے لگے گی اسے اب نہیں چاہتی نہ چاہے، پھر تو وہ مجبور ہو جائے گی چلنے پر، لونڈی کا کام ہی اس کے سوا کیا ہے کہ اپنے مالک کو خوش رکھے، اس سے محبت کرے، اس کی دہشتگی کا سامان بن کر رہے، فالقہ تو کچھ خود بصورت ہو، سلیقہ مند ہو، تعلیم یافتہ ہو، اندر و دھن کے فن میں یکتا ہو، بہر حال وہ ایک بانڈی ہے، اور بانڈی کتنی بڑی اپنی شخصیت اور حسن و جمال کے اعتبار سے کیوں نہ ہو، لیکن وہ بانڈی ہی رہتی ہے ————— اور پھر وہ سوچنے لگا فالقہ جب اس کی بن جائے گی، تو وہ اسے یوں چاہے گا، ۱۰۰ اس کے لئے اچھے اچھے زیور بنوائے گا، بخیر بصورتی ان زیور دل سے دو باہا ہو جائے گی، طرح دار اور شوخ رنگ کے کپڑے پہنوائے گا، اس لباس میں اس کا حسن اور مکمل ہو جائے گا ایسا معلوم ہو گا کہ وہ آسمان سے اتری ہوئی لیک ہے، اسے آسمان کے تار سے جھک جھک کر

دیکھیں گے، چاند اس کی، معانی اور زیبائی کا نظارہ کرے گا، صحن و چمن کے پھول اس کا روپ
 دیکھ کر شرابا بنیں گے، شفق کا رنگ اس کے سامنے پھیکا پڑ جائے گا، اس کی آنکھوں
 سے جذب و کشش کی بجلیاں کونڈیں گی، اور یہ بجلیاں میرے دامن نشین بنالیں گی
 جب نالغہ میری ہوئی تو اس کی ہر چیز میری ہی ہوگی — آہ کیا دن ہوں گے
 کیا راتیں ہوں گی۔ کیا مہیاں ہو گا۔

نیز اس کی ہے، دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
 جس کے شانے پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں
 یہ سب چیزیں میری ہو جائیں گی، کیونکہ نالغہ میری ہوگی!

معین الدین کی اب تک شادی نہیں ہوئی تھی، وہ کچھ عجیب من علی طبیعت کا مالک
 تھا، طبیعت میں حسن پرستی کا مادہ بہت زیادہ تھا، جلد بازی بھی بہت تھی، جس چیز کو وہ
 پسند کر لیتا تھا اسے حاصل کرنے کیلئے جان کی بازی لگا دیتا تھا، ہر قیمت پر، ہر خطرہ میں
 پڑ کر، ہر مشکل سے مقابلہ کر کے وہ اسے لے کر رہتا تھا، آج تک اس نے ناکامی کا مزہ نہیں
 دیکھا تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ اب وہ ناکام ہو، نالغہ کون سی ایسی بڑی چیز
 ہے جسے عطا کرنے میں جلال الدین ہچکچائے، وہ تو مجھے اتنا مانگتا ہے کہ اگر اس کی تہم
 دولت کو مانگ بیٹھوں تو وہ بھی عطا کر دے!

سوچ کر وہ مسکراتا ہوا درم شاہ کے خیمہ کی طرف بڑھا جیسے اب وہ
 نالغہ کو مل کرنے کا پروانہ لے کر ہی برآمد ہو گا!

— اور ادھر نالغہ اب روتے روتے تھک چکی تھی!
 وہ چپ چاپ بستر پر لیٹی کہ وہیں بدل رہی تھی یہ رات اس کے لئے اشد!

مات ہو رہی تھی کسی پہلو قرار نہیں تھا نہ لکھ کر پلک چھپتی تھی، خیالات یکسو ہوتے
تھے ایک تہیب دیوانہ صلیح معین الدین کا تصور اسے اپنی طرف بڑھتا بھی نظر آتا تھا اور
اسے دیکھ کر روز جاتا تھی سمجھنے لگتی تھی وہ خوارزم شام کے زیر سایہ زندگی بسر کرنا چاہتی
تھی یہ ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتی تھی جو کسی اور کے پاس گزارے !

وہ وہی دل میں سوچ رہی تھی۔

کیا واقعی خوارزم شاہ مجھے معین الدین کے حوالہ کر دے گا؟
کرا میں ملکیت کی اس بند کی کیا منظور کروں گی؟
لیکن میں انکار بھی نہیں کر سکتی!

میں ایک کینیز ہوں !

در کینیز کی حیثیت اس کے سو کیا ہے کہ وہ ہر خریدار کی خدمت کرے، بار بار
بازاروں میں جائے، نئے نئے گھروں میں پہنچے، نئے نئے آقاؤں کا ذائقہ چکھے، اس طرح
پنی جو جانی کے دن گزار دے اور ایک دن اس دنیا سے رخصت ہو جائے!

ایک لوندی ماہر ایک آزاد عورت میں کتنا فرق ہوتا ہے، کتنا

بڑا اور جلیقہ فرق!

ایک آزاد عورت ماں باپ کے دامن میں پرورش پاتی ہے!

عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتی ہے پھر جب وہ جوان ہوتی ہے تو اس کا
پہنچتا ہے، پیام آئے گئے ہیں، در ایک دن وہ کسی سے بیاہ دی جاتی ہے

شادی کے بعد روٹی سے پیوری بن جاتی ہے، ایک گھہ کی مکہ، ایک خاندان

کی مالک، ایک شوہر کی محبوبہ کئی بچوں کی ماں!

بچے اس سے محبت کرتے ہیں، شوہر اس پر جان بھر کتا ہے، گھر والے، مسکین عزت کرتے ہیں، وہ اپنی غیبت سوتی ہے، اپنی غیبت جانتی ہے، خفا ہو جاتی ہے تو لوگ اسے مناتے ہیں، غرض ہونی سے وہ اس کی خوشنودوں حاصل کرنے کیلئے مسکبانے لگتے ہیں، وہ جو ناگفتی ہے مٹا ہے تو چاہتی ہے وہ پانی ہے، وہ اپنی مرضی کی پابند ہوتی ہے، جہاں چاہے جائے جس سے چاہے، کبھی وہ خود وہاں نہ جاتی ہے کبھی بس کے ہاں بہانوں کے قافلے آتے ہیں، یہی صحت میں وہ وہاں ہوتی ہے دوسری میں میزبان اور بہانہ اور میزبان ہر حالت میں اس کی عزت کی جاتی ہے، توقیر کی جاتی ہے خاطر مدارت کی جاتی ہے، اسے دیکھ کر لوگ تکلف اور اخلاق کا اتنا مظاہرہ کرتے ہیں کہ کچھ کچھ جانتے ہیں اور جب وہ کچھ لادالی ہو جاتی ہے تو اس کا احترام اور ابھلاؤ پہلے سے بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے — اور جب وہ مرقی ہے تو نہ جانے کتنی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں، یہ آنسو جوتے ہیں غیبت کے، تعلق خاطر کے، خلوص کے!

اور اس کے برعکس ایک باندی!

آہ!

ایک باندی بالکل بے بس ہوتی ہے!
وہ ماں باپ کو یا دیکھی نہیں کر سکتی کبھی کسی گوشہ چین سے کھینچے ہوئے کبھی گھر میں سوتے ہوئے بردہ فروش اسے اٹھائے جاتے ہیں کبھی دھوکہ دیکر کبھی تلواریں سونت کر کبھی ڈاکو ڈال کر کبھی چوری کر کے!

پھر اسے اچھا کھانا کھلایا جاتا ہے، اس لئے خیمہ کہ جسکی صحت بنے اسلئے
کہ اس کو رنگ روپ نکھرے تاکہ زیادہ اچھے، سون پرنا، بک سکے !

دستے اچھے اچھے قیمتی اور گراں پایہ کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔۔۔
اس لئے نہیں کہ اچھے کپڑے پہنے کو اس کا جی چاہتا ہے، اس لئے کہ یہ کپڑے
اس پر سمجھتے ہیں، اس کا لباس میں وہ اور زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے، اس طرح وہ
اپنی قیمت دگنی چوٹی کر لیتی ہے۔

اسے رقص و موسیقی کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔

کیوں؟ کس لئے؟ کس کس لئے؟

اس لئے نہیں کہ یہ ایک فن ہے اور ایک لڑکی کو یہ فن سیکھنا چاہئے
صرف اسلئے کہ اس فن میں کمال حاصل کئے بغیر نجاس میں اسکی بولی نہیں بولی جاسکتی
سے کئی کئی زبانیں سکھائی جاتی ہیں،

اسے کئی کئی زبانیں سکھائی جاتی ہیں، اسے باسلیقہ اور گھڑ بنایا جاتا ہے !

اسے نفسیات اور انسانی کار، مز شنائش بنایا جاتا ہے،

اسے خدمت اور سید کی تعلیم دی جاتی ہے !

اور بڑی ریاضت سے وہ ان سب باتوں کو سیکھتی ہے۔۔۔ اپنے
ان دیکھے مالکوں کیلئے، جن کے مزاج، صورت، سیرت، اخلاق کو دار کسی چیز سے
بھی وہ واقف نہیں ہوتی !

پھر اسے شہر، شہروں کی میر کو انی جاتی ہے، تاکہ وہ تجربہ کار اور جہانگیر
بن جائے، پھر اسے ہاٹ، ہاٹ اور بازار بازار دکھایا جاتا ہے تاکہ وہ مانگے داسوں

فروخت کیا جائے اور ایک مرتبہ فروخت کرنے کے بعد پھر وہ بار بار بیکتی رہتی ہے
 ہر خریدار اس کا ذائقہ چکھ کر اس سے لذت اندوز ہو کر اس کی پوچھی لوٹ کر کم
 و اموں پر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے یہاں تک کہ گھٹنے گھٹنے اس کی
 قیمت اتنی کم ہو جاتی ہے کہ پھر اسے کوئی مفت بھی نہیں پوچھتا نہیں قبول کرتا !
 اور خریدنے والے لوگ !

یہ شوقین مزاج کا ملک !
 یہ رنگ رلیاں منانے والے امرا !
 یہ کیا ہوتے ہیں ؟

کوئی ان میں سزا بی ہوتا ہے، کوئی جرائم پیشہ، کوئی بوز صا ہوتا ہے کوئی
 جوارہ، کوئی موٹا ہوتا ہے کوئی دہلا، کوئی خوب صورت ہوتا ہے کوئی بد صورت
 کوئی باخلاق ہوتا ہے کوئی بے اخلاق، کوئی رحیم ہوتا ہے کوئی قضا فی ہوتا ہے
 کوئی قدر کو تا ہے الغام واکرام سے کوئی قدر کرتا ہے جوتے اور گھونٹے سے !
 باندی ؟ — ان سب کی سیوا کرتی ہے، ان سب کی سورتی ہے
 ان سب کیلئے رات رات بھر جاگتی ہے۔ دن دن بھر اپنے من پر ریاض کرتی
 ہے۔ وہ بیمار ہو جب بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں ہو سکتی، وہ مجبور ہو جب
 بھی اسے اپنے مالک کے حکم کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے، اور کسی حالات میں
 وہ اپنے ارادے یا اپنی طبیعت پر عمل کرنے کی جاز نہیں ہوتی،

فانقہ نے شعور کی آنکھیں جب سے کھولی تھیں اب تک نہ جانے کتنی باندیوں
 کے ساتھ وہ رہ چکی تھی، ان کی داستانیں سن چکی تھی، ان میں کچھ ایسی تھیں جو اپنی زندگی

پر قافلہ، کچھ ایسی لہتیں جو ذائقہ کی تبدیلی پر خوش ہوتی تھیں اور کچھ ایسی بھی تھیں جو
 بیگ وقت دو دو کام کرتی تھیں، آقا کی خدمت، اور آقا کے کسی ملازم سے یا راد
 دونوں کام اطمینان سے جاری رہتے تھے۔ دن بھٹے، چہینے اور برس جھڑ رہا تے
 تھے اور زندگی گایہ نظام اس طرح چلتا تھا جیسے یہ ہمیشہ اسی طرح چلتا رہے گا اور پھر
 ایک دن ایک بیگ نیز پہلے سے اطلاع دے کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا
 اور وہ اپنے آقا اور اپنے ہمارے کو چھوڑ کر یوں چلی جاتی تھی جیسے ان دونوں سے
 کوئی تعلق ہی نہیں تھا، جیسے ان دونوں سے وہ کبھی ملی ہی نہیں تھی، جیسے یہ دونوں
 کبھی اس کی زندگی میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے!

فائدہ پرچم کی پٹی طاری ہوئی اور اسکا دل کانپنے لگا۔ وہ سوچنے لگی،

کیا یہ سب کچھ میرے ساتھ بھی ہوگا؟

اور پھر اسے اپنا بچپن یاد آگیا!

کچھ خراب سا!

کچھ خراب سا!

جیسے کوئی بہت پرانی اور بھولی بہری بات!

حافظ پر زور دینے سے اسے یاد آیا کہ دو ایک چھوٹے سے لیکن صاف ستھرے
 گھر میں رہتی تھی، اس کی ماں خوب گوری تھی اور وہی سنس مکھ تھی، اسکے کئی بھائی
 بہن اور بھی تھے، اس کا باپ بوڑھا ہو چلا تھا لیکن اس کے بڑھاپے میں ایک
 وقار تھا، ایک باکین تھا، ایک شان تھی!

پھر یاد آیا،

ابا اور اماں مجھے کتنا پیار کرتے تھے، کوئی بھائی مجھے مار دیتا کوئی بہن
مجھے چھڑ دیتی تو ذاتاً اسے معاف کرتے تھے، ذاتاً !
اور چھوٹی چھوٹی سہیلیاں !

جن کا نام ذہن سے اتر گیا سیکینڈ جن کی بھولی بھالی تصویر حافظ کے پردہ
پر کھنک رہی ہے کبھی وہ میرے ہاں آ جاتی، کبھی میں ان کے یہاں چلی جاتی
معلوم ہوتا ہے میرا گھر ان کے دوسروں کے معاملے میں زیادہ حسرت تھا !
میری کھینچ سہیلیوں کے ساتھ میرے گھر میں اخلاقی تپاک اور شرافت
برتاؤ ہوتا، اور بس، لیکن جب میں ان کے ہاں پہنچ جاتی تو میری ایسی دکھلت
ہوتی جیسے کسی شہزادی کی !

وہ گھر کہاں تھا !

ہاں یاد آیا

ایک پیارٹی کے دامن میں !

کیا اچھا سبزہ تھا ؟

کیے اچھے چشے تھے !

لوگ بھی کتنے اچھے تھے ؟

میرے باپ کا نام کیا تھا ؟ میری ماں کا نام کیا تھا ؟ میرے بھائی بہن کا
نام کیا تھا ؟ اپنی دوس کے جو لوگ مجھے دیکھ کر مسکراتے، اٹھا کر پیادہ کرتے، پھر کاٹھ
پر بٹھا کر سیر کراتے۔ اس کا نام کیا تھا ؟
کچھ نہیں یاد،

اور ہاں !

میرا گھر کہاں تھا ؟

یہ بھی یاد نہیں ؟

حسرت اتنا یاد ہے ایک روز میں ایک محل کے پائیں باغ میں کھیل رہی تھی
ابھی ابھی میری سہیلی کھیلنے کھیلنے اس لے بھاگ کئی غلطی کر آندھی آرہی تھی، اندر وہ
رشید آندھی سے بہت ڈرتی تھی !

لیکن میں کھیلتی رہی !

اتنے میں بٹے زور کی آندھی آئی، ہر طرف اندھیرا چھا گیا، ساتھ ہی کچھ
باد لگ کر آئے اور پانی برسنے لگا !

موسلا دھار بارشیں !

پھر ادلے گرنے لگے،

دور سے آواز آئی — جیسے میری سہیلی مجھے پکار رہی ہو، لیکن

مجھے میری اماں یاد آئیں میں پائیں باغ سے نکلتی کر اپنے گھر کی طرف بھاگی، گھر
گھوڑی ہی اندر تو تھا مجھے اس وقت کوئی خیال نہیں تھا، سو اس کے کہ جلد از جلد اپنے گھر پہنچوں،
میں بھاگی بڑی تیز رفتار سے !

مشکل سے چند قدم چلی ہوں گی کہ سامنے سے ایک سوار مر پٹ گھوڑا

دوڑاتا ہوا مجھے دیکھ کر اس نے گھوڑا رنک لیا، اترا، پیار کیا، گود میں بٹھایا اور

بڑی محبت سے لہجہ میں کہا

چلو ہم گھر تک پہنچا دیں۔

میں نے اشارت سے اپنا گھر بتایا، وہ گھوڑے پر بیٹھ کر ہوا ہو گیا۔
 میرے گھر کے بجائے، جانے کہاں سے کر چلا گیا، البتہ سے بچنے کے بعد وہ
 چمکارنے کے بجائے ہنسنے لگا، میں روتی تودہ ڈانٹتا، مانتا، یہاں تک کہ وہ
 ایک گھر میں پہنچا، وہاں اور بھی کئی لوگ موجود تھے!
 وہ لوگ میری طرف دیکھ دیکھ کر کچھ اشارے کرتے رہے جنہیں میں بالکل
 سمجھ سکی سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کی، بس روتی رہی۔ مجھے اپنی امان یاد آ رہی
 تھیں میں ان کی گود میں جا کر سکون حاصل کرنا چاہتی تھی!

آہ —

میرا امان مجھ سے بچھڑ گئیں
 یہ بردہ فردش لوگ مجھ پر انتہائی سختی کرنے، یہاں تک کہ میں ان کے اشاروں
 پر چلنے لگی پھر کسی اور نے خرید لیا، اس نے مجھے اچھی طرح رکھا، پڑھا لکھا، تعلیم
 دی، تربیت کا انتظام کیا، فہون لطیفہ سکھائے، لباس اور زیور مجھے ملا دیا،
 رفتہ رفتہ میں سب کچھ قبول کر گئی
 اس نئی زندگی سے مانوس ہو گئی اور بقول بردہ فردش آغا کے جس نے
 مجھے بچپن سے جوانی تک پالا، اب میں کچھ سے کچھ ہو گئی تھی!
 یہ کچھ سے کچھ کیا تھا؟

اسے غفلتوں میں مبتلا تو مشکل ہے!
 ہاں اتنا کہہ سکتی ہوں، گھنٹوں آئینہ دیکھا کرتی اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوا
 کرتی، آئینہ دیکھ کر کبھی کبھی عجب قسم کی آسودگی حاصل ہوتی، ایک عجیب قسم کا فخر محسوس

ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے میں کوئی بر مخلوق ہوں اور دوسرے لوگ مجھ سے کہیں زیادہ
پست اور فروتر ہیں، بروہ فردش آغا کے پاس اور بھی کئی لڑکیاں تھیں، وہ خوبصورت
اور طرہ دار بھی تھیں، ہفت زبان اور ماہر فنون لطیفہ بھی تھیں، لیکن انہیں وہ بات
نہیں حاصل تھی، جو مجھے تھی!

آغا مجھ سے مرعوب تھا، اس کے ملازم میرا ادب کرتے تھے، آگے گھر والے
مجھ سے آنکھ ملانے کی بات نہیں کر سکتے تھے، میری جیسی لڑکیاں میرے سامنے احساس
کمتری کے مرض میں خود کو دبتا ہوا جاتی تھیں، آغا میری اس طرح میری حفاظت
کرتا تھا، درپیش بدین سے محفوظ رکھتا تھا جیسے کوئی جوہر ہی کوہ نور میرے کئی کر سکتے
ہے۔ آغا کا خیال تھا کہ میں اتنی گراں قیمت ہوں کہ میری قیمت ہر بادشاہ
بھی نہیں ادا کر سکتا مجھے وہی بادشاہ خرید سکتا تھا، جو حاکم کا دل رکھتا ہو۔
اور ایک روز حاکم کا دل رکھنے والا بادشاہ مل گیا:

جلال الدین خوارزم شاہ نے مجھے خرید لیا۔
اس نے آغا کے سامنے سونے اور چاندی کی کھیلیاں ڈھیر کر دیں
آغا خوشی خوشی آیا تھا خوشی خوشی چلا گیا۔
خوارزم شاہ کے محل میں آنے کے بعد وہی میری قیمت چمک گئی۔

اب مجھے اندازہ ہوا کہ میں کیا کچھ ہوں،
لیکن یہ خوشی کتنی ناپائیدار تھی،

خوارزم شاہ نے مجھے منہ مانگے داموں خرید لیا، لیکن نگاہ انتقادات سے محروم
رکھا، وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا، میری راحت اور آسائش کا انتظام کیا میرے نفس و دماغ سے

خوش ہوا مجھے نواز اے — اللہ مال کر دیا مجھے !

بس — ؟

نہیں مجھے روپیہ نہیں چاہیے، میرے جواہر نہیں چاہیں، سونے اور چاندی کے زیور نہیں چاہیں اگلس و کجواب کہ لباس نہیں چاہیے، اگر ادا قیمت توتیوں کا مالا نہیں چاہیے — مجھے کچھ نہیں چاہیے صرف جلال الدین چاہیے
میں خوارزم شاہ کی دولت نہیں چاہتی خوارزم شاہ کو چاہتی ہوں
میں نے اسے جب پہلی مرتبہ دیکھا تھا، تو میرا دل دھڑکنے لگا تھا !
اب جب میں اس کے سامنے پہنچتی ہوں تو دل قابو سے باہر بھج جاتا ہے
شاید میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں ! اگر یہ محبت نہیں تو اور کیا ہے ؟ —
لیکن کیا اس محبت کا انجام یہ ہو گا کہ میں معین الدین کے حوالہ کر دی جاؤں ؟

— ؟
آہ کیا ایسا ہو گا ؟ کیا اتنا بڑا ظلم میں برداشت کر سکوں گی ؟ —
سنجھنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامن خیال یا رچھوٹا جائے ہے مجھ سے —

اشک و نسیم

صبح جب فائقہ بیدار ہوئی تو اس کی طبیعت بہت سست تھی لہذا انگوٹھوں پر انگوٹھ لگایا کرتی تھیں، منہ کھرنہ کھجی خراب تھا، کچھ کچھ حرارت بھی معلوم ہو رہی تھی۔ یکایک حکم پہنچا، سب لوگ چلنے کو تیار ہو جائیں، بات یہ تھی کہ جڈان لادیں۔ کایہاں سیر ڈسکار میں جی جی نہیں لگا۔ وہ تاناریوں کی پیہم اور مسلسل پورس سے بہت گھبرایا ہوا تھا، اس نے اگرچہ نظم مملکت مستحکم کر لیا تھا، لیکن ان مسلسل حملوں اور پورسوں نے اس کی جمیعت خاتم چھین لی تھی، واپس آنے کے بعد سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔ فائقہ بھی چپ چاپ اپنے یوان میں پھونچ گئی اور بستر پر لیٹ گئی، اسی لئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی ہو گئی کہ راضیہ پہنچی، یہ بھی ایک کثیر تھی، در فائقہ سے بہت مل جل کر رہتی تھی۔

راضیہ اگر فائقہ کے پاس بیٹھ گئی، اس نے بڑے محبت بھرے لہجے میں کہا، براہنہ: کیا بات ہے فائقہ، بہت اصرار دہا اور نہ ڈھال نظر آرہی ہو، کسی نے کچھ کہا۔ میرا مطلب ہے سلطنت نے یا انکی کسی منہ چڑھی سہیلی

مانتی !

فائقہ :- زمانو، متھارے زمانے سے کیا ہوتا ہے یعنی بات یہ ہے کہ
محبت کی ہوتی تو جانتی بھی تم نے کی ہے کسی سے محبت؟

راضیہ :- تم سے کیا چھپاؤں گی؟ ہاں کی ہے!

فائقہ :- بس اسی طرح سچ سچ کہتی رہو — کس سے؟

راضیہ :- سرگوشی کے بچوں میں، بتا دوں!

فائقہ :- ہاں، کیا حجب سے بھی چھپاؤں گی؟ کیوں؟

راضیہ :- کہیں لیکن!

فائقہ :- نہیں اور لیکن سے کام نہیں چلے گا، اگر شرم آتی ہے تو آنکھیں بند کر لو

اور نام بتا دو!

راضیہ :- لیکن بتانے سے فائدہ؟

فائقہ :- یہ بتانے کے بے معلوم ہو گا!

راضیہ :- پھر میں تم چھپو کر دوں گی! ستا کر دوں گی!

فائقہ :- نہیں پھڑپھڑائے گی، نہیں ستائیں گے!

راضیہ :- تم بھی تو جانتی ہو انہیں،

فائقہ :- یا اللہ — ان اشاروں سے کب تک کام کرے گی، ہمت کرو اور

لے دو نام اپنے محبوب کا!

راضیہ :- مجھے نہیں تو انہیں چھپو کر دوں گی؟

فائقہ :- اللہ کی بندی زنجیر سے آزاد نہ آئیں لیکن اگر تو پہیلیاں بکھراتی رہی

تو واقعی کہ دوں گی سب سے کہ چھو کر عیش کرنا سیکھ رہی ہے ،
 راضیہ : اگر کبھی نام لیا اس کا تو روٹھ جاؤں گی تم سے !
 خالقا : بھئی حلف لے لو ۔ مستم لے لو ، لیکن اب دقت خالص نہ کرو !
 راضیہ : (شرماتے ہوئے) ان کا نام ہے — اور نفہ نہیں بتاتے !

خالقا : پھر وہی شرارت ۔ — بتاؤ !
 راضیہ : تم امیر معین الدین کو نہیں جانتیں ؟
 خالقا : (مسکرا کر) آہ تو یہ کہو بڑی ادبچی اڑیں !
 راضیہ : آخر تم نے چھڑنا شروع کر دیا ،
 خالقا : اچھا میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں ، لیکن ایک بات تو بتاؤ خود امیر معین الدین
 بھی تم سے محبت کرتے ہیں ؟ — سچ سچ کہنا !
 راضیہ : یہ میں نہیں جانتی ،

خالقا : راہ دی لڑکی — یہ نہیں جانتی اور خود محبت شروع کر دی
 راضیہ : جب میں کرتی ہوں تو ضرور کر لیں گے — تالی دونوں ہاتھوں
 سے بجنی ہے !

خالقا : عورت کی تالی ایک ہی ہاتھ سے بجاتی ہے پگلی بآخر تو نے کیسے جانا کہ
 وہ کچھ سے محبت کرتے ہیں ؟

راضیہ : مجھے کچھ کر سکتا ہے ، باتیں کرتے ہیں ۔ گھانا سنتے ہیں میرا ،
 خالقا : بس اتنا ہی ؟

راضیہ : ہاں تو اور کیا یہ اتنا کافی نہیں ہے ؟

خالقہ :- یہ تم جاؤ، میں کیا کہہ سکتی ہوں — ہاں یہ بتاؤ کب سے تمہاری اور
راہنیہ الدین کی ملاقات نہیں ہوئی !

راہنیہ :- اکثر ہوئی رہتی ہے — آج بھی ملے تھے !

خالقہ :- پھر کیا باتیں ہوئیں ؟

راہنیہ :- آج تو کوئی بات نہیں ہوئی

خالقہ :- ملاقات ہوئی لیکن بات نہیں ہوئی — یہ کیا ؟

راہنیہ :- میں کیا جانوں ؟ — میں خود ہی گئی تھی ان کے پاس بیٹھی رہی پھر اٹھ

آئی ! — نہ جانے کیا سوچ رہے تھے، ایسا سلوم، ہوتا ہے کسی فکر

میں تھے، — نہ جانے کیا سوچ رہے تھے، میں خود فکر مند ہوئی جب

خالقہ :- تو تم نے کوئی بات چھیر دی ہوئی !

راہنیہ :- چھیری تو تھی، لیکن، سنیں بھی،

خالقہ :- کیا کہا تھا تم نے ؟ —

راہنیہ :- میں نے کہا تھا، اکیلے اکیلے سیر و شکار کو لگے ہیں بھی لے چلے تو کیا ہو جاتا،

ہم یہاں تڑپتے رہے اور خود مرنے کرتے رہے !

خالقہ :- تو اس کا جواب کوئی نہیں دیا، سر کچھ تو کہا ہوگا ؟

راہنیہ :- کچھ نہیں، سر اٹھا کر دیکھا، پھر نظر جھکا لی، کچھ بولے نہیں، احب زیادہ

دیر ہو گئی تو میں اٹھی، میں نے کہا، اچھا اب چلتی ہوں، پھر آؤں گی،

خالقہ :- جب بھی کچھ نہیں بولے، بڑے عجیب آدمی ہیں،

راہنیہ :- نہیں آدمی تو بڑے اچھے ہیں لیکن انہرہ سے ہیں شاید سلطان مملوک الدین

سے کچھ ان بن ہو گئی،

فائقہ :۔ راہ بھلا امیر اور سلطان میں کبھی کہیں ان بن ہو سکتی ہے ؟

راضیہ :۔ پھر ہو گا کچھ ہیں کیا

فائقہ :۔ اچھا راضیہ یہ تو کہو، اگر نہیں یہ معلوم ہو جائے گا امیر معین الدین ہنہارے

بجائے کسی اور کو چاہئے ہیں تم تب کیا کرو گی ؟

راضیہ :۔ کیا کریں، مجھے کیا ؟

فائقہ :۔ تم جھوگی نہیں اس سے ؟

راضیہ :۔ ضرور جھوٹی گی، موقتہ ملا تو مار بھی ڈالوں گی

فائقہ :۔ اور امیر کو کچھ نہیں کہو گی، کسی کو سالی کسی کو بدھائی !

راضیہ :۔ مردوں کو کیا کہا جاسکتا ہے، ان کا کام ہی اور کیا ہے، ہم تو اپنی جانتے

ہیں اور اپنے ہی بارے میں کہہ سکتے ہیں !

فائقہ :۔ اپنے بارے میں کیا کہہ سکتی ہو ؟

راضیہ :۔ کہ جس سے محبت کریں گے، آخرد تک کریں گے !

فائقہ :۔ خواہ وہ کیسا ہی ہر جائی ہو ؟

راضیہ :۔ ایسی باتیں نہ کر دو، وہ ایسے نہیں ہیں، بڑے اچھے آدمی ہیں !

فائقہ :۔ اچھے آدمی ہیں — بگلا بھگت نہیں کہتی،

راضیہ :۔ سچ وہ بڑے اچھے آدمی ہیں،

فائقہ :۔ ارے وہ بڑے حضرت ہیں، تو خود جیسی نیک اور بھولی ہے سب کو دیا

ہی سمجھتی ہے !

راضیہ: اچھا بھئی، وہ جانیں اہم جانیں کسی کو کیا؟
 فالقہ: ہاں یہ بات کہی تم نے پتہ کی اب ہم چپ ہوتے ہیں:
 ان دونوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک چوہدار ہانتا کانتا آیا اس نے
 فالقہ سے کہا:

سلطان نے یاد فرمایا ہے آپ کو!
 فالقہ: کارنگ رخصت یہ حکم سنکر بدلتا گیا اس کے رخصتوں پر سخی سی دڑ گئی،
 سلطان نے بلایا ہے!

اس کا دل زرد زرد سے دھڑکنے لگا!

وہ اٹھ کھڑی ہوئی،

فالقہ: سلطان نے بلایا ہے،

چوہدار: جی سلطان نے یاد فرمایا ہے!

فالقہ: چلو میں چلتی ہوں۔۔۔

چوب دار چلا گیا، اس کے جاتے ہی فالقہ نے لباس بدلا بنا دیا سنگار کیا اور

چوہدھویں رات کا چاند بن کر وہ سلطان کے ایوان کی طرف روانہ ہو گئی!

راستہ بھر اس کا دل دھڑکتا رہا، وہ سوچتی رہی کیوں بلایا ہے؟

کیا وہ میرا گانا سنیں گے؟

ناچ دیکھیں گے؟

چھ سے انتہات کی باتیں کریں گے؟

میری دلہن بھی کریں گے؟

مجھے کوئی خوشخبری سنائیں گے؟

یہاں تک کہ وہ سلطان کی آرام گاہ میں پہنچ گئی اس وقت سلطان سرور
نظر آ رہا تھا، ذرا بھی نکر مند نظر نہیں آ رہا تھا۔ سامنے امیر معین الدین بیٹھا تھا وہ بھی
مسکرا رہا تھا، ابھی ابھی شاید اس نے کوئی لطیف سنا رہا تھا، جس سے خوش ہو کر
سلطان مسکرا رہا تھا۔

فائقہ جب سامنے پہنچی تو معین الدین سے آنکھیں چار ہوئیں!
وہ بھی مسکرا رہی تھیں!

پھر سلطان سے آنکھیں ملیں
اس کے بسم میں انتہات اور توجہ کی جھلک تھی!
سلطان نے فرمایا۔

تم آگئیں فائقہ؟
فائقہ: آگئی میرے آقا، حکم ملا۔ اور کنیز بیل پڑی،
خوارزم شاہ بہ بہت دلوں سے ہم نے تہلرا لگایا نہیں سنا!
فائقہ: یہ کنیز کی بد قسمتی ہے!

خوارزم شاہ: نہیں یہ تہلاری نہیں ہماری بد قسمتی ہے، ہمارے سلطنت اور سرور
مملکت میں سرائے کی مہلت نہیں دیتے، اندرونی شورش اور بیرونی
ورشیں ہیں کیسے ہونے کا ذرا بھی موقع نہیں دیتیں کچھ بات تو یہ ہے کہ اب
جنگ درباب سے دلچسپی ہماری دلچسپی تقریباً ختم ہو چکی ہے، انوار
ہی مغرب کا کام دیتی ہے!

ان باتوں کا فائدہ لے کوئی جواب نہ دیا، وہ سر جھکائے سنتی رہی!
 خوارزم شاہ: ہم جانتے ہیں تم اپنے فنی میں کتنی کامل ہو، لیکن تمہارے فنی کو ہمارے محل
 میں رنگ لگ رہا ہے، تم حسین و جمیل ہوشیور و ادب سے واقف ہو،
 کتنی زبانیں جانتی ہو، لیکن تمہارا کوئی شعر بھی تمہارے کام نہیں آ رہا ہے!
 فائدہ بدستور خاموش تھی!

خوارزم شاہ: ہم نے سوچا ہے ہمیں امیر معین الدین کے حوالہ کر دیں وہ تمہیں بہت
 آرام اور سکھ سے رکھیں گے!

ہے سکر فائدہ کا خون خشک ہو گیا!

خوارزم شاہ: کیوں فائدہ جاری ہو کر منظور ہے نہیں؟

فائدہ: ایک کینز آقا کی کسی تجویز کو رد نہیں کر سکتی!

خوارزم شاہ: نہیں بتاؤ، ہمارا یہ فیصلہ نہیں مانگا اور تو نہیں —؟

دنشا فائدہ کا دل مضبوط ہو گیا! اب تک اس کی کچھ بندھی ہوئی تھی اب

اس میں بدلنے کی طاقت پیدا ہو گئی، اس نے لرزائی ہوئی آواز میں کہا

فائدہ: میرے آقا مجھے یہ آپ کی تجویز منظور نہیں۔

ہے سکر معین الدین کے پہلوئیں کے پیچھے سے زمین ٹل گئی!

خوارزم شاہ: تم معین الدین کو ناپسند کرتی ہو!

فائدہ: میں کسی کو پسند نہیں کرتی، میں مرث

اور یہ کہنے کہنے وہ دوسرے گئی

خوارزم شاہ کو ترس آ گیا:

۔ ارے تم رو نہ لگیں۔۔۔۔۔ چچا ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں، جہاں چاہو

جاؤ جہاں چاہو رہو جو چاہو کرو۔ جتنی قیمت پر ہم نے تمہیں خریدا تھا، اتنا ہی
روپیہ عطا کرتے ہیں، تم اپنی زندگی کی مالک ہو، جس طرح چاہو اسے بناؤ
۔۔۔۔۔ (مسکرا کر) غالباً ہاوی اس بچہ پر سے تمہیں اتفاق ہوگا

فائقہ :- کیا اب بھی آپ کنیز کی رائے دے رہے ہیں؟

خوارزم شاہ :- ہاں۔۔۔ کیا اختلاف ہے تمہیں؟

فائقہ :- (درونی آواز سے) میرے آقا اتنا ہی شدید اختلاف جتنا پہلی بھوپڑ
سے تھا!

خوارزم شاہ :- (حیرت سے) تم آزاد ہو نا کبھی نہیں چاہتیں؟

فائقہ :- نہیں میرے آقا ہرگز نہیں۔

خوارزم شاہ :- پھر آخر تم کیا چاہتی ہو؟

فائقہ :- آپ کے قدموں میں رہنا چاہتی ہوں۔ آپ کی کنیز بنی رہنا چاہتی ہوں،

مجھے سب کچھ چھین لیجئے، مگر یہ نعمت نہ چھینیں!

خوارزم شاہ :- (متحیر ہو کر) تم غلامی کو نعمت کہہ رہی ہو؟

فائقہ :- آپ کی غلامی کو!۔۔۔۔۔ میں آپ کی غلامی سے آزاد ہونا

نہیں چاہتی!

جلال الدین :- آخر کیوں؟۔۔۔۔۔ ایسی باتیں ہم نے کسی سے کب تک نہیں

سنیں!

فائقہ پھر خاموش ہو گئی!

سلطان نے سعید الدین کو مخاطب کیا،
 ہم نے تمہاری خوشی پوری کرنی چاہی تھی، لیکن اب تم مجبور ہیں !
 سعید الدین کا دل بچا، فالٹہ کا منہ نوچ لے لیکن سلطان کے سامنے بے بس تھا !
 خوارزم شاہ: ہم محل کی .. جس کنیز کو چاہو لے لو، ہماری طرف سے اجازت ہے، لیکن
 فالٹہ اگر نہیں جانا چاہتی تو ہم اس پر جبر نہیں کر سکتے
 یہ انسانیت کے خلاف ہے، اس کی باتوں سے ہم اس وقت بہت متاثر
 ہوئے،

پھر خوارزم شاہ فالٹہ سے مخاطب ہوا،
 اب تم جاسکتی ہو !
 وہ مسکراتی ہوئی اچھی گئی !
 اس نے سب سے بڑی نعمت پالی تھی !

راضیہ اور فائقہ

خوارزم شاہ کے فیصلے سے فائقہ کو بڑی تسکین ہوئی اس کے دل کا بوجھ اتر گیا
 وہ محسوس کرنے لگی، میری محبت کا صلہ مجھے مل گیا
 یہ کیا کم ہے کہ جس کی محبت کے شرا سے دل میں اٹھ رہے ہیں، اس سے قرب کی نعمت
 حاصل رہے گی، اس کے قدموں سے لگی رہوں گی، اس کے حضور میں حاضر ہوتی
 رہوں گی اس کی باتیں سنتی رہوں گی۔
 پھر وہ سوچنے لگی

بس بہت ہے، اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے۔
 کلاہ کو شہ، دہقان، بر آفتاب رسید

وہ حب جلال الدین خوارزم شاہ کے جوان زرننگار سے اپنے حسرت
 کوہ میں داپس آئی تو دوزخِ مسرت سے اسکی پاکھنیں کھلی جا رہی تھیں، ایسا معلوم
 ہو رہا تھا جیسے اسے کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی ہو،
 راضیہ اس کے انتظار میں تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی آج فائقہ بہت

لول اور نگین ہے، خاموش اور اندر دہ ہے، دربار شاہی میں جاتے وقت اسکے چہرے پر نرم دگی چھائی ہوئی تھی، لیکن واپس آئی تو اس طرح کہ مسرت اور نشاط کی کیفیت اس پر طاری تھی، پاؤں رکھتی کہیں تھی، پڑتے کہیں تھے، اس انقباض پر راضیہ کو بہت تعجب ہوا اس نے کہا

راضیہ : بڑی خوش نظر آرہی ہو..... جیسے کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی ہو!

فائقہ : (دجوش مسرت کیساتھ) ہاں لی تو بے نعمت، پھر تمہیں کیوں ملن ہو رہی ہو؟
راضیہ : خدا نہ کرے، میں کیوں جلنے لگی، میں تو تمہیں اپنی بہن سمجھتی ہوں تمہاری خوشی میری خوشی ہے، تمہاری ترقی میری ترقی ہے — سچ کہنا کیا مسر فرازی ہوئی!

فائقہ : کچھ نہیں — جیسی گئی تھی، ویسی ہی واپس آگئی!
راضیہ : پھر اتنی خوش کیوں ہو، باپھیں کھلی جارہی ہیں، بندہ قبا ٹوٹے جا رہے ہیں — ہم سے بچھاؤ گی؟ ہیں نہ بتاؤ گی؟

فائقہ : کچھ پگلی ہوئی ہے، تجھ سے کیا چھپاؤں گی؟
راضیہ : تو پھر بتاؤ، دربار میں کیا ہوا؟
فائقہ : بتاؤں، لیکن تجھے خوشی نہ ہوگی، انوسس ہوگا!

راضیہ : ایسی بات پر مسرور نظر آرہی ہو، جو میرے لئے انعام کا سبب بن سکتی ہے؟
فائقہ : (خدا نہ کرے، ایسا ممکن ہے کہیں؟
راضیہ : پھر مجھے انوسس کیوں ہوگا؟

فائقہ :۔ وہ بات ہی ایسی ہے، ایک پہلا ایسا ہے جس سے تم خوش ہو گے اور دوسرا

ایسا ہے جس سے تمہیں درد نہ ہوگا!

راضیہ :۔ کچھ بھی ہو، میں سننے کو تیار ہوں۔ بتاؤ کیا بات ہے؟

فائقہ :۔ جانتی ہو سلطان نے مجھے کیوں یاد فرمایا تھا؟

راضیہ :۔ نہیں — جانتی ہوتی تو پوچھتی کیوں؟

فائقہ :۔ سلطان نے اس لئے بلایا تھا کہ مجھے امیر معین الدین کی کنیز میں دیدیں،

راضیہ :۔ (ستیر ہو کر) واہ — یہ سلطان کو کیا سوچھی؟ کیا صرف امیر

معین الدین ہی اس عطیہ کے قابل رہ گئے تھے؟

فائقہ :۔ سلطان اس لئے امیر الدین کے حوالے کر رہے تھے کہ خود امیر معین الدین

نے یہ اسناد عاکی تھی!

راضیہ :۔ (درجیدہ ہو کر) سچ کہو،

فائقہ :۔ تیرے سر کی قسم سچ — وہ تو میرے اور سلطان کے پیچھے

پڑے ہوئے تھے، لیکن میں راضی نہیں ہوئی!

راضیہ :۔ لیکن تمہاری ناراضا مندی سے کیا ہوتا ہے، سلطان تو راضی ہو گئے!

امیر نے تو التجا کی؟

فائقہ :۔ لیکن میں نے یہ التجا ٹھکرا دی،

راضیہ :۔ لیکن سلطان کو کیا گردگی تم؟ — ان کے سامنے زبان کھل سکے

گی تمہاری؟

فائقہ :۔ کیوں نہیں کھلے گی؟ — کھلے گی، کھلی، اور میں نے دن کی بات کی!

راہنیہ :- (اشتقاق سے) کیا کہا تم نے ؟
 فالقہ :- میں نے کہہ دیا۔ میں امیر کے ساتھ نہیں جانا چاہتی ؟
 راہنیہ :- پھر سلطان نے کیا کہا ؟
 فالقہ :- سلطان نے فرمایا تو ہم بھی مجبور نہیں کر سکتے تمہیں اختیار ہے جہاں چاہو رہو
 راہنیہ :- اب میں کبھی یہ بات ہے !
 فالقہ :- ہاں دیکھ لیا اپنے امیر کو ؟
 راہنیہ :- دیکھ لیا —

پھر اس نے ٹنڈی سالنسی، آنکھوں میں آنسو بھر آئے !
 فالقہ نے اس کے آنسو پوچھے اور کہا
 ”یہ دنیا ہے یہاں ہر روز اسی طرح کے کھیل ہوتے رہتے ہیں، غمزدگی اور
 مسکین کے سامنے کسی کی نہیں چلتی !“
 راہنیہ ابھی جواب میں کہہ رہی تھی کہ امیر سعید الدین آتا ہوا نظر آیا ۔
 اسے آتا دیکھ کر راہنیہ اٹھی اور اپنے اقامت گاہ کی طرف روانہ ہو گئی، فالقہ سوچنے لگی
 دیکھئے اب کیا محفل کھاتا ہے ؟

نکاح کی تجویز

معین الدین نے راضیہ کی موجودگی یا اسزدگی پر ذرا بھی توجہ نہیں کی، وہ سیدھا فالقہ کے پاس گیا، فالقہ نے گرجہوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور سکواتے ہوئے کہا!

فالقہ :- اس وقت کیسے تشریف لے آئے آپ؟
 معین الدین :- کیا تمہیں میرا آنا بھی گوارہ نہیں؟ — اگر ناگوار ہو تو چلا جاؤں؟
 فالقہ :- ایسی بے ادبی کی بات تو میں نہیں کہہ سکتی، — تشریف رکھیے!
 معین الدین :- فالقہ! تم نے آج یہ اچھا نہ کیا..... تم نے میری توہین کی،

فالقہ :- جانتی ہوں آپ امیر کبیر ہیں، سلطان کے مستند علیہ میں، آپ کی بات چلتی ہے، آپ کا سکہ چلتا ہے، آپ سیاح کو سفید، اور سفید کو سیاہ کر سکتے ہیں، بہت سے لوگوں کی زندگی آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کے ایک اشارہ پر گرجہ نہیں گٹھ سکتی ہیں، اور جلا دکی تلواریں کند ہو سکتی ہے۔ —

قبول کر لیا کہ عطیہ سلطانی تھا، اور سلطانی عطیہ کو رد کرنا بدلتیزی اور
 گستاخی ہے۔ — باقی وہ رقم میرے کس کام کی ہے؟
 یوں ہی پڑے رہیں گے میرے پاس، جسے ضرورت ہو وہ لے جائے!
 اب بتائیے؟ — اب کیا کہتے ہیں آپ؟
 معین الدین: یہ کہ واقعی تم یا پاگل ہو یا بے وقوف..... اور یہ دونوں صورتیں
 افسوسناک ہیں..... تمہارا جو جی چاہے کہ وہ میں جاتا ہوں۔
 معین الدین چلا گیا اور خانقاہ اس وقت تک اسے سکرا سکرا کر دیکھتی رہی
 جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا:

چنگیز اور متن خان !

علاء الدین خوارزم شاہ کی وفات کے بعد سے اب تک چنگیز خاں خوارزم شاہی سلطنت پر کئی حملے کر چکا تھا، لیکن ان حملوں کو معمولی جھڑپوں سے زیادہ ہمت نہیں دی جا سکتی، ان حملوں کا مقصد فیصلہ کن جنگ نہیں تھی، صرف اپنی شوکت کا اظہار اور دولت خوارزمیہ کو مرعوب کرنا تھا، اس طرح کافی مدت گزر چکی تھی، اور چنگیز سوچے دگا تھا کہیں متن خان مجھے بے وقوف تو نہیں بنایا، وہ فیصلہ کن حملہ کی رائے کیوں نہیں دیتا۔

وہ اسی طرح چچہ و تاب میں بیٹھا ہوا تھا کہ متن خان آگیا، چنگیز خاں نے اسے شیر کی طرح گھور کر دیکھا اور بلند آواز میں کہا،

”تن حال مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں نے تمہاری احمقانہ تجویز پر عمل کیوں کیا، متن خان، عالی جاہ غلام ایک خطا کار انسان ہے، لیکن اگر اس سے اسکی خطا معلوم

ہو ماتی۔

چنگیز خاں۔ کیا تم نے ہمیں یہ رائے نہیں دی تھی کہ جلال الدین خوارزم شاہ کو مہلت دی جائے؟

کیا تم نے یہی نہیں کہا تھا کہ علامہ الدین کے بیٹوں میں خوزیری کا انتظار کر لیا جائے؟

کیا وہ تم ہی نہیں ہو جس نے ہمیں مشورہ دیا تھا کہ فیصلہ کن لڑائی کا آغاز کرنے میں ابھی تاخیر کریں؟

تم نے ہمیں یہ احمقانہ مشورہ دیا اور ہم نے مان لیا۔

جانتے ہو اس مشورہ پر عمل کرنے کا انجام کیا ہوا؟

ہماری تلواریں زنگ آلود ہوتی جا رہی ہیں،

ہمارے سپاہیوں میں کسبی اور دکان پیدا ہوتی جا رہی ہے،

ہماری فتوحات کا سلسلہ رک سا گیا ہے!

اب ہم انتظار نہیں کر سکتے..... متن خاں فوج کو آراستہ کر دو۔

تیاری کا حکم دو، ہم بہت جلد کوچ کریں گے..... ہم اس کا

انتظار نہیں کر سکتے کہ خوارزم شاہی حکومت زیادہ سے زیادہ کمزور ہو سکے

تنبہ حملہ آور ہوں گے، ہم کمزور نہیں ہیں ہم اپنی قوت و طاقت سے واقف ہیں

ہم ساری مسلمان قوم سے بیک وقت لڑنے کو تیار ہیں، کیا تم ہمیں بزدل

سمجھتے ہو کہ.....

متن خاں (کانپ کر) نہیں عالی جاہ آپ کے لشکر کا کتا بھی شیر دل اور ہمتیوں

کا مقابلہ کر سکتا ہے!

چنگیز خان: تم نے خوارزم شاہی حکومت میں اپنا کوئی جاسوس بھی نہیں بھیجا۔

متن خاں: بہت سے بھیج چکا ہوں ہمارے جاسوسوں کا جالی پھینکا ہوا ہے وہاں

.....ہیں دم بدم کی خبریں مل رہی ہیں !
 چنگیز خاں :- پھر وہ دم بدم کی خبریں ہم تک کیوں نہیں پہنچتی؟
 متن خاں :- اس لئے کہ ان میں کوئی ندرت نہیں، کوئی خاص بات نہیں،
 چنگیز خاں :- ان خبروں کا خلاصہ کیسے؟ جلال الدین کی تیاریدوں کا کیا عالم ہے؟
 مسلمانوں کی جہاد کی کیفیت ہے؟

متن خاں :- یہ سب پرانی باتیں ہیں، یہ مسلمانوں میں وہ دم بدم ختم ہے نہ جلال الدین میں
 سکت ہے، ہم جب چاہیں دولت خوارزمیہ کا قطع فح کر سکتے ہیں !
 چنگیز خاں :- پھر انتظار کیوں؟ — تاخیر کس لئے؟
 متن خاں :- صرف ایک بات غلام کو قدم آگے بڑھانے سے روکتی ہے !
 چنگیز خاں :- کون سی بات؟ —

متن خاں :- یہ کہ اگر ابھی ہم نے حملہ کر دیا تو خلافت عباسیہ چوکتا ہو جائے گی،
 مشرق کی دوسری اسلامی سلطنتوں میں بیداری پیدا ہو جائے گی، خوارزم
 شاہی رعایا میں جہاد و جنگ کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ لیکن اگر ہم تھوڑا
 سا اور انتظار کریں تو —

چنگیز خاں :- (قطع کلام کرتے ہوئے) تو کیا ہوگا؟
 متن خاں :- خلافت عباسیہ اور دولت خوارزمیہ سے ٹھن چکی ہوگی، جن شہروں پر
 علاء الدین کے بیٹے قابض ہیں ان کی رعایا ان سے بہت زیادہ نالاں اور
 بیزار ہو چکی ہوگی، مشرق کی دوسری اسلامی حکومتیں خواب خرگوش میں
 سو چکی ہوں گی — پھر ہمارا اھل کامیاب ہوگا، اور ایک ہی واہ

میں ہم اپنے ہر دشمن کا خاتمہ کر چکے ہوں گے
 چنگیز خاں سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا
 چنگیز خاں: بہر حال ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ آج سے ٹھیک ایک ماہ بعد ہمارا لشکر
 دشمن پر لوٹ پڑنے کیلئے بڑھے گا۔ نتیجہ اور انجام سے
 بے پروا ہو کر۔۔۔ اس سے زیادہ ہم انتظار نہیں کر سکتے ہمارا پیارا
 صبر اب سریز ہو چکا ہے!

من خاں: عایجاد۔۔۔ آج سے ٹھیک ایک ماہ بعد تاناری ندی دل
 خوار زم شاہ اور اس کی سلطنت کے پر خچے اڑانے کے لئے صبح
 صبح یہاں سے کوچ کر رہا ہو گا!

پھر بھی میں لڑوں گا

جلال الدین خوارزم شاہ اگرچہ خاندانی، بی اور ملکی مصائب میں گرفتار تھا، لیکن
عقاب کی سی نگاہ رکھتا تھا، ہر بات پر، ہر پہلو، ہر مسئلہ پر، بڑی گہری نظر رکھتا تھا
کوئی بات ایسی نہیں تھی جو پیش آنے والی ہو، اور اس کے علم میں نہ ہو، وہ اپنی فکر و
تدبیر شجاعت و دہری، جہان بینی، اندہ چانداری، دانش بینش اور اعتدال و توازن
کی بنا پر پے ستام محاصرین میں لگانہ اور منہم زنی

حالات نامساعد تھے، فضا ناموافق تھی، دوست دشمن ہر رہے تھے، وہ سخت
حکومت کو اپنا حق سمجھتے تھے، امراء دولت اور اعیان ملک کی بھی ایک جماعت خفیہ اور
علانیہ سازشوں میں دن رات عہد رفتاری تھی، تاریخوں کی زخموں نے دانی پور شاہ اور
حکومت کا لگاتار سلسلہ جاری رکھا ہے، گہمی لگے ہوئے تھے، کبھی سخت، لیکن ان کے بہادر
اور تسلسل میں نرفی نہیں آتا تھا، بلکہ کچھ دنوں سے ان کی سسٹنی اور زیادہ بڑھ گئی تھی
..... اور جلال الدین بڑی سنجیدگی سے اس رفتہ کی کمیت اور کیفیت
پر غور کر رہا تھا، وہ اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح نہیں بہت جنگی زندگی

کا مقصد وحید یہ تھا کہ زندگی کے مزے لوٹیں،

خوش باش دے کی زندگی گانی میں است

اس کے سوا دنیا کے کسی اور مسئلہ پر وہ غور کرتے تھے، نہ شائستگی توجہ سمجھتے تھے

ایک روز خوارزم شاہ جلال الدین نے اپنے سپہ داریوں، دوستوں، ساتھیوں
ملک کے امیروں اور بااثر اصحاب کو حاضر دربار ہونے کا حکم دیا، سب لوگ خاموش
اور ادب کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، کسی کو نہیں معلوم تھا، خوارزم شاہ
نے کیوں بلایا ہے؟ کیسے کہے گا؟

جلال الدین اپنے ایوان زرنگار سے برآمد ہوا تو سب نے سر قند کھڑے ہو کر
تخلیم دی، خوارزم شاہ نے اشارہ سے سب کو بیٹھنے کا حکم دیا، خود کھڑا رہا، پھر
اس نے مخاطب کرتے ہوئے ان سب کو کہا۔

جلال الدین خوارزم شاہ: وہ ستوں، عزیزوں اور ساتھیوں!

حالات کی نزاکت کتنی بڑھ چکی ہے، مجھے امید ہے کہ تمہیں اس کا احساس ہوگا
آج ہر طرف سے ہماری حکومت پر پورےش ہو رہی ہے، خاص طور پر تاجاریوں
نے پیچھے لے لیا ہے، زد و چوبی سے بیٹھے ہیں، نہ بیٹھنے دیتے ہیں،
ایک درباری اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے کہا

سلطان عالم! — حالات کی نزاکت کا ہمیں پورا احساس ہے!

خوارزم شاہ: اور تم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ میرے بھائی میرے خونی کے
پیاسے ہو رہے ہیں، میرے دوست دشمنوں کے آلاکھارے ہوئے
ہیں، میرے ساتھی میرا ساتھ میں سے کھینچ رہے ہیں، بلکہ اگر یہ میں کہوں کہ میرے

ہاتھ پاؤں میرے دشمن میں تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔
 یہ کہتے کہتے حلال الدین خوارزم شاہ کی آواز بھر اُگئی،
 ایک دوسرا درباری اٹھا، اس نے عرض کیا۔

”سلطان عالم کا ایک ایک لفظ حقیقت کی منہ بولی تقریر ہے!“
 ایک اور درباری۔ (سجھے ہوئے اعداؤں میں) اور پھر بالائے ستم کم بخت تانایوں کی
 پرورش!

خوارزم شاہ: (دبڑ کر) کیا کیا تم نے؟ — کیا کہا؟
 درباری: (دبڑ کر) سلطان عالم!

خوارزم شاہ: ہم سنا چاہتے ہیں کیا کہہ رہے تھے تم؟..... کیا کہنا چاہتے تھے
 درباری: (دبڑتی ہوئی آواز میں) تاناری ایک آن چین نہیں لینے دیتے، اپنے موردِ صلح سے
 شکر کے ساتھ برابر جنگ دیکھا، کاسبلو جاری رکھے ہوئے ہیں.....
 ان کی قوت اتنی بڑھ چکی ہے اور عوام پر اپنی دہشت کچھ اس طرح انہوں نے
 قائم کر لی ہے کہ اب ان سے پشیمان آسان کام نہیں رہا۔

خوارزم شاہ: میں جانتا ہوں تاناری انسان نہیں درندے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے
 وہ بے پناہ قوت و شجاعت کے مالک ہیں، اس حقیقت سے بھی بے خبر نہیں
 کہ ان کا نام لوگوں پر دہشت اور سراسیمگی کی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔
 — پھر بھی میں لڑوں گا!

درباری: (خوفزدہ آواز میں) پھر بھی آپ لڑیں گے؟
 خوارزم شاہ: ہاں لڑوں گا!

آخری وقت تک ،

آخری سانس تک ،

آخری قطرہ خون تک ،

میں جنگ جاری رکھوں گا۔ لوہے تاروں کا خواہ میرے ہاتھ کھل جائیں ،
میری طاقت جواب دے جائے ، کوئی میرا ساتھ نہ دے ، میری ہمت نہیں ٹوٹ سکتی میری
عزم :۔ سلطنت میں فرق نہیں آسکتا !

معین الدین :۔ بے شک بے شک ، سلطان عالم بالکل بجا فرما رہے ہیں ، تاتاری خواہ
کتنے ہی طاقتور ہوں ، لیکن وہ ہمارے عزم و جوہل کو شکست نہیں دے سکتے
ہم سلطان عالم کے جاں نثار ہیں ، اور زندگی کے آخری رشتہ تک اپنے
مسک پر قائم رہیں گے !

خوارزم شاہ :۔ میں دیکھا ہوں تاتاریوں سے مقابلہ کا نام سنکر تمہارے سرخ و سفید
چہرے زرد ہو گئے تم پر مردنی چھا گئی ، تمہارا نظام تنفس و دھم برہم ہو
گیا ، اگر یہی بات ہے تو شوق سے تم گھروں میں بیٹھ رہو ، میں بہتیں منہ
نہیں کرتا !

معین الدین :۔ عالی جاہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ، ہم اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہیں
اور اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے ہم اس کے قدموں سے لپٹے رہیں گے
اس کے ایک اشارہ پر اپنی جان قربان کر دیں گے ۔

خوارزم شاہ :۔ یہ تم اپنی طرف سے کہہ رہے ہو یا سب کی طرف سے
معین الدین :۔ سب کی طرف سے سلطان عالم !

خوارزم شاہ۔ نہیں تم اپنی عزت سے کہہ رہے ہو اور اتنا ہے اس دعوے کو ہم تسلیم کرتے ہیں، دوسرے لوگ گونگے نہیں ہیں، وہ خود اپنی رائے کا قائل کر سکتے ہیں، انہیں بولنے دو تم بیچہ جاؤ۔
معیین الدین بیچہ گیا

خوارزم شاہ۔ آپ سب حضرات اپنی اپنی رائے کا اظہار فرمائیں، میں سنونگا میں غور کروں گا۔

سکین خوارزم شاہ کی آواز کے جواب میں کوئی آواز بلند نہیں ہوئی! خوارزم شاہ۔ تم خاموش ہو جواب دینے کی ہمت نہیں رکھتے، کوئی مضائقہ نہیں تم بھڑوں میں بیٹھے رہو، صرف چچکائیے کو میدان جنگ میں جانے دو، میں اکیلا اگر سب کا رہنما نہیں سکتا، مگر تو سنا ہوں تاتاری شہزادوں کو دیران کر سکتے ہیں، لیکن جلال الدین کے عزم و استقامت کی دنیا دیران نہیں کر سکتے، ان کی تلوار لوگوں کی گردن کاٹ سکتی ہے، لیکن جلال الدین کی ولیر اور شجاعت کو ذبح نہیں کر سکتی، وہ بادشاہوں کو مملکتوں کو حکومتوں کو کچل سکتے ہیں، لیکن جلال الدین کی عزت نفس اور خودداری کو تاراج نہیں کر سکتے وہ جلال الدین کی گردن کاٹ سکتے ہیں، لیکن جلال الدین کی رخص کو کچل نہیں سکتے، کاشش تم سب متحد ہوتے، اگر تم سب متحد ہو، سلطان اگر باہمی اختلافات ترک کر دے، خود عرضی مفاد پرستی، جاہ طلبی اور اقتدار و اختیار کی جھوک ہمیشہ کئے نہیں، صرف تاتاری پورش کا مقابلہ کرنے تک کے لئے کم ہو جائے تو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ تاتاریوں کو چینیائی کی طرح مسل

کر رکھ دوں گا۔ لیکن اگر تم متفق نہیں ہوتے اختلافات کی
گرم بازاری جاری رکھنے پر مہم ہو، دوستوں کو نقصان پہنچانے
اور دشمنوں کو مدد دینے پر تے ہوئے ہو تو بھی میں پروا نہیں کرتا، تو بھی
میری ہمت اور عزم میں کوئی فرق نہیں آسکتا، تمہیں خدا کے حوالے کر دینگا
اور اپنے معنی بھی خدا کا رول اور جاں نثاروں کے ساتھ اس سبب ہلا کا مقابلہ
کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ

یا تن رسد بجاناں یا جاں رتن برآید

میں گوشت پوشت کہنے ہوئے تینوں پر ہوا ہے اور فولاد کے بنے
ہوئے ہتھیار مل پر تباہو جانے والی اور باقی رہنے والی دولت بھر دے
نہیں کرتا، میرا بھر دے مرثند ا پر ہے، اس خدا پر جس نے خود فرمایا ہے،

و ان عزمت فتوکل علی اللہ

جب عزم کرو تو خدا پر توکل کر کے (اسے پورا کرو)
میں نے عزم کر لیا ہے، اور خدا کے بھر دے پر اس عزم کو علی جامہ پہنا کر
رہوں گا،

ایک مصاحب:۔ لیکن سلطان

خوارزم شاہ:۔ لیکن وقت گزر چکا ہے،

مصاحب:۔ میرے عرض کرنے کا مقصد

خوارزم شاہ:۔ عرض دہو و عرض کا بھی وقت گزر گیا، اب عرض مل کا وقت ہے، وقت

کی اہمیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے، غفلت اور خدرا موشی میں

قیمتی وقت گزر چکا ہے۔ اب تلافی مافات کی صرف یہ صورت ہے کہ اصل کی سرگرمی سے کوتاہی کا داغ دھویا جائے۔ ————— میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں، عزت کی موت یا ذلت کی زندگی میں سے تم کیا اختیار کرتے ہو؟ تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ اگر عزت کی موت منظور ہو تو میرا ساتھ دو، میرے ساتھ چلو اور کٹ مرو۔ ذلت کی موت مرنا چاہتے ہو تو تاتاریوں کی امانت قبول کرلو۔ ذلت کی موت میں نے اس لیے ایاد و لالی کہ جو لوگ تاتاریوں کی اطاعت قبول کر لیتے ہیں، وہ انہیں بھی زندہ نہیں چھوڑتے، طرح طرح کی ذلتیں دے دے کہ ان کی جان لیتے ہیں..... بتاؤ کیا چاہتے ہو؟

خوارزم شاہ نے منتظرانگاہوں سے سکودیکھا!

مگر کس طرف سے جواب نہ ملا!

سب ساکت و صامت بیٹھے تھے ————— کسی میں یارائے تکلم نہ تھا۔

خوارزم شاہ نے پھر پوچھا

بتاؤ کیا فیصلہ کیا تم نے؟

مگر اب بھی سب خاموش تھے!

خوارزم شاہ نے پھر کہا

میں منتہارا فیصلہ معلوم کرنا چاہتا ہوں، تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں تم؟ لے کیوں نہیں؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟ خاموش کیوں ہو، تمہاری زبان کیوں نہیں کھلتی؟

لیکن ان پیسہ ہوالوں کا جواب ایک بھی کسی طرف سے نہ ملا۔
خوارزم شاہ نے پھر کہا،

میں تمہارے حوصلے ٹولنا چاہتا ہوں۔

تہارنی امنگوں کا اندازہ کرنا چاہتا ہوں، تمہاری غیرت اور تہمت کو پرکھنا اور
ٹولنا چاہتا ہوں۔ لیکن تم اس طرح خاموش ہو جیسے سانپ سوکھ گیا ہو، بولہ بولہ کچھ توڑ
خوارزم شاہ کی ان چھٹی ہوئی باتوں کا کس کے پاس جواب تھا کہ وہ منہ
کھولتا؟ کوئی کچھ نہ بولا، سب خاموش رہے!
یہ کیفیت دیکھ کر وہ بولا،

خوارزم شاہ بد اثر ایجنڈا اور تاسف آمیز لہجے میں، ہاں میں سمجھ گیا!
تم میں وہ دھول نہیں رہا جس نے کبھی تمہیں سر ملنے کر کے بہت تعلیم کا فرما دیا
بنا دیا تھا، تم میں اب وہ خودی باقی نہیں، جس نے تمہاری دھاک ماری دینا
پر بٹھادی، تم میں وہ زندگی باقی نہیں رہی جو کبھی پسلی صفت سے تبار
نکلی۔ آدہ۔

تم اب ادب اور انضباط کے واسطے پر کھڑے ہو اور اس راستہ سے ہٹنا
نہیں چاہئے تم میں اب زندگی کی امنگ اور وہ لب باقی نہیں رہی۔ وہ امنگ
جو کارناموں کی تخلیق کرتی ہے وہ ٹپ جوتا۔ صبح کے صفحات پر یادگار
رہ جاتی ہے!

تمہیں زندگی عزیز نہیں!

تم موت کی طرف آؤ اور اشتیاق کے ساتھ تلک رہے ہو!

میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں، بہادری کی موت، سب سے اچھی اور
 سہری زندگی ہے۔
 بزدلی کی زندگی بدترین موت ہے، جو کسی بدترین شخص پر طاری ہو سکتی ہے۔

اے —
 کبھی عشق کی آگ اندھیرا ہے
 مسلمان نہیں خاک ڈھیرا ہے

آج سے میرا اور تمہارا راستہ الگ ہے۔ بالکل الگ — تم
 اب جا سکتے ہو۔ جاؤ اور گھروں میں جا کر دیکھ لیں دیکھو گھر کو
 ایسا مفسوسا بنانا کہ جنگیز کے تیشے انہیں منہ دم نہ کر سکیں کیونکہ وہ گھر
 میں بیٹھے والوں کو کبھی امان نہیں دیتا۔ وہ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتا!
 ایک درباری۔ ہم دلی سے سلطان کی عزت کرتے ہیں، لیکن ہم اپنی حقیقت سے قہقہہ
 ہیں۔ ہم تاتاریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں اپنی قوت اور طاقت کا
 اندازہ ہے —

خوارزم شاہ: تمہیں اپنی قوت کا اندازہ ہے طاقت کا اندازہ ہے!
 تاتاریوں کی قوت اور طاقت کا کبھی تمہیں پورا پورا اندازہ ہے!
 لیکن شاید خدا کی قوت و طاقت کا اندازہ تم بالکل نہیں رکھتے
 مجھے ہے اور اسی کے بھر دے پر میں تاتاریوں سے جنگ جلدی رکھوں گا

خوشی کے آنسو

لیکن جلال الدین کو خوارزم نے ایمان دینے سے انکار کر دیا، اس کی بادشاہت تسلیم نہیں کی اسے مجبور کیا کہ وہ خوارزم سے ترک تعلق کر لے، نکل جائے کہیں اور جا پھھے۔

یہ بڑا دلہو سا بن گیا تھا!
 دشمن کی تلوار اور سنگین سے جو زخم آتا ہے اس میں وہ نیک اور کسک نہیں
 ہوتی جو اپنیوں کی دلچر اش باتوں میں ہوتی ہے، جلال الدین کو تاتاریوں سے وہ
 صدمہ نہیں پہونچا جو خوارزم کے اپنے اور گھلاؤں سے پہونچ گیا!
 آسمان دہر تھا، زمین سخت کٹی رفاقت اور محبت کا واسطہ مسدود تھا،
 دشمنی اور عداوت کے طوفان اٹھ رہے تھے — زمین سخت غمی آسمان
 دہر تھا!

وہ اسی فکر اور پریشانی میں کھویا تھا کہ یکایک اس نے گردن اٹھائی دیکھا اس نے
 فالقہ کھڑی ہے، فالقہ کو دیکھ کر خائف محول وہ مسکرایا، اس نے کہا

فائدہ..... کوئی ایسا گیت سناؤ کہ میں اپنی پریشانیوں، درد و ماندگیاں
 فراخوش کر دوں۔ تیری آواز میں رُس کبھی ہے، اور درد بھی، سوز بھی اور
 ساز بھی، تو ہی میرے زخم کا مہم بن سکتی ہے اس وقت؛
 یہ درد بھرے ہوں سنکر فائدہ کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو بھر آئے،
 اس نے کہا۔

میرے آقا، میرے مالک آخر وہ کون سی فکر ہے جس نے آپ کو پریشان
 کر رکھا ہے؟

جلال الدین نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

وہ ایسی پریشانی ہے، جسے نہ تو سمجھ سکتی ہے نہ محسوس کر سکتی ہے۔
 تو میرے سر پر تاج شہریاری، پیکر ہی ہے، نہیں یہ تاج شہریاری نہیں، کانٹوں
 کا تاج ہے، اس تاج نے میرے سر کو۔۔۔ صحت سربہ کو نہیں، دل کو بھی بلکہ اور کچھ
 کہو تو دردِ دل کو بھی چھینی کر دیا ہے، میں اس تاج کا جو یا نہیں تھا، لیکن حالات نے
 مجبور کر دیا کہ اسے پہنوں اور پہنے رہوں، جب تک کہ الدم حرم کی وصیت پر عمل نہ کر
 لوں تا تار یوں کا بیع نہ کر لوں، اس وقت تک اسے نہیں اتار سکتا، نہیں اتار
 فائدہ بولی

لیکن میرے مالک کسی میں مہمت ہے کہ وہ آپ سے یہ تاج چھین سکے؟
 جلال الدین نے ایک آہ سر دہر کر کہا

تیرے بھائیوں میں، عزیزوں میں، میرے دوستوں میں۔۔۔
 تا تار یوں میں نہیں، جنگل میں نہیں۔

فائقۃً لا جواب ہو گئی
اس حقیقت کی تردید وہ کس طرح کرتی؟ کس دلیل سے کرتی؟
اتنے میں معین الدین آگیا اسے دیکھ کر حلال الدین سنبھل بیٹھا
کہو کوئی انہی خبر؟

معین الدین نے منہ بنا کر کہا:
حالات کی رفتار بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔۔۔ آپ جس چیز سے
اجتناب کر رہے تھے، وہ۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔ ہو کر رہے گی!
حلال الدین نے پوچھا
تم کیا کہنا چاہتے ہو؟
معین الدین نے جواب دیا:

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خانہ جنگی ہے اب گریز نہیں کیا جاسکتا!
حلال الدین: جب تک میں زندہ ہوں ہر گز خانہ جنگی نہیں ہونے پائے گی!
معین الدین: ایک ہاتھ سے تالی نہیں بکتا، آپ لاکھ چاہیں صرف آپ کے چاہنے سے
کیا ہو سکتے۔۔۔ خانہ جنگی تو ہم پر مسلط کی جا رہی ہے
حلال الدین: اگر یہ بات ہے تو میں خوارزم کی اقامت تک ترک کر دوں گا، چلا جاؤ لگھا
یہاں سے!

معین الدین (جرت سے): آپ خوارزم کی اقامت ترک کر دیں گے، چلے جائیں گے
یہاں سے:

حلال الدین: ہاں۔۔۔ اس لیے کہ میں خانہ جنگی نہیں چاہتا، سنے کہیں اپنی

کا خون بہانا نہیں چاہتا، اس لئے کہ میں اپنے ہم قوموں اور ہم مذہبوں سے رشتہ نہیں چاہتا۔ میری تلوار کی کاٹ میرے ہی بھائی 'مبذوں' پر نہیں آزمائی جاسکتی، اس کیلئے 'تاتاریوں' کی گردن روز ازل سے مقرر رکھ چکا ہے!..... جلال الدین کی تلوار کسی مسلمان پر نہیں اٹھ سکتی!

معین الدین: خواہ کوئی مسلمان جلال الدین پر تلوار چلا دے

جلال الدین: اگر کوئی ایسا کرے گا۔۔۔

معین الدین: یہ تو ہو رہا ہے۔۔۔

جلال الدین: ہاں ہو رہا ہے اور اس کا جواب بھی ہے کہ میں اس سے ہٹ جاتا ہوں!

معین الدین: پھر کیا کریں گے؟

جلال الدین: کہیں اور قسمت آزمائی کروں گا

ملک خدا تنگ نیست

پائے مرا ~~کھنکھ~~

معین الدین: ہم خادمان خاص اور جاں نثاران قدیم کو تو یہ معلوم ہونا چاہیے

کیا ارادہ ہے؟

جلال الدین: ارادہ تو میں نے بتا دیا۔

معین الدین: کہاں کا قصد ہے؟

جلال الدین: بار بار سوچنے کے بعد غزنی کے نام پر طبیعت جمتی ہے!

معین الدین: آپ کے ساتھ کون کون جائیگا؟

جلال الدین: جس کو جی چاہے۔۔۔ باقی میرے خاں کی سپاہ جو تقریباً

اٹھ نو سو نو سو پر مشتمل ہے میرا خیال ہے موزر میرے ساتھ جائے گی۔
 معین الدین: کوئی نہ جائے، وہ لوگ مزد جائیں گے..... اپنے آنا اور سروا
 کے نام پر جان دیتے ہیں..... اور ان کی تعداد اٹھ نو سو نہیں خدا کے
 فضل سے پوری ایک ہزار ہے..... مگر ہی میں نے گنتی کی تھی
 جلال الدین: خدا کا شکریہ..... بس مجھے انہی پر بھروسہ ہے یہ لوگ جہر حال
 جائیں گے!

معین الدین: میرے بارے میں کیا حکم ہے؟
 جلال الدین: (سنجیدگی سے) ابھی وقت ہے فیصلہ کرو،
 معین الدین: میں تو فیصلہ کر چکا ہوں آپ کا حکم معلوم ہونا چاہیئے۔
 جلال الدین: میں جانتا ہوں تم کو مجھ سے کتنا تعلق خاطر ہے اور تم کبھی جانے ہو گے میرے
 دلیں تمہاری کتنی جڑے لیکن اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ میں کوئی حکم نہیں
 دوں گا بلکہ مشورہ بھی نہیں دوں گا۔

معین الدین: اس سے قبل تو آپ کا یہ برتاؤ میرے ساتھ نہ تھا
 جلال الدین: ہاں نہیں تھا، لیکن اب دیکھ رہا ہوں کہ حالات کیا ہیں، گوشت اور ناخن
 میں جدائی ہو رہی ہے، پرانے رشتے کچے دھانگی طرح ٹوٹ رہے ہیں
 عزیز دلی اور قربت اور خون کا تعلق ختم ہو رہا ہے پھر میں کیسے حکم دے سکتا
 ہوں؟..... نہیں تم اس کی توقع مجھ سے نہ رکھو۔

معین الدین: لیکن میں چلوں گا، میں ہم رہوں گا، میں زندگی کے آخری سانس
 تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔

جلال الدین :- اپنی زبرداری پر تم ایسا کر سکتے ہو لیکن سوچ لو، یہ جان جو کھوں کا کام ہے
معین الدین :- میں جان بھیلی پر لے چکا۔

جلال الدین :- تو بسم اللہ..... کئی صبح ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے

معین الدین :- کئی صبح.....؟ اس تو جلد؟

جلال الدین :- ہاں کیوں کچھ جلدت چاہئے؟

معین الدین :- اپنے لئے نہیں، لیکن.....

جلال الدین :- سپاہ کیلئے؟ میری خاص فوج کے لئے؟۔۔۔ یہی نا؟

معین الدین :- یہی میرا مقصد بھی ہے!..... میں یہی عرض کرنا چاہتا تھا

جلال الدین :- تم غلطی پر ہو..... ممکن ہے تمہیں تیار ہونے میں کچھ دیر لگے۔

لیکن میری سپاہ ہر وقت چوکس رہتی ہے، وہ ایک شاہ پر کوچ کرنے کو تیار

رہتی ہے..... اگر تم چاہو تو تمہیں کچھ جلدت دے دوں

معین الدین :- (شرمندہ ہو کر) نہیں مجھے جلدت نہیں چاہیے!

جلال الدین :- اسی دقت جا کر میرے سپاہ خاصہ کو بھی میرا حکم سناؤ!

معین الدین :- ابھی نہیں ہو گی اس ارشاد کی

معین الدین جانے لگا۔ وہ دروازے تک پہنچ چکا تھا کہ جلال الدین نے پھر

بلا یا اور کہا۔

• ایک بات کا خیال رکھنا، ہمارے ساتھ صرف، ہی مال و اسباب جائے گا جو ضر

ہمارا ہے، یعنی ہمارا ذاتی!

معین الدین، لیکن وہ کون چیز ہے جو میرے آقا کی نہیں؟

جلال الدین: جوہ چیز جو اس محل کے اس حصے سے باہر ہو جیال ہم رہتے ہیں!
 معین الدین: آپ کا حق خزانہ شاہی پر بھی ہے اور محلات کے مال و اسباب پر بھی
 ہے۔۔۔۔۔

جلال الدین: ہوگا۔۔۔ لیکن فی الحال میں اس سے دستبردار ہوتا ہوں!
 معین الدین: لیکن اگر اس طرح ہم گئے تو بہت کم چیزیں ہمارے ساتھ ہوں گی
 جلال الدین: کوئی 'حفاظت' نہیں۔۔۔۔۔ چیزیں کم ہوں لیکن اپنی ہوں یہ اس سے بہتر ہے
 کہ چیزیں زیادہ ہوں لیکن دوسروں کی ہوں!۔۔۔۔۔

اس معاملہ پر گفتگو ختم کر دو جادوہ کر دو جو ہم نے کہا ہے، جس کی ہم نے ہدایت
 کی ہے!

معین الدین: لیکن میرے آقا! اس بے سرو سامانی کے عالم میں جہالت کر کے ترک دہن اور
 ترک علاقہ کر کے جب ہم عزتی پہنچیں گے تو کیا کریں گے؟

جلال الدین: اس کی فکر تم سے زیادہ مجھے ہونی چاہیے۔۔۔۔۔ میں یہاں سے

کوئی ایسی چیز نہیں لے جانا چاہتا جو دالہ مرحوم کی زندگی میں میری زد و چکی ہو

معین الدین: بڑا چھا خیال ہے۔۔۔ لیکن ہم عزتی کیوں جا رہے ہیں؟

کیا اس لئے نہیں کہ جگہ کی تیاری کریں بتا تیری پوشش کی مقاومت کا انتظام
 کریں؟

جلال الدین: ہاں صرت اسی لئے!

معین الدین: پھر تو ضرورت ہے کہ ہم یہ طرح کے ساز و سامان سے پس ہو کر جائیں!

جلال الدین: (مسکرائے) نہیں۔۔۔۔۔ اگر نیت نیک اور ارادہ خالص ہے تو ہر طرح

تو ہر حالت میں ہم کامیاب ہوں گے !
 مسین الدین نے کوئی جواب نہیں دیا، گردن جھکائی اور واپس جانے لگا۔
 جلال الدین نے اس سے کہا
 - میرے دوست خدا پر بھروسہ رکھو، وہ ان لوگوں کو کبھی ہار میں نہیں کرتا، جو
 اس سے لڑتے ہیں !

مسین الدین یہ الفاظ سنت ہوا چلا گیا !
 مسین الدین کے جانے کے بعد فائقہ نے کہا۔
 - کیا میں جاؤں ؟

جلال الدین نے کہا
 - ہاں تم جاسکتی ہو !
 وہ جاتے جاتے غصہ سے کہنے لگا، اور اس نے عورت سوال بن کر پوچھا:
 - میرے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے ؟
 جلال الدین کچھ سوچتے لگا، پھر اس نے پوچھا:
 - تمہارے بارے میں ؟

فائقہ بول پڑی،
 میں بھی ہم رکاب چوں گی !
 جلال الدین نے انکا میں گردن ہلاتے ہوئے کہا
 - نہیں —

لیکن جب فائقہ دیر ہی او بے ساختہ اس کے منہ سے نکلی گیا۔

ارے تم پھر نہ لگیں؟ اچھا تم بھی تیار ہی کر دو!
 خائفہ خوش ہو گئی اس کی آنکھوں میں اب بھی آنسو لب
 بھرے تھے۔ لیکن یہ خوشی کے آنسو تھے!

شب خون

جلال الدین اپنے ساتھ خانقہ کو نہیں لے جانا چاہتا تھا، لیکن اس کے آئینہ دیکھ کر اس کا دل بیچ گیا۔ وہ خوش خوش اپنے کمرے میں پہنچی اور سامان سفر تیار کرنے لگی۔ آج اے اپنے آئینہ! ان پرناؤں پر ناؤ تھا۔۔۔ کتنے قیمتی تھے یہ آئینہ!۔۔۔

دوسرے روز حسب قہر داد جلال الدین خوارزم پر حسرت دیا س کی نگاہ ڈال کر اپنے محقر سے ملے اور غمخواری میں سپاہ کے ساتھ روانہ ہو گیا۔۔۔۔۔ رخصت عینی کی طہ تھا، اب وہ ہیں سمت آزمائی کرنا چاہتا تھا!

خوارزم سے بڑی بے سرد سامانی اور آشفہ خاطر کی کے عالم میں نکلا، ایک ہزار خانہ کے سپاہی اس کے ساتھ تھے۔ وہ بار بار سوچتا تھا۔ یہ لاکھ سرفروش اور دہاں خند ہوں گے تیری کے میزبانی دل لشکر کا کیا مقابلہ کر سکیں گے!

یہ قافہ مشکل سے تین چار منزل گیا ہو گا کہ ایک روز ایک ہرادل دستہ اتناں و خیراں خیمہ شاہی کی طرف بڑھتا نظر آیا، جلال الدین اس وقت جس مقام پر خیراں تھا یہ بڑا بڑا اور روح پرور مقام تھا، اس وقت وہ زمین سے بیٹھا آئینہ دیکھ کر بے پرواہ

کر رہا تھا ————— نئی نئی سکیں . نئے نئے نقشے نئے نئے
خانے۔

ہر اہل دستہ کو یوں پریشانی کے عالم میں آتا دیکھ کر جمال الدین چونک پڑا،
اس نے عین الدین سے کہا،

۔ ایں یہ کیا؟ — یہ ہمارا ہر اول دستہ اتنی گھبراہٹ کے عالم میں

کیوں آ رہا ہے؟ — مہم زور کوئی بات ہے!

سین الدین نے سر اٹھایا، اور دیکھنے لگا، اتنے میں وہ دستہ قریب آگیا جمال الدین
کھڑا ہو گیا،

کیا بات ہے تم لوگ، اتنے سب سے ہوئے کیوں ہو؟

ایک آدمی بولا

، حضور عالی جاہ، جہاں پناہ، دلا مرثبت —————

جمال الدین: بے وقوف — کہتے کیوں نہیں؟

وہی شخص گویا ہوا،

چند کوس کے فاصلہ پر تاناریوں کا ایک عظیم لشکر فرخ کش ہے۔

جمال الدین: شاید وہ خوارزم پر حملہ کے ارادہ سے آئے ہیں!

ہر اہل دستہ کے آدمی نے کہا

۔ سچی جہاں پناہ یہی بات ہے ————— بہت بڑا لشکر ہے، حد نظر تک

آدمی ہی آدمی، کھائی دیتے ہیں، تلواروں پر میٹل ہو رہی ہے، ہر آدمی جنگ میں

لے لینے کے لئے بیقرار اور مضطرب ہے! —————

جلال الدین، خاموش..... !

وہ آدمی خاموش ہو گیا پھر جلال الدین نے سین الدین سے کہا
 • ہماری فوج کو کوچ کئے، آمادہ کرو۔ دن ختم ہو رہا ہے ہم جنگیر کی فوجوں
 پر شب خون ماریں گے۔

اس حوالہ کو دیکھ کر معین الدین ہنسا لگا، صرف ایک ہزار نفوس کے جنگیر
 کے خون آشام لشکر پر شب خون مارنے کا ارادہ؟ یہ جلال الدین ہی کی ہمت تھی یہ کام
 وہی کر سکتا تھا!

اس نے ڈرتے ڈرتے کہا
 جنگیر خوارزم پر حملہ کرنے جا رہا ہے..... جلنے دیکھے وہاں کی
 حکومت نپٹ لے گی!

جلال الدین نے بگڑ کر کہا
 نہیں! ہمیں دشمنوں کے مقابلہ میں بہر حال خوارزم عزیز ہے، ہم
 ان کی کچھ اور مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ شب خون مار کر دشمن
 کو بتا دیں کہ ہم موم نہیں ہیں۔ تم میری رائے سے اب بھی متفق نہیں ہوئے؟
 معین الدین نے عرض کیا

• غلام تو حکم کا بندہ ہے۔ ویسے بظاہر تو بہتر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم
 تاتاریوں سے کتر اگر عزنی کی طرف بڑھے چلے جاتے، وہاں پہنچ کر ہماری
 تیاریاں مکمل ہو جاتیں تو دشمن پر ٹوٹ پڑتے!
 جلال الدین ہنس پڑا،

دشمن پر لوٹ پڑنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے، خود تیاریاں
مکمل ہوں یا نامکمل!

اب سمین الدین کیا کہہ سکتا تھا؟ حکم حاکم مگر سفاجات!
شام ہوتے ہوتے خوارزم شاہ کا چھوٹا سا قافلہ کیل کانٹے سے بچے ہو کر
تاریوں کے لشکرگراں کی طرف بڑھا!
اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے
خاصہ کی سپاہ کو بھی نہیں معلوم تھا کہ اتنے ناوقت ہم کہاں جا رہے ہیں
ہماری منزل مقصود کدھر ہے،

قافلہ چلتا رہا، چلتا رہا! —
یہاں تک کہ نصف شب گزر گئی..... چنگیز کا لشکر وہ سانسے نظر آ رہا تھا
طلارہ دار پہرہ رہے تھے۔ سپاہیوں کا بڑا حصر خواب خرگوش میں مبتلا تھا
جو سپاہی جاگ رہے تھے، وہ اپنے خیموں میں بیٹھے خوش گہریں میں معدن تھے
چنگیز کا خیمہ وسط لشکر میں تھا، ارد گرد پہرے دار سستی اور چوکسی سے پہرہ دے
رہے تھے اور وہ آرام کر رہا تھا تاکہ صبح صبح تازہ دم ہو کر خوارزم کی طرف بڑھے!
خوارزم شاہ کی سپاہ جب چنگیز کے لشکر کے قریب پہنچی تو اس نے چلتے
چلتے اپنے سپاہیوں کو روک لیا اور کہا،

”دوستو! عزیزو! رفیقو!“

وہ سامنے تہیں آدیسوں کا ایک جنگل نظر آ رہے، وہی جہاں
رہش کے دیئے ٹٹانے ہوئے نظر آ رہے ہیں! جانتے ہو یہ کیسا

مکھ ہے دندگی بیت جائے ،

لہذا میں انتظار نہیں کر سکتا صبر نہیں کر سکتا —————

آج بھی چیگز میرے سامنے ہے ، اس کو شکر میرے سامنے ہے میں
اسے شکست نہیں دے سکتا ، یہ جانتا ہوں اس وقت میں اس کا قلع
قح نہیں کر سکتا ، یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوں لیکن ہم
نہیں کر سکتا ، مگر زخم ضرور لگا سکتے ہوں !

میرا ارادہ یہ ہے کہ ہم کڑی کان کے تیر کی طرح چیگز کے لشکر
پر گریں اور جو سامنے آئے اسے چھیدتے ہوئے اس سرے سے
اس سرے تک نکل جائیں گے ، جب تک چیگز کا لشکر سنبھلے
ہم بہت دور جا چکے ہوں گے اس کی دست دس سے بہت
یہ میرا حوصلہ ہے !

کیا تم میرا ساتھ دو گے ؟

یہ جاؤ جو کھوں کا ساٹھ ہے مکھ ہے ہم سب
حوصلہ دکھانے میں کام آجائیں ، ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچے
پھر بھی میں فیصلہ کر چکا ہوں اور بہتے فیصلہ پر قائم ہوں

بتاؤ !

کیا تم میرا ساتھ دو گے ؟

پوری صفائی کے ساتھ اپنے عذریہ کا اظہار کر دو

یہاں سے راستہ گٹ سکتا ہے تم خوارزم یا عربی کی طرف آسانی

سے جا سکے ہو!

یہ سنتے ہی خوارزم شاہ کے سپاہیوں نے بڑے جوش
اور ولولہ کے ساتھ نعرہ لگایا۔

خوارزم شاہ زندہ باد!
ہم دشمن پر ضرور حملہ کریں گے۔
جلال الدین نے کہا

شہابش، میرے بہادر دوست... مجھے تم سے بھی امید تھی!
بس اب نعرے نہ لگاؤ، جوش نہ دکھاؤ، اپنے عمل سے اپنے جوش کو
ثابت کرو! دیکھو میں بڑھ رہا ہوں
آدمیرے پیچھے پیچھے!

یہ کہہ کر خوارزم شاہ کھلی کی سی تیزی سے اپنے گھوڑے کو دوڑاتا جنگیز کے
شکر پر شہاب ثاقب کی طرح گرا۔

جنگیز خود بھی چونکا رہا تھا، اور اس کے سپاہی بھی غفلت کو اپنے پاس نہیں
آنے دیتے تھے، لیکن آج عین غفلت کے عالم میں جلال الدین خوارزم شاہ اپنے
دلاور رفیقوں کیساتھ اس طرح ٹوٹ کر گرا، کہ دائمی لوگ دسویں کے یہ کیا ہو رہے۔

جلال الدین اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ جنگیز کے لشکر پر گرا اور جس
طرح شیر پانی کے دھارے کو کاٹتا ہوا ناک کی سیدھ بڑھتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے، اسی

طرح جلال الدین بھی ناک کی سیدہ چنگیز کے لشکریوں کے خیموں میں قیامت برپا کرتا
 سپاہیوں کو کاٹا اور سانسے آنے والوں کی گردن قلع کر تا ہوا ایک سیل رواں کی طرح
 بڑھتا رہا یہاں تک کہ جس سرے سے چلا تھا اسے کاٹ کر دوسرے سرے پر پہنچ گیا
 اور یہاں سے برق غاصت کی طرح اپنی چک دکھا کر غزنی کے راستے پر ہولیا!

چنگیز کے لشکر میں اس سانے سے قیامت برپا ہو گئی، بہت سے لوگ زخمی ہو گئے
 بہت سے ہلاک ہو گئے، اندھیرے میں کسی کو پتہ نہ چل سکا، یہ کیا ہو رہا ہے، کون حملہ آور
 ہے دشمن کون ہے اور کدھر ہے، یہاں تک کہ جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز کے لشکر سے
 بہت دور نکل گیا، مگر چنگیز کے سپاہی خود آپس میں لڑنے لگے، اندھیرے میں جو سانے
 آیا اسے دشمن سمجھ کر دوا کو پیٹھے پہ نہ سمجھے کہ اپنا ہی آدمی ہے، اتنی دیر میں چنگیز خاں
 جاگ گیا، متن خاں بھی بیدار ہو گیا، لشکر کے دوسرے اہل اور سردار بھی خیر سے باہر نکل
 آئے فوراً روشنی کا حکم دیا گیا، تھوڑی دیر میں مسطعمین روشن ہو گئیں، اندھیرا غائب ہو گیا
 اور دشمن پھیل گئی

اب معلوم ہوا دشمن جا چکا ہے اور تاتاری خود آپس میں لڑ رہے ہیں، فوراً
 روانہ بند کی گئی، زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی، جو ہلاک ہو گئے تھے، انہیں کھانے لگایا
 گیا اور اسے قائم ہو گیا،

یہ کیا ہوا؟ — یہ کون تھا؟

متن خاں نے لڑتے ہوئے کہا

غلام بہت جلد تحقیق احوال کر کے عالم پناہ کو مطلع کرے گا۔۔۔

چنگیز: کیا چنگیز کی اس سے بڑی توہین ہو سکتی ہے؟

متن خاں گردن بھجوائے مجرم کی طرح کھڑدار ہا کچھ جواب نہ دے سکا
 چیگر خاں: ہیں جلد از جلد معلوم ہونا چاہیے، یہ جرات کس کی تھی؟
 یہ معلوم کر لیں تب ہی ہم قدم آگے قدم بڑھا سکتے ہیں۔

متن خاں: غلام کو صرف چند گھنٹوں کی جہلت ہو، پھر سارا سراخ لگا جائیگا!
 چیگر خاں: جہلت دی جاتی ہے۔ آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے ہی
 جیس حقیقت حال معلوم ہو جاتی ہے!

متن خاں: آقاے نامدار! آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے یہ کام انجام دے
 ڈالے گا۔

متن خاں اس عجیب و غریب بشن سہا سراخ لگانے اپنے جان نثاروں کے
 ساتھ روانہ ہو گیا، اڑ چیگر خاں اندر دگی، حیرت اور اضمحلال کے عالم میں اپنے
 غیر کے اندر بیٹھ گیا، اس کی زندگی میں کبھی اس طرح کا واقعہ نہیں پیش آیا تھا، وہ
 سوچ رہا تھا کہ یہ کون دشمن ہے جو میرے گھر آیا، در میرے منہ پر طمانچہ مار کر نکل دیا گا
 لیکن وہ جہاں بھی ہو گا، میں کجی بن کر پیچوں گا اور اس کے نخل حیات
 کو جلا کر راکھ کر دوں گا!

راکھ کا ڈھیر

چنگیز کی آنکھوں سے شراب نکل رہے تھے۔ اس کا چہرہ لال بھبھو کا ہو رہا تھا اس کا جوڑ جوڑ کانپ رہا تھا۔ جب سے وہ پیدا ہوا تھا آج تک اتنا بڑا دھوپ کا اسے نہیں لگا تھا جبکہ اس نے ہوش سنبھالا تھا اب تک کسی نے اتنا بھر پور دار نہیں کیا تھا اس پر جب سے وہ برسر اقتدار آیا تھا آج تک کسی بڑے سے بڑے تاجدار اور شہنشاہ نے بھی یہ جرات نہیں کی تھی کہ اس طرح اس کے منہ میں کالک لگا کر چلا جاتا یہ اس کی سب سے بڑی توہین تھی۔ یہ ایسا دماغ تھا جو کسی حالت میں اور بھی ذرا مرش نہیں ہو سکتا تھا وہ مار دم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھارہا تھا اور ٹہل رہا تھا، سانسے متن خاں کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا!

چنگیز خاں نے ہاتھی کی طرح دھواڑتے اور شیر کی طرح گرجتے ہوئے کہا
 تو یہ حرکت جلال الدین خوارزم شاہ کی تھی؟
 متن خاں نے کانپ کر عرض کیا،

عاجیہ! اسی کی۔۔۔ اس نے بڑی ناروا جبارت کا مظاہرہ کیا ہے

اور اس کی سزا اسے ضرور ملنی چاہیے!
 چنگیز خاں: ہاں ملے گی..... صرف اسی کو نہیں اس کی قوم کو بھی اس کے وطن
 کو بھی اس کے شہر کو بھی..... ایسی عبرت انگیز سزا ملے گی
 کہ یہ لوگ پشتوں تک یاد کریں گے چنگیز کا انتقام کیا ہوتا ہے کیا
 ہوتا ہے!

ممن خاں: بے شک یاد کریں گے اور سر پر دم بکھڑ کر دیں گے، انہی حالت
 عبرت انگیز ہو گا!

چنگیز خاں: میں انہیں بتاؤں گا، انتقام کس طرح لیا جاتا ہے۔
 ممن خاں: علیجاہ اس کام میں دیر نہ مہونی چاہیے، خوارزم شاہ غزنوی کی طرف
 گیا ہے..... کیا ہم اسی طرف کوچ کریں گے؟
 چنگیز خاں: (گرج کر) نہیں...

ممن خاں پھر کانپ گیا، کچھ نہ کہہ سکا!
 چنگیز خاں نے پھر بڑے زور سے کہا۔
 ہم خوارزم کی طرف کوچ کریں گے! — خوارزم کی طرف!
 ممن خاں: بہت خوب — ہم خوارزم کی طرف کوچ کریں گے۔ خوارزم کی
 طرف!
 چنگیز خاں: لیکن کب —؟

یہی خوارزم، راجا کی حیوانیت کا تعلق ہے اور اس کے ذریعے ہے۔

ممن خاں : جب حکم عالی ہو !

چنگیز : آج ۔۔۔ ابھی ۔۔۔ اسی وقت !

ممن خاں : میرے آقا ہم اسی وقت چلیں گے !

چنگیز خاں : بس تو میں تیار ہو کر باہر نکلتا ہوں ۔۔۔ تم جاؤ !

ممن خاں باہر چلا گیا چنگیز نے اسطو جنگ راجہم کے اور غور پی ویر میں ہی تیار ہو کر باہر آگیا گھوڑوں جو سارو سالوں سے آراستہ تھا بچہ کے دروازے پر کھڑا اپنے سوار کا کھڑا انتظار کر رہا تھا وہ اچک کر اس پر بیٹھا اتنی دیر میں ایک گھوڑے پر سوار ممن خاں بھی آگیا ممن خاں کیسا کھٹا اور کھٹا بہت سے سرداران لشکر تھے چنگیز کسی سے مخفی نہ تھا سب پر ایک نظر ڈالی گھوڑے کو ایڑ تباہی اور خوارزم کی طرف روانہ ہو گیا اسے روانہ ہوتے دیکھ کر دوسرے امراتے فوج نے اور ان کی پیروی میں تمام سواروں نے اپنے گھوڑے ڈال دیئے اور یہ لشکر بڑے جاہ و جلال اور تڑکی و احتشام کے ساتھ خوارزم کی طرف ایک سین بلا کی صورت میں روانہ ہو گیا !

خوارزم پر علاء الدین کا بھائی قطب الدین حکمرانی کر رہا تھا وہ حقیقت اسی کے طرز عمل کے باعث حول الدین کو خوارزم سے رحمت سمباندھ چلا گیا تھا وہ ہرگز اس پر آمادہ نہیں تھا کہ اپنے بھائی سے لڑے اپنے بھائی کا خون بہائے اپنے ہم قوموں سے منکر کرادے قطب الدین اذلاق بڑے تدبیر حکمران تھا اس میں نہ حوصلہ تھا نہ سنگ نہ جوش نہ دلول نہ ہمت نہ تدبیر نہ فراست نہ دانش نہ بصیرت نہ تدبیر اسے صرف ایک ہی بات کی فکر تھی کیسی طرح عناق حکومت لاکھ میں آجائے !

اسے نہ چنگیز کا خطرہ تھا، نہ تاتاریوں سے دہشت، وہ کہا کرتا تھا،
 تو لوگ اپنے سے زیادہ مقتدر لوگوں سے لڑتے ہیں، وہ احمق ہوتے ہیں، جلال الدین
 احمق ہے جو تاتاریوں سے لڑنے کے خواب دیکھتا ہے، مجھ سے اول تو چنگیز خاں سے
 لڑائی ہونے ہی کی نہیں کیونکہ تائی دونوں ہاتھوں نے کھینچ لیے، جب میں روٹنا نہیں چاہتا
 تو چنگیز کیوں لڑنے لگا۔ اور اگر کھیر لے لی وہ لڑنے پر آمادہ ہوا تو میں اس کی ہر سیر
 کو ششی مان لوں گا، فوراً سارا جھگڑا ختم ہو جائے!

اور جب چنگیز کا لشکر خوارزم کی شہر پناہ کے پاس پہنچ گیا قطب الدین
 اذلاح کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ ذرا بھی ہراساں یا پریشان نہیں ہوا اس نے
 اپنے وزیر بختیار کو بلا یا اور اس سے کہا۔

”جاو! ہماری طرف سے چنگیز سے ملو اسے اطمینان دلاؤ کہ ہم ہرگز اس سے
 لڑنا نہیں چاہتے ہم اس سے دوستی کے طالب ہیں ہم اس کی جہاں داری کریں گے
 اس کی خاطر داشت کریں گے، اس کی خدمت میں کیسے از پیش کریں گے اسکی جناب
 میں مخالف نامورہ پیش کریں گے۔ اور یہ سب ہر سال کرتے رہیں گے وہ عورت
 کھائے تحائف لے، اور چلو جائے!
 بختیار بھی

وزیرے جنس شہر یار سے چلا

کا مصداق تھا، وہ فوراً راہی ہو گیا اور ایک گھر پر سفید جھنڈا اس کا لہراتا
 ہوا چنگیز کے لشکر میں پہنچا وہاں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا متن خاں نے اسے فوراً چنگیز
 کے خیمہ میں پہنچایا، جو جو باتیں اس نے قطب الدین اذلاح سے کہی تھیں

سب سے بڑی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ اس کے سامنے ”دہرائیں، وہ
خود اور تو جسے بختیار کی باتیں سننا رہا اور عین اس وقت جب بختیار توجہ کر رہا
تھا کہ اب وہ غفلت نافرمانی سے نوازا جائے گا۔ وہ اپنے بادشاہ کی خدمت میں اس صلیح
کی خوشخبری لے کر روانہ ہو گا۔ چنگیز نے بلند آواز سے کہا،
”ہم قلب الدین کا سر چاہتے ہیں..... اگر تم خود زندہ رہنا چاہتے ہو
تو جاؤ اس کا سر نکالت کر ہمارے حضور میں پیش کر دو!
” سستے ہی بختیار کے سوا سس جاتے رہے... اس نے کانپتی ہوئی
آواز میں کہا۔

”میں اپنے بادشاہ کی آپ کا پیغام پہنچا دیں گا!
چنگیز خاں اٹھ کھڑا ہوا۔
”جاؤ۔“

بختیار لرزاں دڑساں واپس آیا، قطب الدین کے انتظار میں ماہی بے
آب کی طرح ٹرپ رہا تھا اسے دیکھتے ہی لپکا اور پوچھا،
”کہو کیا خبر لائے؟
بختیار نے کہا

”وہ آپ کا سر چاہتا ہے..... اس سے کم پر صلح نہیں ہو سکتی!“
اور پھر اس نے ساری روایا و اذال تاخو سنائی دی
یہ خوف توجہ باتیں سن کر قطب الدین گھر گیا، اس نے کہا
”کیم جاؤ اب اور کہو قطب الدین آپ کا خادم ہے، وہ آپ کے حق میں

باوٹا بہت سے دستبردار ہوتا ہے، تشریف لائے اور شہر پر قبضہ کر لیجئے
صرف اس کی جان بخشی کر دیجئے، وہ کہیں بھی نکل جائے گا..... جاؤ بختیار
ہر قیمت پر اس سے امان طلب کرو تم خود کہہ چکے ہو اس کا لشکر جد سوار سے
خارج ہے — ہم اس سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکیں گے؟

بختیار پھر اچھی بن کر پہنچا اور اس نے چنگیز کے حصنوں میں پہنچنے کے
بعد پھر ساری رام کہلی کہہ سنائی، آخر میں اپنی اور قطب الدین کی طرف سے کہا
”اہل شہر آپ کا استقبال کرنے کو بے تاب ہو رہے ہیں، آپ کب تشریف
لائیں گے کہ وہ اپنی حسرت بید پوری کریں؟“

چنگیز خلاف عادت سکرایا،
”تم چلو، ہم آتے ہیں“

بختیار خوشی خوشی ازلاق کے پاس واپس آیا اور کہا
”بڑی مشکل سے چنگیز نے یہ بات مانی ہے..... مشکوے آب کی جانی
بچ گئی اب وہ اپنے لشکر سمیت شہر میں آ رہا ہے اس کے استقبال کا انتظام کیجئے۔“
قطب الدین ازلاق یہ مزہ جانتا تھا اس کو خوش ہو گیا، فوراً چنگیز کے استقبال
کی تیاریاں ہونے لگیں، تھوڑی دیر میں ہر طرف سے آہ و بکا اور فریاد الغیث کے
نعرے بلند ہونے لگے، ازلاق گھر گیا۔ اس نے بختیار سے پوچھا۔
”یہ کیا ہو رہا ہے؟ —“

بختیار باہر آ گیا اور تھوڑی دیر میں آ کر خبر دی کہ چنگیز آیا۔
یہ سنکر ازلاق کے حواس جاتے رہے۔ وہ شہر والوں کو تم و اہل بھول گیا

پیشوائی کے لئے محل کے دروازے تک اپنے خدمتہم کے ساتھ پہنچی جینگر نے
میدان سے تلوار نکال کر ایک ہی وار میں اڑاتی کاخاتمہ کر دیا۔ اس کے ساتھ جو اسکے
مصاحب اور اہل خانہ تھے، انہیں بھی بے تحاشہ لگیا۔ پھر سارے شہر میں پوری سفاکی کے ساتھ
اس کے سپاہیوں نے کاٹ مار شروع کر دی، خوارزم بڑا وسیع شہر تھا
آبادی بہت گنت تھی، ہر محلہ ایک مستقل سبئی کا حکم رکھتا تھا۔ خوارزم کے باشندوں
نے یہ دست درازی دیکھ کر مقابلہ کرنا چاہا، تاہم تاری جلتے ہوئے تو تھے ہی سارے شہر
میں آگ لگا دی۔ بہت سے محلے جل کر راکھ کے ڈھیر بن گئے، تانہ تاریلوں نے
ایک ایک محلہ پر دھاوا بولا۔ سارے شہر پر قبضہ کر لیا، آبادی کو فصیل سے باہر
لے جا کر ایک وسیع اور کشادہ میدان میں جمع کیا، ایک لاکھ اہل خوارزم کو تانہ تار بچنے
کے لئے چھانت کر باقی آدمیوں کو فوج میں تقسیم کر دیا۔ شہر کی ایک ایک چیز لوٹ لی۔

یہ ساری تفصیل تاریخی ہے۔

شہر یوزرخ ابن اثیر نے تباہی کی ایک دوسری داستان لکھی ہے
تانہ تاریلوں نے شہر فتح کرنے کے بعد مذکور جس کے ذریعہ شہر میں پانی آتا تھا کھ
دیا اور ساری آبادی کو شہر کے غرق آب ہو گیا۔

چنگیز کے لشکر پر شب خون کے سلسلے میں ان کی تعداد — بہت مختصر تھی —
لیکن کم ہو گئی تھی، اور اب بھی ہوتی تو کیا یہ ایک ہزار مردان خدا ہمیشہ چنگیز کے لشکر
کا مقابلہ کر سکتے تھے؟

ناممکن! —

ضرورت تھی کہ یہاں حالات ایسے پیدا کئے جائیں کہ اگر چنگیز اصرار کر دے
تو منہ کی کھائے، لیکن کیونکر؟ — کیسے؟ — کس طرح؟
جلال الدین اسی فکر میں حیران و پریشان، ہنرمند و دل گرفتہ بیٹھا تھا، کچھ
دور درباری بھی موجود تھے۔ متین الدین کجی حامدین میں مشاغل تھا!

جلال الدین نے کہا

۔ ہم یہاں آ گئے — لیکن اب؟

ایک درباری نے عرض کیا

۔ جہاں پناہ یہاں پہنچ گئے، عوام نے خیر مقدم کیا خواص نے ترانے گائے

نئی حکومت قائم ہو گئی —

جلال الدین خوارزم شاہ: لیکن میں نئی حکومت قائم کرنے نہیں آیا ہوں، میں
اس لئے آیا ہوں کہ وہ مسائل مہیا کر دوں کہ چنگیز کا منہ توڑ سکوں اسکا
سر پر غرور جھکا سکوں! — یہ میرا مقصد نئی حکومت قائم
کرنا نہیں۔

وہی درباری بولا،

۔ چنگیز اذہر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا!

جلال الدین بھر گیا
کیوں نہیں آسکتا؟ کیا اس کے پاؤں میں بندی لگی ہے؟
معین الدین نے کہا

۔ اسے کیا معلوم ہم کہاں ہیں؟

جلال الدین: اس کا نغام جاسوسی بہت کم ہے، ضرور معلوم ہو چکا ہوگا، شب خون
کس نے مارا تھا اور وہ کہاں گیا

معین الدین: پھر کبھی اسے آتے آتے یہاں دیر لگے گی

خوارزم شاہ: کیوں گے گی؟ اسے تیار رہنا تو کرنی نہیں ہے، اس کا
شکر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو، وہ اس کا انتظار ہی نہیں کرے گا
ہم لنگر لنگر ت کس کو تیار ہو لیں تب وہ آئے وہ تو ہماری
کمزوری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے ہم ایک
چھپو کاغذ اور وہ وار کر گزرتے، ایسے دشمن کے بارے میں تم کہے ہو یہاں
آنے میں اسے دیر لگے گی حسن ظن کی انتہا ہے!

معین الدین: تو پھر ہمیں جتنی تیاریاں ضرور کرنی چاہیے؟

خوارزم شاہ: ضرور ایک لمحہ کا توقف کے بغیر لیکن وہ تیاریاں کیا ہیں جنہیں ہم
ایکجا دیں گے؟ روپیہ ہمارے پاس نہیں، سامان جنگ سے ہم

محروم سپاہیوں کی تعداد ہمارے پاس قدرے قلیل!

اب ہم ان چیزوں کو کس طرح بڑھائیں؟

ایک اور درباری بول اٹھا،

رعایا پر ٹیکس لگا کر !

خوارزم نے جھڑپ دیا،

رعایا دیے ہی پریشان ہے، اس وقت ٹیکس لگانے کے معنی یہ ہیں کہ اسے

لوٹا جائے، اور میں اس کے لئے تیار نہیں کہ لوگ مجھے لیڑا کہیں !

معین الدین : تو جہاں پناہ پھر ہم اس بے سرو سامانی اور عزت کے عالم میں کیا کر سکتے ہیں ؟

خوارزم شاہ : یہی میں بھی سوچ رہا ہوں آج ایک بات فائقہ نے ایسی

کہی جو ہمیں بہت پسند آئی، ہم چاہتے ہیں اسی پر عمل کریں۔

معین الدین : وہ کون سی بات جہاں پناہ ؟

خوارزم شاہ : میں غول وافر وہ دیکھ کر اس نے سبب دریافت کیا، بجائے کیا بات

تھی کہ ہم نے اپنی ساری پریشانی اس سے کھدی، آدمی حیب نیا وہ پریشان

بہت لمبے قودہ ہر شخص کو شریک مشورہ بنا لیتا ہے —

معین الدین : کجا ارشاد ہو اچھا پناہ !

خوارزم شاہ : اس نے ہمیں مشورہ دیا کہ ہم خلیفہ المسلمین کی خدمت میں سفار

بھیجیں

معین الدین : لیکن اس سے حاصل — ؟

خوارزم شاہ : اور خلیفہ المسلمین سے استدعا کریں کہ وہ جنگ کے خطرہ کو محسوس کریں

اس کی اہمیت اور واقفیت کو نظر انداز نہ کریں، چھوٹی چھوٹی اسلامی

حکومتوں کو ختم کر کے وہ فرد بردار کی طرف رخ کرے گا !

مسین الدین بیکجا ارشاد ہوا۔

خوارزم شاہ: وہ کہتے تھے اگر خلیفہ المسلمین اسے محسوس کر لیں ہماری سرپرستی کریں
ہماری مدد کریں تو اس سے ہمیں بڑی مدد ملے گی۔ بڑا سہارا ملے گا۔
کیا غلط کہا اس نے؟

مسین الدین: بہت صحیح کہا جہاں پناہ..... واقعی بڑی اچھی اور قابلِ عوذ گنجینہ
ہے۔

خوارزم شاہ: عوذ تو ہم نے کر لیا۔
مسین الدین: تو ارشاد ہو تاکہ اس کی تعمیل کی جائے!
خوارزم شاہ: ہم وہاں جلد از جلد اپنی صفات کی بجائے چاہتے ہیں۔ کیا تم
جانے کے لئے تیار ہو؟

مسین الدین: غلاموں سے مشورہ نہیں کیا جاتا، نہیں حکم دیا جاتا ہے اور سرِ دھم کی باری
نہ کہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

خوارزم شاہ: میں تمہاری دفا داری پر ناز ہے۔ تمہارے اخلاص کی قدر ہے، تمہاری
جان نثاری پر کھردرے؟

مسین الدین: مذہبِ دروہی ہے آقائے عالم پناہ کی!

خوارزم شاہ: تو کب رخصت سفر باندھے گا ادا ہے؟

مسین الدین: جب ارشاد ہو۔ اگر مناسب نہ ہو تو کبھی سہی

خوارزم شاہ: ہاں ہم یہی چاہتے ہیں!

یہ کہہ کر خوارزم شاہ نے مجلسِ برخاستہ کردی پھر اس خیمہ میں پہنچا جو

اس کے آرام کہہ کام دیتا تھا، یہاں خائفہ موجود تھی اپنے آقا کو آنا دیکھ کر وہ ہر قدر
 کھڑی ہو گئی خوار دم نے اسے التفات کی نظروں سے دیکھا اور کہا
 - خائفہ ہم نے تمہارے مشورہ پر غور کیا اور اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے !
 خائفہ پھول کی طرح کھل گئی اس نے اپنے مسرت کو اچھپاتے ہوئے عرض کیا
 - وہ کون سا مشورہ تھا عالم پناہ کنیز کو تو یاد بھی نہیں !
 جلال الدین - ذہانت کے ساتھ بدحواسی عجیب بات ہے !
 کیا تم نے ہمیں صلاح نہیں دی تھی کہ خلیفہ المسلمین کی خدمت میں ہم اچھی
 سفارت بھیجیں۔

خائفہ - یاد آگیا، عالم پناہ کنیز نے یہ عرض کیا تھا !
 جلال الدین - سلی صبح باری سفارت بجا دو جا رہی ہے !
 خائفہ - کاش اس سفارت میں کنیز بھی جا سکتی — میں خلیفہ المسلمین
 کو بتاتی کہ وہ کیا کر رہے ہیں، اور کی کرنا چاہیے !
 جلال الدین - (مسکرا کر) نہیں تمہیں جانے کی ضرورت نہیں، تم یہیں رہ کر ہمیں اچھے
 اچھے مشورے دے سکتی ہو !

شبِ غم

اے شبِ غم تری سحر بھی ہے ؟

(۱)

ہذا پر نامہ امیر الدین اللہ کا پرچم شانِ شکوہ کے ساتھ اہلِ ارباب تھا، اگرچہ
ہارِ دنِ ارشد اور مامون ارشد اور معتمد کا یہ جانشین اس ہیبت اور حلالِ کوشکھ کا
تھا جس نے قیصرِ دم کو لرزہ بر اندام کر رکھا تھا۔ اگرچہ وہ دہرہ اور طفلِ رخصت ہو گیا
تھا جس نے سارے مشرق پر خلافتِ عباسیہ کی دھاک بٹھا رکھی تھی، اگرچہ وہ دمِ غمِ معتمد
ہو چکا تھا، جس کا تصور کبھی دشمنوں پر ہیبت اور ہراس طاری کر دیتا تھا، پھر بھی خلافت
عباسیہ کی سطوت اور جلالتِ کام کو یہی تھی، ابھی تک خاندانِ جنگیوں، سازشوں اور
مشرائوں کے باوجود بھرم قائم تھا، ترکی غلاموں کی سرکشی، بغضِ طاقتِ اسلامی حکومت
کی مداخلت، اور سربراہی، نیز اقتدار و تسلط کے باوجود خلیفہ کی ذات اب تک مزاح
نام تھی اور خلافت کا وجود، خلیفہ کی ذات اب تک، دستوں کیلے مایہ نشین اور
دشمنوں کیلے موجبِ لالہ لعل تھی، درختِ اندر سے کھوکھلا ہوا تھا، اس کا اندازہ یہودی

کو تھا۔ لیکن ہانگی کھوکھلا ہو چکا ہے۔ آتا رہا اور شواہد کے باوجود اسے ماننے کے لئے
بڑے بڑے طاقت ور حریف بھی تیار نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ ہر طرح کی کمزوری اور
نااہلیوں کے باوجود نہ خلافت کی ساکھ میں فرق آیا تھا نہ خلیفہ کے اعزاز میں کمی
ہوئی تھی۔

بد قسمتی کی ایک اور بات یہ تھی کہ عباسی خاندان میں اسب کوئی ایسا مرد کار بھی
نہیں نظر آتا تھا جو اپنی بہت اور صلاحیت سے کام لیکر فتون کو کچلتا۔ حالات پر قابو
پاتا اور ملت کے ڈرنگے لئے سب سے سفید کو سامعین مقصد کی طرف رباں دہاں لے جاسکتی
امیر المومنین کی حرم سرانگہ پایوں عیش پرستیوں کا مرکز تھی اور دربار سازشوں اور
جوڑ توڑ کے لئے وقف تھا۔ حرم سر اس ناؤ نوش اور چنگ و رباب اور رقص و سرود کی
محفلیں پر ہر ہوتی عین اذیت کے عالم کی حسین و جمیل طرح دار سیمین کیزوں کا جھرمٹ تھا۔
دن عید تھا اور رات شب بارات نہ اس سے عرض تھی کہ حکام و عمال اور عوام کے دریا
کیسی علیخ روز پیدا ہوتی جاتی ہے۔ نہ ہار دن الرشید کی سی وہ ابوالاعز می اور خرم شہابی
تھی کہ رات کی تاریکی میں خلیفہ بھیس بدل کر باہر نکلے اور قوم کے ظاہر و باطن کا مطالعہ کرے
ویر چش تھا کہ عدد و مملکت میں تو سچ ہو، گاہ اللہ کی سر بند یوں کے لئے کام
کیا جائے۔ دشمنوں کا اس لحظہ کے ساتھ مقابلہ کیا جائے کہ ان کا پتہ پانی ہو جائے
نہ وہ تیر بھٹا کہ بگڑے ہوئے حالات باتوں باتوں میں سدھار لئے جائیں خلوت کی
محفلیں نیند کے دور اور کثیر ان ہاشکین کے جھرمٹ لئے اس قابل ہی نہ رکھا تھا کہ عیش کے
موا کسے اور چیز پر غور کیا جائے

دربار کا حال سب سے اتر چکا تھا !
یوں تو بڑے بڑے امراء تھے ، حکام عالی مقام تھے ، وزیر اسے علی المرتبت تھے
دولت کی فراوانی تھی ، اتنا زر کا دبیہ تھا ، سب کچھ تھا لیکن دربار میں اب ٹی ا در
بین الملکی معاملات و مسائل پر اس سنجیدگی اور ہم آہنگی سے غور نہیں ہوتا تھا جس
سنجیدگی اور ہم آہنگی سے نشاط و طرب کے پروگرام بنتے تھے ۔

ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی آکھیں مینی تھیں ! —
باہمی جوڑ لوڑ ، سازش اور سرگمی کار کی ساری قوت صرف اس بات پر
صرف ہوتی تھی کہ اسے کس طرح امیر المومنین کی نظروں سے گرایا جائے اسے کیونکر
امیر المومنین کا مستحب خاص بنادیا جائے ،

شاعر اور سردار دونوں کا کھن ایک کردہ موجد و قفا ہر
اس کردہ کی زندگی کا مقصد صرف یہ تھا کہ خلیفہ اور شاہ نژادوں کو جہاں تک
ہو سکے امور مملکت سے سب سے خبردار اور عنایت میں منہمک رکھا جائے ! —

کیونکہ بنبر اس کے نہ جاگیریں مل سکتی تھیں نہ سیم و زر سے بھری ہوئی بھتیباں
بخشنی جاسکتی تھیں ، خوش الامام اور زکھال لونڈیاں عیش و عشرت کیلئے تحفے کے
طور پر حاصل کی جاسکتی تھیں جو علیلہ حبتا زیادہ امور مملکت سے غافل اور
امور طرب سے شاغل رہتا تھا ، یہ دل سے اس کی درازی عمر و اقبال کی دعائیں مانگتے
تھے ۔ اپنی ساری فن کاری ، اس کی شان میں جھوٹے لیکن پر زور قصیدے لکھنے
میں صرف کر دیتے تھے ، اور بار کے حکیم و امرا اور امرا درجی ان کی حوصلہ افزائی کرتے
تھے انہیں شہ میٹے تھے اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ ہر تے تھے ، بلکہ اگر موخ ہو تو اپنی

جیب خاص سے بھی سر پرستی اور مدد کے طور پر زر سرخ کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔
 ناصر الدین اللہ میں جتنی ذاتی صلاحیتیں اور اہلیتیں تھیں وہ ان صلاحیتوں نے
 غارت کر کے رکھ دی تھیں وہ اپنے اقتدار اور اپنے آرام کے سوا کسی مسئلہ پر سنجیدگی
 سے غور نہیں کرتا تھا، مصاحبوں اور خوشامخوروں نے اس کی اس عادت میں اور
 بے پرواہی سے استحکام پیدا کر دیا تھا، وہ اپنی لائے سے بہت کم کام لیتا تھا، دوسروں کی
 رائے کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتا تھا جس نے اپنی زندگی دوسروں کے رحم
 و کرم پر ڈال دی ہو۔ وہ کس طرح خود رائے سے کام لے کر اپنی خودی کو بیدار اور خود
 شناسی کو مستحکم کر سکتا ہے:

جلال الدین خوارزم شاہ کی سفارت معین الدین کی سرکردگی میں بغداد پہنچا
 چکی تھی۔ لیکن اب تک اسے شرف باریابی نہیں حاصل ہوا تھا،
 یہ عام معمول تھا کہ ممالک غیر سے جو سفر حاضر ہوتے تھے انہیں دوبارہ ملاقات
 میں کئی کئی ماہ بعد بعد اوقات سال سال و دو دو سال بعد حاضری کی اجازت ملتی تھی
 تاکہ وہ وہ حکومت کے دربار سے زیادہ سے زیادہ متاثر اور مرعوب ہو جائیں، پھر جب
 انہیں حاضری کا موقع ملتا تھا تو اس مرحلہ پر اس شان سے جو حجب سائنس ہوتی تھی،
 اس شان سے امیر المومنین کا عہدہ سن لکھتا تھا اس شان سے دربار میں تشریف فرما
 ہوتے تھے ایسے پر تکلف طریقہ دربار کو سمجھایا جاتا تھا اور ہنود سائنس کے ایسے بے ہوش بانٹھات
 رد یہ پالیسی کی طرح بہا کر کے جاتے تھے کہ جب سیڑ اپنی آنکھوں سے جاہ و جلال
 اور کار و فرمایہ منظر دیکھتا تھا تو دل میں قائم ہو جاتا تھا کہ اپنی دنیا کے

کے پر وہ پر ایسی باجرت، طاقت ور اور عظیم حکومت نہیں :
 ہی ساری باتیں اب جلال الدین خوارزم شاہ کی سفارت میں بھی پیش نظر تھیں،
 خوارزم شاہ کی سفارت آچکی تھی،
 لیکن مصالحوں پرستوں نے اب تک اسے حاضر و ہاد ہوئے کی اجازت نہیں دی تھی !
 بلکہ خلیفہ کے حلم و اطلاع میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ خوارزم شاہ کی
 کوئی سفارت بغداد پہنچ چکی ہے !

(۲)

ایک روز خلیفہ محبس شبنہ کی تیاریاں کر رہا تھا کہ اطلاع ملی، وزیر اعظم اس وقت
 شرف باریابی حاصل کرنے کا مستحق ہے !
 خلیفہ کو تعجب تو ہوا لیکن اس نے اجازت دے دی، خود انہی وزیر اعظم حاضر ہوا،
 خلیفہ نے پوچھا،

خلیفہ بصرہ کیوں خیریت تو ہے ؟ ————— موت تم کیسے آئے ؟
 وزیر اعظم امیر المومنین جلال الدین خوارزم شاہ کی ایک سفارت عمرہ سے حاضر ہے
 اور شرفِ حضور حاصل کرنے کی تمنا کر رہی ہے، یہ اب تک
 تو ثابت رہا لیکن خوارزم کے سیر نے آج یہ تک کہہ دیا کہ اگر اسے خلیفہ
 کی خدمت میں فوراً نہ پیش کیا گیا تو..... ؟

خلیفہ ناصر، تو کیا ؟ — — — کی خوارزم شاہ کا سیفر نہیں جانتا تو ہمارے
 دربار میں حاضر ہونے کے آداب و مشراط کیا ہیں ؟
 وزیر اعظم، جانتا ہے، لیکن حالات کچھ ایسے ہیں کہ اسے وہ صبر نہیں کر سکتا۔

بلکہ وہ تو یہ کہہ رہا تھا کہ اب کی تجو کو بعد نماز وہ امیر المومنین کا دامن پکڑ کر
کھڑا ہو جلتے گا !

خلیفہ ناصرؒ آخر وہ ایسے کیا حالات میں کہ سفیر کی بیفزاری اور انہی بیتابی بڑھی ہوئی
ہے ؟

وزیر اعظمؒ بات یہ ہے امیر المومنین کہ —

خلیفہؒ : ہاں کہتے کیوں نہیں ؟

وزیر اعظمؒ : بات یہ ہے امیر المومنین کہ

حب و یار خجنتوں نے توحید ایاد آیا

یہ کہہ کر وزیر اعظمؒ نے ہونٹ دانٹوں سے دبائے ہنسی ضبط کرنا
مشکل ہو رہی تھی۔

خلیفہ ناصرؒ : یہ تم نے ایسی بات کہی ہے جو تشریح طلب ہے ، بتاؤ تم کی کہنا چاہتے
ہو :

وزیر اعظمؒ : تاتاریوں نے خوارزم شاہ کو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا کر دیا

ہے ؟

خلیفہ ناصرؒ : میں معلوم ہوا تھا ، چنگیز کسی بات پر خوارزم شاہ سے بگڑ گیا ہے ا
وزیر اعظمؒ : اور پھر چنگیز پھر ایسے تار مار رہے تھے کہ اسی علم میں علاء الدین خوارزم شاہ
مر گیا ، اب اس کے فرزند ارجمند جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز خاں سے لہجہ
رہے ہیں۔

خلیفہ ناصرؒ : لیکن میں تو یہ بتایا گیا تھا کہ علاء الدین کے بعد تخت حکومت قطب الدین

وزیر اعظم: بالکل یہی بات ہے سلطان عالم پناہ! — خوارزم شاہ خود اس سے بھڑا تھا!
خلیفہ ناصر: تو اب اپنی حماقتوں کا خمیازہ بھگت رہا ہے — ہر حال وہ ہم سے
کیا چاہتا ہے؟

وزیر اعظم: ادا — وہ چاہتا ہے خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین اسکی امداد
فرمائیں

خلیفہ ناصر: میں خوارزم شاہ سے ہمدردی ہے —
وزیر اعظم: جب امیر المومنین کو اس سے ہمدردی ہے تو ہم خدام بارگاہ کو کبھی بے پھر
ہر مسلمان کو ہے!

خلیفہ ناصر: ہونی چاہیئے، ضرور ہونی چاہیئے!
وزیر اعظم: لیکن قبل اس کے کہ یہ ہمدردی عملی جامہ پہن، مسئلہ کے بعض پہلو ایسے ہیں کہ
ان پر ضرور غور کر لینا چاہیئے، ورنہ نتائج خطرناک ہوں گے۔

خلیفہ ناصر: شاید تم چاہتے ہو کہ ہم خوارزم شاہ کی مدد نہ کریں!
وزیر اعظم: میں وہی چاہتا ہوں جو امیر المومنین کی مرضی ہو، لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں
کہ حقائق سے امیر المومنین کو باخبر کر دوں!
خلیفہ ناصر: تمہیں اجازت ہے — کہو!

وزیر اعظم: پہلی بات تیرے لیے ہے کہ خوارزم شاہ ہمارا دوست نہیں ہے، کبھی لکھی نہیں
تھا۔ اس خاندان کے ہاتھوں خلافت عباسیہ کے تار کو صدمہ پہونچ چکا
ہے — یہی خاندان تھا جس کے ہاتھوں خلافت عباسیہ کے
اقتدار پر بھی کاری ضرب لگ چکی ہے۔

خليفة ناصر: ہاں..... باغی کی تلخ یاد میں ہمارے دماغ پر بھی ابھر رہی ہیں اور
ان تلخ یادوں کے ساتھ کٹنا کٹش، کشمکش، محنت، قومیت، اقتدار، یہ
سب باتیں یاد آ رہی ہیں اور انہیں یاد کر کے جاری، طبیعت منحصر ہو
رہی ہے،

وزیر اعظم: بھارت بڑا — میں بھی یہی عرض کرنا چاہتا تھا.....
میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں ہم ایسے شخص کی مدد کریں جو خاندان خلافت کی
توہین کر چکا ہے، اقتدار، خلافت کو مجروح کر چکا ہے، قوت کے بن پر
خلافت عباسیہ کے معاملات میں مداخلت کر چکا ہے —
آج بلال الدین پر دنیا تنگ ہو رہی ہے وہ ہم سے امداد کا جویا ہے۔ لیکن
کئی جب مصائب کے یہ بال چھٹ جائیں گے وہ چنگ کی ٹکر سے آزاد ہو
جائے گا تو قوت و طاقت حاصل کرنے کے بعد کیا وہ ہمارے لئے ایک سنگین
ہوئی تواریخ جائے گا؟ کیا وہ ایک ایسے خطہ کی صورت نہیں اختیار کرے گا
جس کا ملنا، خرد کرنا اور بنانا ناممکن ہو جائے گا؟
کیا باغی کے تلخ، زردنا بال فراموشی و اوقات میں سبق نہیں دیتے؟ تب نہیں
کرتے؟

خليفة ناصر: ہاں تم ٹھیک کہتے ہو،

وزیر اعظم: بس میں یہی عرض کر رہا تھا!

خليفة ناصر: یہ تو ایک بات ہوئی، اور دوسری بات؟ —

وزیر اعظم: دوسری بات یہ کہ چنگ ایک وحشی اور درندہ صفت فرماں روا ہے

دجانبے کس طرح اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ وہ خاؤں کا
 خان یعنی خاقان رہے
 وہ خدا کو نہیں مانتا۔ لیکن کہتا ہے جس طرح سورج ایک ہے، چاند ایک
 ہے اسی طرح ساری دنیا کا بادشاہ بھی ایک ہونا چاہئے!
 خلیفہ ناصر (سنگر) تو گویا نفسی بننے کی کوشش بھی کر رہے؟
 وزیر عظیم اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اٹھا اور دہریت کے باوجود خدا اس کی مدد بھی
 کر رہا ہے!

خلیفہ ناصر یہ کیسے جانتا تھا؟
 وزیر عظیم، چنگیز آج تک نہیں ہارا اس نے ہر مقابل کو شکست دی۔ اس کی قوت کا
 کوئی انتہا نہیں، اس کی فوج حد شمار سے خارج ہے اس کے اسلحہ جنگ
 اپنا جواب نہیں رکھتے، اس کے سپاہی اتنے ظالم، سفاک ہیں کہ وہ مغلوب
 مقبوح قوم کے اسیروں کا بے دردی سے خون بہاتے ہیں، اگر دین کا شے
 ہیں اور مسکراتے ہیں، عصمتیں ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، جان لیتے
 اور ٹھٹھکا دیتے ہیں، ان کے ظلم، سفاکی، شقاوت اور سنگ دلی کے تصور
 سے روج کا بچتی ہے۔ وہ دنیا میں تھر عہد اندہی کا نمود ہیں وہ اتنے خوں
 آلود ہیں کہ دنیا میں آج تک کوئی ایسا نہیں پیدا ہوا
 خلیفہ ناصر (مستوحش ہو کر) ہاں یہ سب ہم سن چکے ہیں،

نہ میر نے اپنی کتاب میں تفصیل سے یہ بات لکھی ہے۔

وزیر اعظم: امیر المومنین چنگیز کو طاقت و تازیانہ الہی کے نام پکار رہے ہیں۔
 خلیفہ ناصر: واقعی و تازیانہ الہی ہے، خدا اس کے شر سے ہر شخص کو محفوظ رکھے!
 وزیر اعظم: امیر المومنین اس کے شر سے محفوظ رہنے کی صرف ایک صورت ہے
 خلیفہ ناصر: (چونک کر) کیا۔۔۔؟

وزیر اعظم: یہ کہ ہم اسے نہ چھریں اسے دعوت پکار دیں، اس کے معاملات میں
 حصہ نہ لیں، اسے اس کے راستے چلنے دیں، پھر وہ بیشک ہمارے معاملات
 میں بھی دخل نہیں ہوگا۔

خلیفہ ناصر: لیکن اس کی ضمانت کیا ہے؟

وزیر اعظم: ہماری امن پسندی، ہماری شرافت، ہماری غیر جانبداری!
 خلیفہ ناصر: میں تمہاری رائے سے اتفاق ہے۔۔۔ واقعی ایسے درجہ صفت
 انسان سے الجھنا مناسب نہیں۔

وزیر اعظم: اور ظن اللہ کے شایان شان بھی نہیں!
 خلیفہ: تعجب کتے ہو، درست کہتے ہو تمہاری، اس بات کو حکم دے کہ اسے ہم
 متاثر ہوئے۔

وزیر اعظم: بھلا اللہ کی بندہ نوازی ہے، اگر کم گسٹری ہے، نوادش شاہ ہے
 خلیفہ ناصر: ہم یہ بھی سوچتے ہیں جس سے ہمیں اس میں نفرت ہے جس سے
 ہمارے ذہن و دل کو اذیت پہونچی اسکی مدد آخر ہم کریں بھی تو کیوں؟

لے دیکھو ہیرا دلیمب کی کتاب چنگیز

وزیر اعظم :- بجا ارشاد ہوا امیر المومنین !
خلیفہ ناصر :- تو پھر خوارزم شاہ کے سفیر کو کیوں ٹھہرا رکھا ہے، کیوں نہ اسے
رخصت کر دو !

وزیر اعظم :- نہیں امیر المومنین یہ بات آداب سفارت کے خلاف ہوگی !
خلیفہ :- تو تم چاہتے ہو ہم اس سے ملیں ؟ غلاقات کریں ؟ اسے عرض حال کا موقع
دیں ؟

وزیر اعظم :- امیر المومنین غلام کی بی بی راسے ہے ۔ اسی طرح آداب سفارت
قائم رہیں گے !

خلیفہ ناصر :- تو اسے اذن باریابی دو ۔ ہم خود اس سے گفتگو کریں گے
اور بتا دیں گے کہ وہ اس قابل نہیں کہ اس کی مدد کی جائے !

وزیر اعظم :- یہی مناسب تر صورت ہے امیر المومنین !
خلیفہ ناصر :- تم اسے اطلاع دے دو کہ دو شہنشاہ کے روز وہ حاضر دربار ہوں !
وزیر اعظم :- غلام اس حکم کی ابھی تعمیل کرے گا ظل اللہ !
خلیفہ ناصر :- اسے بتادو کہ ہمارے دربار کے آداب کیا ہیں ؟
وزیر اعظم :- اس حکم کی بھی فوری تعمیل ہوگی ظل اللہ !

(۳)

خلیفہ نے مسند پر بیٹھ بیٹھے پاؤں ٹھیکادے یہ گویا اس بات کا اشارہ تھا
کہ تم جاسکے ہو، وزیر اعظم وہاں سے رخصت ہوا اور دوسرے دن صبح صبح وہ
مبین الدین کے پاس پہنچا اور اسے اطلاع دے دی کہ امیر المومنین ازراہ نوازش

شاہد سلطان خسروانہ دو شنبہ کے روز طلوع آفتاب کے دو گھنٹے بعد شرن یابی
عطا فرمائیں گے معین الدین یہ مژدہ جانفزاسنکر!

جان نذر دینی بھول گیا اضطراب میں!

اے بڑی خوشی ہوئی اس نے شکر گزارانہ لہجہ میں وزیر اعظم سے کہا۔

معین الدین: میں آپ کی کرم گسری کا شکر گزار ہوں

وزیر اعظم: نہیں اس میں شکر گزاری کی کیا بات ہے یہ تو میرا فرض تھا،

معین الدین: میرا جی چاہتا ہے کہ آپ سے معذرت کر دوں!

وزیر اعظم: معذرت؟ — معذرت کا ہے کی؟

معین الدین: کل جو آپ سے گفتگو ہوئی تھی، میں اس وقت اپنی محرمی اور مایوسی

سے بہت متاثر تھا۔ ممکن ہے میرے منہ سے کچھ الفاظ نکلے ہوں جو آپ کی

طبیعت پر گراں گزرے ہوں!

وزیر اعظم: آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ آپ کی کوئی بات مجھے ناگوار نہیں گزری

میں آپ کے دکھ درد اور پریشانی کو سمجھتا ہوں، مجھے آپ سے ہمدردی

ہے، میں آپ کی کامیابی کا دعا گو ہوں!

معین الدین: مجھے آپ کی حمیت ملی۔ جذبہ دینی اور غیرت قومی سے یہی امید ہے!

وزیر اعظم: آپ کے ساتھ ہمدردی کرنے میں صرف حمیت ملی۔ جذبہ دینی اور

غیرت قومی ہی کام نہیں کر رہی ہے ایک اور چیز بھی ہے!

معین الدین: فرمائیے۔ — وہ کون سی چیز ہے؟

وزیر اعظم: خود غرضی —

یہ کہہ کر وہ مسکرا دیا!

معین الدین :- (حیرت سے) جو غرضی ؟ — میں نہیں سمجھا!
 وزیر اعظم :- بات یہ ہے کہ اگر آج ہم نے آپ سے ہمدردی نہ کی تو کل آپ ہم سے
 ہمدردی نہیں کریں گے، آج ہم نے آپ کا ساتھ نہ دیا، تو کل یہیں جیب
 ہماری طرف بڑھے گا تب ہم کس سے رفاقت کی امید رکھیں گے؟
 معین الدین :- (معلن ہو کر) آپ کو اس کا احساس ہے کہ یہ سیل بلا بھاد کی طرف
 بھی رخ کر سکتا ہے؟

وزیر اعظم :- کیوں نہیں ہے۔ — چنگیز نہ ہمارا دوست ہے نہ آپ کا
 نہ کسی کا! — ہم جانتے ہیں،
 آج وہ کل ہماری باری ہے!

اسی لئے ہمدردی ہے کہ وقت پر اس فتنہ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
 سرکھل دیا جائے۔۔

معین الدین :- جزاک اللہ، مرجا — بہت صحیح بات کہی آپ نے!
 وزیر اعظم :- میرے بھائی یہ باتوں کا نہیں کام کا وقت ہے!
 معین الدین :- کام کے بابے میں اچھی طرح یاد رکھیے کہ اس سے ہم کر لیں گے، اگر وہ بار
 خلافت کی طرف سے ہماری پشت پناہی ہوئی!

وزیر اعظم :- ضرور ہوگی — کیسے نہ ہوگی؟
 معین الدین :- اب تو مجھے امید بندھ گئی ہے!
 وزیر اعظم :- تو کیا پہلے آپ مایوس تھے؟

معین الدین :- ہاں بہت زیادہ ...

وزیر اعظم :- بڑی دلچسپ بات کی آپ نے دمسکرا کر آخر مایوس کیوں تھے ؟
 معین الدین :- مجھے اور میرے آقا خازم شاہ دونوں کو یہ اندیشہ تھا کہ ہمیں امراتہ
 و اعانت کے راستہ میں ماضی کی تلخیاں اور بد مزگیاں مانع نہ ہوں !
 وزیر اعظم :- یہ دقت ماضی کی تلخیوں کو یاد کرنے کا نہیں مستقبل کے بارے میں سوچنے
 کا ہے ۔

معین الدین :- بے شک بے شک ، بہت صحیح آپ نے !
 وزیر اعظم :- اور ایک بات اور بھی تو سوچئے ہم اگر آپ کی مدد کریں گے
 تو اس لئے نہیں کہ آپ کی مدد کریں بلکہ اسلئے کہ اپنی مدد کریں —
 حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر آپ کی مدد کرنا اپنی مدد کرنا ہے ، ہم ہرگز
 اطمینان کی زندگی نہیں بسر کر سکتے اگر اتنا بڑا اور طاقتور دشمن جیسا
 ہے ، دنیا میں موجود

معین الدین :- بہت صحیح — بہت درست !

(۴)

ان رسمی باتوں کے بعد وزیر اعظم مسکراتا ہوا اپنے قصر عشرت کی طرف چلا گیا اور

معین الدین کے چہرے پر بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی ۔
 جب سے وہ خواہ زم شاہ سے جدا ہوا تھا آج پہلی بار مسکرایا تھا !

خلیفہ کا دربار!

آج ہذا کی سجاد و یکھنے کے قابل تھی!

خلیفہ ناصر الدین اللہ کے دربار و دربار کی رونق آج قابل دید تھی!
 آج علال الدین خوار دم شاہ کی سفارت، دربار خلافت میں باریاب ہو رہی تھی!
 مسین الدین کے دل سے دہشت کا نور ہو چکی تھی۔۔۔ اب دہشت
 کی جگہ امید تھی، آس تھی!۔۔۔ بے عینی اور بیقرار کی کا در ختم ہو چکا تھا اب
 سکون اور اطمینان کی کا فرمائی تھی۔۔۔ اندیشہ ہائے دور دراز اور فکر و دوسرا
 نہ ختم ہونے والا در لٹ اچکا تھا۔ اب جو صلہ سندی تھی اسنگ تھی اور لولہ تھا!
 دربار کے در دیوار پر جو اہرات کی جوت اور آئینوں کی چمک سے جگمگاہٹ کا
 عجیب عالم طاری تھا!

مسین الدین کے چہرے پر امید کا نور جگمگا رہا تھا۔ اب زیادہ کس میں ہے؟
 جگمکا با ہم ہوتی ہے!

مسین الدین کو اگر انداز اب تھا تو صرف یہ کہ وہ دقت کب آئے گا جب وہ

خلافت پناہ کی بارگاہ ننگ پاگائیں حاضر ہو گئی؟ — خلیفہ اب تک حرم سرا سے
برآمد نہیں ہوا تھا!

یہ ایک نفازدوں پر چوٹ پڑنے لگی۔

آسمان کا بپ اٹھا زمین دل اٹھی!

طلل پر پھر ایک چوٹ پڑی —

دہار کے ایک گوشے سے جو بد ار نے صدا لگائی!

یہ امیر المومنین۔ خلیفہ المسلمین خلیفہ ناصر الدین اللہ کا دربار ہے قصر خلافت
سے امیر المومنین کی سواری باد بہاری روانہ ہو چکی ہے!

یہ سننے ہی پر بد ار نے پھر نعرہ لگایا۔

.. ہوشیار خبردار! — امیر المومنین تشریف فرما ہو رہے ہیں!

تھوڑی دیر کے بعد پاؤں کی چاپ کی آواز آئی، سرپردہ میں جنبش سی پیدا ہوئی
دو چوہے بد ار دل نے بیک وقت زور سے کہا۔

.. نظر من اللہ وفتح قریب! —

ایک دو سرچوہے بد ار اور زور سے چلایا

.. امیر المومنین —!

ان آوازوں نے ایک عجیب یا ہیبت سناٹا طاری کر دیا تھا!

اتنے میں پردہ ہٹا اور امیر المومنین دو بار میں رفتی اندر رہ گئے! —

امیر المومنین کو جیسے ہی ملزدار ہوتے حاضرین و دربار نے دیکھا، سرخم کر لے
بے تکلیف چھپا لیں اور عبودیت کی پوری شان اپنے اندر پیدا کر لی،

امیر المومنین وقار و اجلال کے ساتھ مسند پر متمکن ہوئے۔ پھر انھوں نے فرمایا
خلیفہ ناصر۔ میں معلوم ہوا ہے جلال الدین خوارزم شاہ کا قاصد شرف باریاں صل
کرنا چاہتا ہے؟

وزیر اعظم۔ امیر المومنین خوارزم شاہ کا قاصد دربار میں حاضر ہے!
خلیفہ ناصر۔ حاضر کیا جائے!

وزیر اعظم نے اٹھ کر حسین الدین کو خلافت پناہ کے سامنے لا کھڑا کر دیا
حسین الدین خلیفہ کے سامنے پہنچے ہی وہ تمام آداب و مراسم بجالایا۔
جو لیے موقع پر سفر کے لئے لازمی تھے۔

خلیفہ نے ایک نظر قاصد پر ڈالی، پھر کہا

خلیفہ ناصر۔ تم ہو جلال الدین خوارزم شاہ کے قاصد؟

حسین الدین۔ امیر المومنین غلام ہی کو یہ اعزاز حاصل ہے!

خلیفہ ناصر۔ کیا پیام بھیجا ہے اس نے ہمارے حضور میں؟

حسین الدین۔ امیر المومنین کی نگاہ باخبر سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کتنا ناہول

نے سرا لکھا ہے، وہ اسلام کے دشمن ہیں، وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

خلیفہ ناصر۔ نہیں۔ یوں کہو وہ خوارزم شاہ کے دشمن ہیں،

حسین الدین۔ امیر المومنین۔ وہ میرے آقا خوارزم شاہ کے بھی دشمن ہیں

انہوں نے مشہر لوٹ لئے آبادیاں ہلاک کر دیں، وہ جاہل ہیں ورنہ طاقت

میں چون آشام میں، اجداد گنہ گار ہیں، ان کے ہاتھوں انسانیت کا خون بہہ رہا ہے

اور۔۔۔ اور ہتھیار دستہ دار ثقافت، حضارت، اور عمرانیات کے گھر، بھی چھری

پھر رہا ہے، وہ عمارتوں کو ڈھاتے ہیں مسجدوں میں آگ لگا دیتے ہیں، مکاتب اور مدارس کو خاکستر بنا دیتے ہیں، باغوں کو بجا کر دیتے ہیں کھیتوں کو کچل ڈالتے ہیں۔ دنیا ان کی یہ سیہوہ گی، منکرات اور خباثت دیکھ رہی ہے مگر ات نہیں کرتی، ایک میرا آقا جلال الدین خوارزم شاہ ہر جو ہر خطہ سے بے نیاز ہو کر ان تاتاریوں کے مقابلے میں کوہ الہند کی طرح ڈٹا ہوا ہے جس نے تاتاریوں کے پچھلے چھڑا دیے ہیں۔ جو ناموافق حالات، نامساعد فضا، اور ناسازگار ماحول میں بھی ڈٹا ہوا ہے خلیفہ ناصر۔ ہماری طرف سے اسے ان کا نامولی پر اسے شاباش دینا !

سید الدین۔ امیر المومنین، میرا آقا صرف حوصلہ افزائی نہیں چاہتا اور ابھی چاہتا ہے !

خلیفہ ناصر۔ کیا کہا خوارزم شاہ ہم سے مدد چاہتا ہے ؟

سید الدین۔ امیر المومنین —

خلیفہ ناصر۔ درہر خذ حکمہ ساتھ نہیں، جلال الدین ہماری امداد کا محتاج نہیں جو تاتاریوں کی پورش کا تنہا مقابلہ کر سکتا ہے اسے کسی سے مدد طلب کرنے کی کیا ضرورت پیش آ سکتی ہے، جلال الدین خود ایک فاتح ہے کشور کش ہے، فرماں روا ہے شہنشاہ، اس سے دوسرے مدد طلب کر سکتے ہیں وہ کسی مدد کا محتاج نہیں ہو سکتا یہ اسکا انکسار ہے جو اسے نہیں یہاں بھیجا — ہم نے اسے انکسار سے لطف دیا

سید الدین۔ امیر المومنین، میرے آقا نے عرض کیا تھا کہ : ہر تنہا تاتاریوں کی پورش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

خلیفہ ناصر: پھر کس طرح کر سکتا ہے
 معین الدین: ممالک اسلامیہ کے اتحاد و تعاون سے، اشتراک اور ایک جہتی سے!
 خلیفہ ناصر: ہوں —

معین الدین: میرے آقا نے امیر المومنین کی دعائے درازی عم و اقبال کے بعد عرض
 کیا تھا کہ وہ تاریخوں کو کھل سکتا ہے، ان کا کس بل بحال سکتا ہے، انکی جنت
 اور زندگی کا ترکیب کی جواب دے سکتا ہے،

خلیفہ ناصر: پھر وایا کیوں نہیں کرتا؟
 معین الدین: امیر المومنین میرے آقا نے عرض کیا تھا کہ تاریخوں کا فتنہ بہت
 بڑا بہت ہولناک اور بے انتہا تباہ کن ہے، تاریخوں کی علوم و فنون کے
 دشمن ہیں دین و مذہب کے دشمن ہیں، وہ آج: دولت خداداد شاہی کی تباہی
 و بربادی کرنے پر تے ہوئے ہیں۔ کل جب انہیں موقع ملے گا تو —
 خلیفہ ناصر: تو وہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے (ہنسکر) کیوں یہی کہنا چاہتے
 تھے تم؟

معین الدین: میں یہی عرض کرنا چاہتا تھا، میرے آقا نے حکم دیا تھا کہ میں صاف صاف
 عرض کروں —

خلیفہ ناصر: ہم نے سن لیا اس نے کیا کہلایا تھا، اور تم نے کیا کہا؟ —
 بس یا کچھ اور بھی؟

معین الدین: میرے آقا نے عرض کیا تھا کہ امیر المومنین امداد اور دستگیری فرمائیں
 تاکہ وہ تاریخوں کی فتنہ کا سرچل سکے — یہ فتنہ ہر روز مہیب سے مہیب تر

صورت اختیار کرتا جلاہار با ہے۔ ضرورت ہے کہ جلد از جلد ہمیشہ
 ہمیشہ کے لئے اس کا سر کھلی دیا جائے ؛
 خلیفہ ناصر۔ خوارزم شاہ سے کہہ دینا کہ ان بلند پایہ نصائح کیلئے ہم اس کے شکر گزار ہیں
 معین الدین : اور درخواست اعانت کا جواب ؟
 خلیفہ ناصر : کہہ دینا ہم بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ لگانا نہیں چاہتے جب ہم سے
 برسرِ پیکار نہیں کہ ہم انہیں اپنا دشمن بنا لیں ؟
 معین الدین : لیکن امیر المومنین ، وہ اسلام دشمن !
 خلیفہ ناصر : غلط — جلال الدین اور اسلام دو الگ الگ وجود ہیں ،
 معین الدین : امیر المومنین ، دہر مسلمان کے دشمن جال ہیں !
 خلیفہ ناصر : یہی غلط — — — — — وہ صرف جلال الدین خوارزم شاہ کے دشمن
 ہیں ،

معین الدین : امیر المومنین — اور کل جب وہ خوارزم شاہ کو پامال کر چکیں گے تو انکی
 منزل مقصود صحرائے کوہی نہیں ، شام عراق اور ہندو ہوگی ، امیر المومنین —

خلیفہ ناصر : زیادہ غلط بیانی سے کام نہ لو ۔
 معین الدین : غلام ایک ایک بات سچ عرض کر رہا ہے اور کل اس کی
 صداقت ضرور آشکار ہو جائے گی — ضرور !
 خلیفہ ناصر : تم تجھوت بولتے — تمہیں معلوم ہونا چاہیے ہماری فوجیں جانتی
 ہیں کہ نجد کی حفاظت کس طرح کرنا چاہیے —

انتظار کا خاتمہ

جلال الدین خوارزم شاہ کی سفارت بظاہر کئے ہوئے عرصہ ہو چکا تھا، مگر اب تک اس کی کامیابی یا ناکامی کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی! ہر روز خوارزم شاہ انتظار کرتا تھا، دور دراز ملک لوگوں کو خبر لینے کیلئے بھیجتا تھا اور ہر روز اسے پاپوسی کا سامنا کرنا پڑتا تھا!

وہ تنگ آ گیا تھا انتظار کرتے کرتے، آخر معین الدین کب آئے گا؟

بارگاہ خلافت کا فیصلہ کب صادر ہوگا؟ — یہ فیصلہ میرے لئے موت اور زندگی کا فیصلہ بن چکا ہے۔ میرا ہی نہیں مشرق کی تمام اسلامی حکومتوں اور ایشیا کی تمام آزاد مملکتوں کی زندگی اور موت کا سوال ہے اور اس سوال کا جواب صرف امیر المومنین کے پاس ہے!

وہ سر جھکائے بیٹھا تھا، اور فکر و خیال کی دلدلی میں بھٹک رہا تھا!

بار بار ذہن و دماغ کے صفحے پر ایک ہی سوال ابھرتا تھا،

اب کیا ہوگا؟ — اب کیا ہوگا؟

اور اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہ تھا اور ان لوگوں کے پاس تو خاص طور پر نہ تھا جو اپنے آقا کے خیر میں بیٹھے ہوئے حالات کا جائزہ لے رہے تھے یا وہ اس سوال کو حل کرنے کی عقلی عقلی کوششیں کرتے اتنا ہی مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہوتا جاتا تھا عین اسی عالم میں خوارزم شاہ کو اس کے سر ہنگوں نے آنکھ دھرائے ورازی عمر و اقبال کی دعا دی اور عرض کیا

معین الدین آگیا !

یہ سرنگ خوارزم شاہ اچھل پڑا۔ یثربی کے ساتھ اس نے بھی یہی الفاظ دوہرائے

معین الدین آگیا؟ —؟

سرنگ نے گردن جھکا کر عرض کیا،

دو در دولت پر حاضر ہے

خوارزم شاہ اٹھ کھڑا ہوا اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا

تخلیہ — ہم تخلیہ چاہتے ہیں !

یہ سننے ہی تمام حاضرین مجس ایک ایک کر کے اٹھ گئے ان کے جانے کے بعد خوارزم شاہ نے سرنگ سے کہا

معین الدین کو حاضر کرو !

چند لمحوں کے اندر اندر آقا کا جاں نثار خادم حضوری میں حاضر ہو گیا، خوارزم شاہ نے بڑھ کر اسے گلے لگایا اور محبت بھرے لہجے میں کہا،

تم آگئے — ہم بہت دنوں سے تمہارا انتظار کر رہے تھے، اگر یہ کہیں کہ تمہارے انتظار میں آئی ہے اب کی طرف تو پ رہے تھے۔ تو فوراً بھی مبالغہ نہ ہوگا

میں الدین نے عقیدت اور فداکاری کے نشے سے سرشار ہو کر کہا
 " غلام حاضر ہو گیا، واقعی بہت دیر لگی، لیکن کیا کرتا حالات پر اختیار نہ تھا
 خوارزم شاہ:۔ خیر کوئی مضائقہ نہیں۔۔۔ مجھے معلوم ہے دربار خلافت میں بیابانی
 کتنی مشکل سے اور کتنی دیر میں ہوتی ہے، یہ بتاؤ کیا رہا؟ کیا ہوا؟ کیسی
 گزری؟

میں الدین:۔ (غم آنگیز آواز میں) کیا عرض کروں آقا نے ولی نعمت!
 خوارزم شاہ:۔ (چونک کر) کیوں کیا ہوا؟ — ناکامی
 میں الدین:۔ جہاں پناہ ناکامی!

خوارزم شاہ:۔ امیر المومنین نے امداد سے انکار کر دیا؟
 میں الدین:۔ صاف انکار۔۔ صاف جواب، بلکہ انھوں نے —
 خوارزم شاہ:۔ جھجک سے کام:۔ اور کہا انہوں نے کیا فرمایا؟
 میں الدین:۔ انھوں نے ہمارے سلطان عالم کا مذاق اڑایا،
 خوارزم شاہ:۔ لیکن یہ سوال تمہاری ذات کا تو نہیں تھا..... تم نے گفتگو کے
 اس نقطہ کو صاف نہیں کیا؟

میں الدین:۔ میں نے بڑی صفائی سے گفتگو کی اور وہ تمام باتیں عرض کر دیں جو جہاں
 دے فرمائی تھیں —

خوارزم شاہ:۔ پھر —؟ لیکن تم نے کہا کیا تھا؟
 میں الدین:۔ میں نے تا تاریخوں کی ذہنیت، کردار اور سیرت بیان کرنے میں پوری
 تفصیل سے کام لیا، میں نے انکی درندگی اور شقاوت کے واقعات بیان کیے

اس خطرہ کی وسعت اور ہمت کی طرف انہیں متوجہ کیا، میں نے اسلام کا واسطہ دیا، میں نے قومیت کے نام پر اپیل کی، میں نے ان کے جذبہ ملی کو ابھارا، لیکن سب راہنماں، سب بیکار، انہوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا جنگیر خوارزم شاہ کا دشمن ہے ہمارا انہیں اور اگر اس نے ہم سے دشمنی کی تو ہم بھگت لیں گے ہم آج خوارزم شاہ کی مدد کرنے سے انکار کرتے ہیں، کب جب ہم پر وقت پڑے تو یہی حق ایسے بھلی ہوگا۔ امیر المومنین نے یہ فرمایا۔

خوارزم شاہ: جواب اگرچہ خلاف توقع نہیں لیکن تکلیف دہ ضرور ہے! معین الدین: تکلیف دہ کبھی اور ہمت شکن بھی، حوصلہ فرما بھی! خوارزم شاہ: نہیں معین الدین یہ نہ کہو، صرف تکلیف دہ کہہ سکتے ہو بس اس سے زیادہ نہیں۔ شاید خدا ہمیں آزار دے، ہم نے غلطی کی، خدا کے بجائے مخلوق کی طرف رجوع کیا، شاید یہ کبھی بات خدا کو بری لگی، بہر حال ہم اس غلطی سے تائب ہوتے ہیں، اب ہمارا سپہ سالار امیر المومنین کی ذات ہے، نہ دربار خلافت اب ہمارا بھر دے جو کچھ ہے وہ صرف خدا پر ہے، اس کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے، اسی کے اختیار میں اقتدار اور حکومت ہے اسی کے قبضے میں انقلاب اور تغیر ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہوگا، جو اس کی مرضی ہوگی وہ بہر حال پوری ہوگی،

معین الدین: لیکن یہاں پناہ اب ہمارا مدار کیا ہوگا؟ خوارزم شاہ: کچھ نہیں، صرف عزیمت اور استقامت، ہم اپنا کام جاری رکھیں گے معین الدین: کام جاری رکھیں گے، لیکن کس طرح؟ — کیوں کر؟

خوارزم شاہ - غزنی فی الحال ہمارے در و کادو نہیں بن سکتا،
 معین الدین - تو کیا ہم یہاں سے پھر رختِ سفر باندھیں گے، کہیں اور جائیں گے؟
 خوارزم شاہ - ہاں - میرا ارادہ ہے ہم یہاں سے ترند چلیں!
 معین الدین - جہاں پناہ کا ارشاد ہے تو ضرور اس کی تعمیل ہوگی لیکن سوال
 یہ ہے کہ وہاں جا کر ہم کیا کریں گے؟
 خوارزم شاہ - جو یہاں نہیں کر سکے؟
 معین الدین - کیا جہاں پناہ کا خیال ہے، وہاں حالات زیادہ سازگار ہیں؟
 خوارزم شاہ - ہاں ہمارا خیال یہی ہے!
 معین الدین - لیکن تاتاری لشکر جس طرح یہاں پہنچ سکتا ہے وہاں بھی پہنچ
 سکتے ہیں اگر ہم یہاں زحمت نہیں کر سکتے تو وہاں کس طرح زحمت کر سکتے ہیں؟
 خوارزم شاہ - تم نہیں جانتے..... ہم غزنی سے اس لئے نہیں جا رہے ہیں کہ
 یہاں تاتاریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اگر ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تاتاریوں
 کا مقابلہ کریں تو ضرور ہم ہر جگہ مقابلہ کر سکتے ہیں، یہاں کبھی وہاں کبھی کہیں
 بھی - بات جو کچھ ہے وہ صرف اتنی ہے کہ ترند میں ہمیں تیار کی کار زیادہ
 موقع مل سکے گا، اس وقت جو کچھ سوال ہے وہ صرف یہی ہے اور
 کچھ نہیں،

معین الدین - بہتر ہے - یہی سہی!
 خوارزم شاہ - ایک بات جنگی نقطہ نظر سے اور بھی قابلِ غور ہے
 معین الدین - وہ کون سی بات جہاں پناہ؟

کہاں ابران کی عظیم الشان حکومت کہاں عرب کے صحرائشین کہاں دم
 کی دسیحہ و غریب صفت کہاں عرب گویاں۔ لیکن وہ جیتے یا نہیں؟
 مسین الدین۔ لیکن وہ مسلمان اب کہاں ہیں؟
 خواہ زم شاہ۔ ہاں نہیں ہے۔ لیکن خدا کی رحمت کیا تم اس سے کبھی پاپوس ہو؟
 جادو ہمت سے کام لو اور ترند چلنے کی تیاریاں کرو۔۔۔۔۔ شاہ شمس

ترمذ کا انتخاب

خليفة نام الدین اللہ کے انکار اور معاذانہ ردیہ نے بہتوں کو سر اسید اور خواص
 باختہ کر دیا لیکن حلال الدین خوارزم شاہ کی جین استقامت پر بل بھی نہیں آیا یہ بات
 نہیں تھی کہ اس واقعہ کا اسے صدمہ نہ ہوا ہو، اسے صدمہ ہوا، اس کے دل کو کیسے پہنچی
 اس کے جذبہ بات جردہج ہوئے لیکن اس کی عزیمت اور اتفاقات میں جیش نہیں ہوئی
 اس نے اپنے دل سے کہا

یہ میری حماقت تھی کہ میں نے غیر اللہ پر بھروسہ کیا، غیر اللہ سے مدد چاہی، غیر اللہ
 کی طرف التجا بھری نظروں سے دیکھا۔ مجھے اس وقت کی سزا لگنی اب میں صرف خدا سے
 لو لگاؤں گا، اسی سے مانگوں گا، اسی کے حضور میں سر جھکاؤں گا، اور اسی سے صرف
 اسی سے اسداد و اعانت کی التجا کروں گا، وہ خدا ہی تو ہے جو سب کی مدد کرتا ہے
 ناصر الدین اللہ بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، وہ بھی اس وقت تک سر پر آرائے
 خلعت ہے، جب تک خدا کی مرضی ہے، پھر میں اس کے سامنے دست طلب دراز کر دوں
 نہیں وہ دیتا ہے جن کے وہ محتاج ہیں اسی سے کیوں نہ مانگوں جو سب کا پالنے والا ہے

جو سب کو دے سکتا ہے، جو خود کہتا ہے مجھ سے مانگوں میں دوں گا پھر اس سے بڑھ کر بد قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا دھچھوکر دوسرے بندوں کے سامنے میں گمراہ اولوں اور مانگوں! اس خیال نے حلال الدین کے عزم میں اور تندی پیدا کر دی۔ کتنی عجیب بات ہے جو واقعات دوسروں کو جو اس باختر اور سراسیمہ کر دینے کیلئے کافی تھے وہی واقعات خوارزم شاہ کے عقیدے اور ایمان میں پہلے سے کہیں زیادہ استحکام پیدا کر دیتے تھے۔ دوسری طرف جنگیں تھیں۔ جو طوفان وعد و برقی کی طرح کوٹکتا، چمکتا، رواں دواں تھا، اسے اگرچہ خوارزم شاہ کی تلاش تھی، اگرچہ وہ خوارزم شاہ کا دشمن تھا، اگرچہ خوارزم شاہ کو قتل کرنا اس نے اپنا مقصد حیات بنالیا تھا، لیکن خوارزم شاہ اصل مقصد کا صرف ایک ذریعہ تھا، اصل مقصد تو یہ تھا کہ مسلمانوں کا قلعہ قمع کیا جائے، اسلامی مسلمانوں کو ختم کیا جائے، مسلم خزانوں کو تہ تیغ کیا جائے اور یہ مقصد حلال الدین خوارزم شاہ کو قتل کے بغیر بھی بدرجہ اتم اسے حاصل ہو رہا تھا۔ وہ یہ دستور آگے بڑھ رہا تھا!

اور اب ایک عجیب بات پیدا ہو گئی تھی.....! جنگیں اگر خوارزم شاہ کا تقاب کر رہا تھا، تو خود خوارزم شاہ بھی جنگ کا تقاب کر رہا تھا، یہ دوسری بات تھی کہ جنگیں بے پاس سب کچھ تھا اور خوارزم شاہ کے پاس کچھ نہ تھا ایک کے پاس ساز و سامان جنگ ضرورت سے بہت زیادہ تھا اور دوسرے کے پاس ضرورت سے بہت کم لیکن جو تندی پہلے میں تھی وہی دوسرے میں بھی، جنگیں جو اول کی طرح ادھر ادھر دوڑ رہا تھا جو ملک جو شہر جو قریب سامنے آجاتا تھا خواہ وہ ان حلال الدین کیلئے زیادہ سودا سے زیادہ گیس کر لیتا، اور ضروری بندوبست کر کے پھر آگے بڑھ جاتا

تھا اس کے جاتے ہی خوارزم شاہ وہاں پہنچتا تھا اور اس کے سامنے انگوٹھا
کو درجہ برہم کر کے رکھ دیتا تھا!

وہ جس طرف کا رخ کرتا تھا، جلال الدین مقابلہ کے لئے موجود ملتا تھا!
چنگیز نے خوارزم شاہ کو بچاؤ کھانے کے لئے اپنے تمام ذرا بچاؤ اور سائے
ختم کر دیے اپنی ساری دولت و دادوں پر لگا دی اپنا ٹیڈل لشکر لے کر مقابلہ کی
ہوس میں پیش قدمی کرتا رہا۔ اور فتوحات حاصل کرتا رہا،
لیکن وہ جلال الدین خوارزم شاہ کو شکست نہ دے سکا۔ جلال الدین
کے حوصلہ کو نہ ہراسکا،

وہ جلال الدین کی خود دلای عزت نفس، شجاعت اور دلیری کو خوبصورت ذکر سکا
چنگیز کا غصہ بڑھتا جاتا تھا۔ ہر گاہی پردہ اور زیادہ غضبناک ہو
جاتا تھا، اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں وہ غصے سے اپنی بوٹیاں
فینچنے لگتا، یہاں تک کہ وہ تر مذ پہنچتا!
تر مذ..... وہ خاک پا جو ایک علم کوہ تھا، جہاں مشائخ تھے، علماء
فہم تھے، واعظ تھے، مشرعا اور سادات کرام تھے، اُمر اور صلح تھے۔
جس کے تمدن، تہذیب اور ثقافت میں ایک بانگن تھا، ایک شان تھی، ایک دبیرہ!
لیکن یہ ساری خصوصیتیں چنگیز کیسے بے معنی تھیں وہ ان چیزوں کا تصور
دان تھا نہ ادا شناس لے ایک شاندار عمارت کے ڈھانے میں وہی لطف آتا
تھا جو ایک مہاجر کو کسی شاندار عمارت کے بنانے میں آتا ہے اس کے نزدیک انسانی
زندگی کبھی کوئی قیمت نہ تھی، وہ تمام لوگ جو اس کی قوم سے باہر تھے صرف اس لئے تھے کہ

کہ ٹوک کر دیئے جائیں یا غلام بنائے جائیں! وہ نہ خدا کو ماننا تھا، نہ اسکی عبادت کرتا تھا۔
 لہذا وہ خدا پرستوں کا لٹا خاکرتا تھا۔ نہ عبادت نہ سکاہوں کا احترام وہ ترمذ میں آیا
 ان لوگوں کو جو اس کے ملک میں کوئی نہ کوئی کار غلامی انجام دے سکے تھے، ان عورتوں
 کو جو بھی بوڑھی نہیں ہوئی تھیں غلام اور کنیز بنالیا، باقی جتنے لوگ تھے، ان سب کو سب
 ستموں ایک میدان میں جمع کیا اور نہ بیخ کر دیا، عورتوں کی چھین، بچوں کے نالے، بوڑھوں
 کی مزیداریاں، سان کو تہ دہلا کر رہی تھی کنگرہ، عرسس کو بلا رہی تھیں، لیکن چنگیز پر ان
 دلہ زور اور جگر ننگا منظر کوئی اثر نہیں تھا وہ صرف مسکرا رہا تھا اس کے نزدیک قتل عام
 ایک دلچسپ منظر تھا جس کی داد مسکرا کر ہی دی جاسکتی تھی

کس میں ہمت تھی کہ چنگیز کے سامنے شفیق بن کر حاضر ہوتا، کس میں حوصلہ تھا کہ
 اس سے جان بخشی کی التجا کرتا، اس کا فرمان فوراً نافذ ہونا تھا جتنا بھی فرمان بھی فوراً
 نافذ ہو گیا، یعنی غلاموں کے سوا تمام لوگ قتل کر دیئے گئے!

چنگیز قہقہے لگا لگا کر قتل عام کا تماشہ دیکھتا رہا!
 قتل عام کے بعد چنگیز نے تلوار کی ٹیک لگائے لگائے متن خاں سے پوچھا۔
 اب تو کوئی باقی نہیں رہا ہے!

متن خاں نے جواب دیا۔
 کوئی نہیں — قتل ہو گئے!

جبست اچھا ہوا — خن کم جہاں پاک — لیکن ہم نے سنا تھا
 کہ خود دم شاد کے اہل و عیال یہاں ہیں، کیا وہ لوگ گرفتار ہوئے؟
 متن خاں: وہ لوگ ہمارے ساتھ سے پیسے نکل گئے!

چنگیز خاں، (عضو نے) کیا انہیں یہ معلوم تھا کہ ہم یہاں حملہ آور ہونے کے لئے آ رہے ہیں؟

متن خاں: نہیں جہاں پناہ —————
چنگیز: پھر وہ کیسے جان بچا کر چلے گئے؟ — کیا یہ کوئی سازش ہے؟

متن خاں: ہرگز نہیں میرے آقا..... کس میں بہت ہے کہ ہمارے خلاف سازش کا تصور بھی کر سکے!

چنگیز: پھر یہ کیسے ہوا؟ کیا خوارزم شاہ کے اہل دعیال بھی اتنے ہی دانا و دینا اور چالاک ہیں جتنا وہ خود؟

متن خاں: نہیں میرے آقا یہ بات بھی نہیں..... بات یہ ہے کہ خوارزم شاہ حد سے زیادہ چالاک اور محتاط دشمن ہے —

چنگیز: یہ تو ہم بھی جانتے ہیں، ہمیں اس کا تجربہ بھی ہے!

متن خاں: بجا ارشاد ہوا — لہٰذا جس طرح وہ خود ہمیشہ گردش میں رہتا ہے اسی طرح اپنے اہل دعیال کو بھی حضور کے ڈر سے ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرتا ہے جو جانتا ہے حضور عالم پناہ کے قبضہ میں وہ یا اس کا کوئی عزیز آگیا تو پھر زندہ نہیں رہ سکتا!

چنگیز: بے شک زندہ نہیں رہ سکتا خوارزم شاہ اور اسکے اہل دعیال زندگی کے حق سے محروم ہو چکے ہیں،

متن خاں: بس اسی لئے جس طرح وہ بھیج کہیں اور شام کہیں گذارتا ہے اسی طرح

اہل دیال بھی کبھی کسی شہر میں کبھی اُس شہر میں پھیسے رہتے ہیں تاکہ وہ
سے محفوظ رہیں!

چنگیز: لیکن کب تک؟ — کہاں تک؟
متن خاں: جب تک ہو سکے جہاں تک بن پڑے،
چنگیز: (ہنس کر) اس طرح خوارزم شاہ ہم سے کہاں تک لڑ سکے گا؟
متن خاں: (دسکڑا کر) بس اب اس کا وقت آیا ہی چاہتا ہے میرا خیال ہے عجب ہی
وہ رد مال سے ہاتھ باندھ کر در دولت میں حاضر ہوگا اور جان بخشی کی
البتہ کرے گا!

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ چنگیز کا ایک سپہ دار ایک نقاب پوش خاتون
کے ساتھ اسی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ چنگیز خاں نے متن خاں سے کہا۔
چنگیز: یہ کون ہے؟ — کوئی مسلمان عورت معلوم ہوئی ہے؟
متن خاں: عالی جاہ یہ کوئی مسلمان ہی عورت معلوم ہوتی ہے —
لیکن کون ہو سکتی ہے یہ —؟

اتنے میں وہ سپہ دار عورت کو لے کر قریب آگیا اور آداب سے ہاتھ باندھ
کر چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

چنگیز: تم کس عورت کو پکڑ کر لائے ہو؟ — کیا یہ مسلمان نہیں ہے؟
سپہ دار: آقائے کائنات یہ ایک مسلمان عورت ہے،
چنگیز: ہاں — یہ ہم نے پہلے ہی محسوس کر لیا تھا، لیکن اگر یہ مسلمان
عورت ہے تو قتل ہونے یا کفر بننے سے کیوں بچ گئی؟

سپہ دار:- یہ ابھی گھر فار ہوئی ہے آقائے آفاق گیر۔
 چنگیز:- ابھی —؟ کہاں ملی یہ نہیں؟
 سپہ دار:- یہ تو حضور کو معلوم ہو گا خوارزم شاہ کے اہل و عیال یہاں تھے لیکن
 بھاگ نکلے —

چنگیز:- (بتائی سے) تو کیا یہ انہی میں سے ہے؟

سپہ دار:- میرے آقا!
 چنگیز:- تم نے اسے گرفتار کر لیا؟

سپہ دار:- میرے آقا! —!

چنگیز:- بہت اچھا کیا — دیکھو تین خاں جو کام تم سے نہ ہو سکا وہ ہمارے
 ایک سپہ دار نے کر لیا۔۔۔۔۔ شاباش تم انعام کے مستحق ہو تمہیں انعام
 ملے گا، تم نے بہت اچھا کیا۔ اور بہت بڑا کام کیا!

سپہ دار:- غلام! اپنے آقا کی جو خدمت بھی بجالائے اس کیلئے باعثِ فخر ہے!

چنگیز:- ہاں، تمہاری اس مستعدی سے ہم خوش ہوئے —

لیکن یہ عورت خوارزم شاہ کے بارے میں کبھی کچھ بتاتی ہے؟

سپہ دار:- بالکل نہیں۔۔۔ صاف انکار کرتی ہے؟

چنگیز:- صاف انکار کرتی ہے؟ — یہ بہت یہ جرأت؟

سپہ دار:- میں نے بہت کوشش کی لیکن اس کے زبان پر انکار کے سوا کوئی لفظ نہ آیا

چنگیز:- اسے ہمارے خیمہ میں پہنچا دو — تین خاں تم ہمارے

پچھپچھ آؤ!

فائقہ چنگیز کے سامنے

چنگیز خیر میں پہونچا، کچھ خوشی بھی تھا، کچھ برہم بھی — خوشی اس پر تھا کہ خوارزم شاہ کا سراغ لگانے میں اس کے عوالم کا اندازہ کرنے میں اس کے پر دگرام سے واقفیت حاصل کرنے میں آسانی ہو گئی، برہم اس پر تھا کہ صرف یہ ایک عورت کیوں ملی، خوارزم شاہ کا پورا کلبہ کیوں نہ ہانڈا آگیا کہ مطلب برامدی کے بعد اس کا خاتمہ کر دیا جاتا یہی باتیں سوچتا ہوا وہ خیر میں پہونچا، وہ عورت بھی سپہ دار کی صحبت میں پہونچ چکی تھی، متن خان تو ساتھ ہی تھا، چنگیز نے گھوڑے عورت پر نظر ڈالی، اسی پر یہ نظر پڑتی تو شہنشاہ دہر کو کام کرتی، اس پر پتہ پائی ہو جاتا وہ دہر نے لگتا، لیکن یہ عجیب قسم کی عورت تھی اس کے اہلکار اور ملکوت میں نہ اس جو فرق آتا ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا یہ ایک مہر کو ب عالم آتش اعظم اور شہنشاہ دہر کے سامنے نہیں کسی سووی آدمی کے سامنے کھڑی ہے — خوشی چنگیز کو بھی اس کے استقلال اور سکون پر حیرت ہوئی، اس نے خیال کیا شاید یہ چوٹی تھی نہیں، جب پہچان لے گی تو دہر نے لگے گی، اس نے گرجا اور آواز میں نہ

دہر شاہ یہ تمہیں نہیں پہچانتی !

وہ بولی

سپر دار نے مجھے بتایا تھا۔ آپ چنگیز ہیں!
چنگیز کا پندار ایک معمولی سی عورت نے ایک آنگینہ کی طرح توڑ دیا لیکن چنگیز
عرف و خوکار و مذہب ہی نہیں تھا، وہ معاملہ فہم سیاست دان اور مدبر بھی تھا، اس نے دلیں
ذیمہ کر لیا اس کی شامت آئی ہے، سزا پائے گی، لیکن زبان پر کوئی اس لفظ نہیں لایا
جس سے اس کی برہمی کا اندازہ ہوتا!

چنگیز تیرا نام —؟

وہ بولی

مجھے فائدہ کہتے ہیں یہی میرا نام ہے!
چنگیز، تیرا اور خواہ زم شاہ کا رشتہ کیا ہے؟
فائدہ — آقا، کیز کا!

چنگیز — غلط — تیرا حق تیرا عسائی و برنائی، تیرا لباس، تیرا
ذیور، تیرا رکھ رکھا، تیری وضع قطع، ان سب سے کچھ اور اندازہ ہوتا ہے
تو اپنے تئیں چھپاتی ہے، لیکن اس سے حاصل کیا ہوگا؟

فائدہ — میں آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولی، اس لئے کہ میں مسلمان ہوں اور مجھے
تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمان کو جھوٹ کبھی اور کسی حالت میں نہیں بولنا چاہیے
میں اس سے بحث نہیں کہ تو مسلمان ہے یا کافر؟ — یہ حال اگر کبھی ثابت
ہو گیا کہ تو جھوٹ بولتی تو —

مر سزا کیسے تیار ہوں۔

چنگیز:۔۔۔ مجھے معلوم ہوتا چاہیے، چنگیز کا غضب، خدا کا غضب ہوتا ہے۔ اور اس کا نگاہ لطف انسان کو فرشتے سے خوش پر پہنچا دیتی ہے!

خالقہ:۔۔۔ ہاں میں نے سنا ہے چنگیز کا غضب قہر خداوندی کا نمونہ ہوتا ہے

لیکن اس کی نگاہ لطف کے بارے میں کچھ نہیں سنا!

چنگیز:۔۔۔ مسکرا کر ہاں ہماری نگاہ لطف کی شہرت کم ہے۔۔۔ لیکن ہم

چاہتے ہیں تیرا شمار انہی لوگوں میں جو ہماری نگاہ لطف دہرے

فیضیاب ہوتے ہیں!

خالقہ:۔۔۔ یہ میری خوش قسمتی کی انتہا ہوگی

چنگیز:۔۔۔ ہاں۔۔۔ واقعی۔۔۔ ہم تجھ سے کچھ سوالات

کرنا چاہتے ہیں!

خالقہ:۔۔۔ کیز کے لئے اس سے بڑھ کر فخر کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ شہنشاہ گیتی پیاد

کے حضور میں حاضر ہو اور اسے شرفِ مخاطب سے سرفراز کیا جائے!

چنگیز:۔۔۔ واقعی تو سمجھدار، دور اندیش اور معاملہ فہم معلوم ہوتی ہے۔۔۔

ہم پوچھنا چاہتے ہیں، خوارزم شاہ کے خاندان میں یہاں کون کون لوگ تھے؟

خالقہ:۔۔۔ بیویاں نہیں، لڑکے تھے، خدا م تھے۔ بہت سی کیزیں تھیں!

چنگیز:۔۔۔ گویا پورا خاندان یہاں موجود تھا۔۔۔؟ کیوں؟

خالقہ:۔۔۔ جی بجا ارشاد ہوا۔

چنگیز:۔۔۔ یہ لوگ یہاں سے کیوں بھاگے؟

خالقہ:۔۔۔ خوارزم شاہ کا حکم ہے کہ اس کے اہل خاندان کسی ایک شہر میں منتقل ہو

پر بود و باش اس پر شور زانہ میں نہ اختیار کریں بلکہ
چنگیز بہ بخورے بخورے وقفہ سے اقامت گاہ بدتے رہیں؛
فائقہ جی ہی بات ہے۔

چنگیز بہ ہیں معلوم ہے — ہم سُن چکے ہیں —!
فائقہ بہ بس اسی لئے نقل مکان کا سلسلہ جاری رہتا ہے آج یہاں کل وہاں؛
چنگیز بہ ہوں — اور خوارزم شاہ خود بھی کبھی بھی آتا ہے؛
فائقہ بہ ہاں — یہ بھی ہوتا ہے کہ اپنی موکہ آرائیوں سے فرصت نکال کر وہ ہاں
پھولتے لئے جہاں وہ مقیم ہوتے ہیں دو چار روز کے لئے پہنچ جاتا
ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے اور ان سفر میں کوئی امن و عافیت کا دکھ
اور زہمت افزا منظر نظر آ جاتا ہے تو وہیں خیمہ زن ہو جاتا ہے اور بال
بچوں کو چند روز کے لئے وہاں بلا لیتا ہے!
چنگیز بہ ہمیں بھی اپنے پاس نہیں رکھتا — کتنا ناقدردان شخص

فائقہ بہ شہنشاہ عالم یہ فرمائیے میں تو اپنے آقا کے پاس مستقل طور پر رہتی
ہوں۔

چنگیز بہ پھر یہاں کیسے چلی آئیں؛
فائقہ بہ کچھ دنوں سے میری طبیعت خراب تھی کچھ حرارت سی رہنے لگی تھی تو میرے
آقا نے میری مرضی کے خلاف تباہ آہ دم ہوا کہ لئے مجھے یہاں بھیج دیا تھا
چنگیز بہ تباری مرضی کے خلاف؛ — تم کیوں آنا نہیں چاہتی تھیں!

فائقہ: میری خوشی اسی میں تھی کہ وہیں رہوں، لیکن حکم حاکم مرگ مغالجات آتا
 کا حکم ٹال نہ سکی، یہاں چلی آئی، جب آئی تو دل دھڑک رہا تھا آنکھ
 پھر دک رہی تھی —

چنگیز خاں: (مسکرا کر) نتیجہ یہ ہوا کہ محنت تو کیا بنتی تم گرفتار ہو گئیں؟
 فائقہ: (دبا چشمہ، غم) جی اور کیا!
 چنگیز خاں: (دل دہی کے لہجے میں) نہیں تمہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے پائے
 گی یہاں تمہیں وہی راحت ملے گی جو خوارزم شاہ کے ہاں ملتی تھی!

فائقہ: عنایت، بندہ پروری! —
 چنگیز خاں: بلکہ یہاں تم کو وہاں سے زیادہ آزادی، عزت اور حرمت حاصل ہو گی!
 فائقہ: یہ میری خوش نصیبی کی سحر ج ہے۔

چنگیز خاں: ہاں تم کچھ مایہ ز بھی تو تھیں — سحر ج اتنی ہے تمہیں؟
 فائقہ: جی یہی شکایت ہے کینز کو!

چنگیز خاں: ہم تمہارا علاج کرائیں گے، ہمارا طبیب خاص تمہارا معالجہ کرے گا!
 فائقہ: لیکن اب تو میں اپنے آپ کو تندرست اور توانا محسوس کرتی ہوں،
 چنگیز خاں: (مسکرا کر) یہ ہمارے لشکر کی آب و ہوا کا اثر ہے!

فائقہ: ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جہاں پناہ!

چنگیز خاں: تم کا ناجائزاتی ہو؟
 فائقہ: بالکل نہیں شہنشاہ گیتی ستاں،
 چنگیز خاں: ناچنا تو ضرور آتا ہو گا تمہیں؟

فالٹہ: یہ فن بھی کینز کو نہیں آتا شہنشاہ!
 چنگیز خاں: تعجب ہے ————— شاید خوارزم شاہ تمہاری صورت پر دیکھ
 گیا تھا!

فالٹہ: یہ میں نہیں کہہ سکتی شہنشاہ دو عالم!
 چنگیز خاں: اور ہم جانتے ہیں کہ خوارزم شاہ کا انتخاب واقعی بہترین انتخاب تھا۔ اس
 حسن و جمال کے بعد عزت بھی کیا رہ جاتی ہے کسی فن کی؟
 فالٹہ: کینز کیا عرض کر سکتی ہے! ————— آقا کی نگاہ جو چاہے
 کر دے!

چنگیز خاں: یہاں تم اطمینان سے رہو، زور دہہ گھراؤا!
 فالٹہ: شہنشاہ کی اس عنایت بے نہایت کے بعد تو میں ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے
 واقعی میں کسی چیز جگہ نہیں ہوں،
 چنگیز خاں: ہاں! تمہیں یہی محسوس کرنا چاہیئے، اور ہمیں تو قطعاً یہ آئندہ تم اور
 زیادہ یہاں اسٹا محسوس کر رہی۔

فالٹہ: خیال تو کینز کا بھی ایسا ہی ہے!
 چنگیز خاں: تم یہ بتا سکتی ہو خوارزم شاہ اس وقت کہاں ہے؟
 فالٹہ: نہیں شہنشاہ معظم!
 چنگیز خاں: (دیکھی چیون سے) کیوں؟
 فالٹہ: مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہیں اور اگر معلوم ہوتا جب بھی نہ بتاتی مجھے تک کہ
 پاس ہے میں اپنے آقا سے غداری نہیں کر سکتی! —

چنگیز کی آنکھیں سے شعلے برسنے لگے، لیکن وہ ضبط کر گیا!

جال اور چال

چنگیز نے ہر طرح فائدہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی، لیکن وہ ناکام
ہوا، فائدہ سب سے بڑا اور واضح جواب صرف ایک تھا:

اوں تو میں کچھ جانتی نہیں لیکن اگر جاتی بھی ہوں تو بتا نہیں سکتی خبر ہم
شاہ میرا آنسو میں اس کی تجزی نہیں کر سکتی، چاہے تلوار سے میری گردن کاٹ
لیو، یا مانی دگویر سے میری جھوٹی بھر دو!

اس قسم کے الفاظ پر چنگیز کا خون کھونٹے لگتا تھا، اس کا جی چاہنے لگتا تھا،
اپنے ہاتھ سے اس کی گروں اور اڈے، لیکن ہر مرتبہ وہ ضبط کر جاتا تھا، وہ سوچتا تھا
اس کا قتل کیا تاثر ردقت ملے گا، لیکن اگر یہ قتل کر دی گئی تو خوارزم شاہ کے بارے
میں پھر کئی بات ہو کر نہیں معلوم ہو سکے گی اور اگر زندہ بچ گئی تو پھر ممکن ہے آج
چینیوں کو کبھی کچھ معلوم ہو جائے!

فائدہ بہتر چنگیز نے فائدہ منے والے حوالہ کر دیا، اس نے بھی تحریریں وترغیب
ایضاً لکھی نہیں رکھا، کہنے لگا۔

تم کہتی ہے وقت ہو، تمہاری سادہ لوجی پر مجھے ہنسی آتی ہے، غصہ تو نہیں سکتا۔
 چنگیز کو چھوڑ کر تم خوارزم شاہ کی کٹری پر فخر محسوس کر رہی ہو، تم نے یہ رس چا خوارزم
 شاہ دھلتا جانے سے اور چنگیز جنگ سورج ایک کی دنیا جڑ گئی، دوسرا دنیا پر
 قابض ہے خوارزم شاہ کا جھانکا جھانکا ہے اور چنگیز اس کا تعاقب کر رہا ہے
 خوارزم شاہ کی حکومت اب صرف عام نیل میں ہے، اور چنگیز دیکھتے دیکھتے آدھی
 دنیا پر قابض ہو چکا ہے، باقی پر بھی بہت جلد ہو جائے گا۔

خالقہ: ہاں یہ جو کچھ آپ نے کہا میں نے سنا، میں سمجھی، لیکن سوال یہ ہے کہ ان
 باتوں سے آپ کا مطلب کیا ہے؟

ممن خاں: یہ تم اب تک نہیں سمجھیں؟ — مطلب یہ ہے کہ خوارزم شاہ کو
 چھوڑ دو، اور چنگیز کی بن جانا، بس اور کیا مطلب ہوتا ہے؟
 خالقہ: لیکن یہ مطلب تو خود بخود حاصل ہے!

ممن خاں: وہ کس طرح؟ —

خالقہ: دیوں کہ میں آپ کی قید میں ہوں اور اب اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ
 خوارزم شاہ کے پاس واپس جاسوں!

ممن خاں: ہاں ٹھیک کہتی ہو — لیکن پھر کیوں ہو تو فی سے کام لے رہی ہو؟

خالقہ: میری سمجھ میں اب تک نہیں آیا، کون سی ہو تو فی سرزد ہوئی تھی؟
 ممن خاں: بس تو پھر خوارزم شاہ کو خیال نکالی دو اور دل سے ہماری اطاعت کر لو
 خالقہ: ہاں، کاش آپ دل دیکھ سکتے!

ممن خاں: (کچھ سوچ کر) تو میں یہ سمجھوں کہ تم پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟

فائقہ: اس کا صحیح جواب تو مستقبل ہی دے سکتا ہے لیکن میں صرف یہی کہہ سکتی ہوں کہ مجھے نہ سمجھے، یا اس سے اچھا ہے کہ مجھے غلط سمجھے!
 متن خاں: نہیں ہم نہیں غلط نہیں سمجھنا چاہتے۔ اور فائقہ میں نہیں ایک خوشخبری سناؤں؟

فائقہ: پریشان ہو کر خوشخبری۔۔۔؟

متن خاں: ہاں اور اس سے بڑی اور اچھی خبر نہیں ہو سکتی!

فائقہ: کچھ سچے ہوئے، کہیئے فرمائیے!

متن خاں: مسکرا کر شہنشاہ عالم پناہ جنگیز خاں تمہارے سن وصال سے متاثر ہیں اور واقعی تمہارا حسن ہے بھی قیامت کا! میرا خیال ہے دو تہیں جلد ہی اپنی کہیزان خاص کے گردہ میں شمار کر دیں گے پھر تمہارے عروج کی کوئی انتہا نہیں ہوگی، مجھے بھی تمہارا احاطہ کرنا پڑے گا!

فائقہ: (سجیدگی سے) لیکن میں اپنے "تین" اس قاب میں نہیں سمجھتی، کہاں وہ کہاں ہیں؟ میرے لئے یہ بہت ہے کہ وہ وقت کی روٹی اور تن ڈھکنے کیلئے کمر طاعت رہے، بس تو آپ تو صرف اس کا انتظام رکھئے اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔۔۔!

متن خالد: (دور سے ٹھٹھا لگا کر) یہ انکسار کہ موقع نہیں تمہیں اپنی قسمت سمجھنی چاہئے، اپنے اوپر نازل ہونا چاہیئے کہ دنیا کا سب سے بڑا فاتح اور کشور گشا تمہارے زیرِ نظر کا کھالی ہو تا جادو ہے، دل میں یہ خبر سکرین یعنی خوشحال ہوئی ہوگی لیکن حسینوں کا پندار شہنشاہوں کے بندار سے کم نہیں ہوتا، لیکن

میں کہہ رہا تھا کہ قبل اس کے کہ شہنشاہ فلک بارگاہ کی کنیزوں کے ذمہ و
خاص میں داخل کی جاؤ، تمہیں اپنی وفاداری کا ثبوت بھی تو دینا چاہیے
فالقہ :- انتظار اور اشتیاق کے ساتھ (آپ مجھے کیا ثبوت چاہتے ہیں؟)
متن خاں :- ہم تمہیں رہا کر دیں گے، تم خوارزم شاہ کے لشکر میں جاؤ، اور پھر وہاں
سے آکر اس کی جنگی تیاریوں اور آزمائشوں کے پروگرام پر سپاہیوں کی ترقی و سازش
و سامان جنگ کی کیفیت، ان سب باتوں کے بارے میں ہمیں رپورٹ دو۔
فالقہ :- (دل میں خوش ہو کر) لیکن — لیکن —

متن خاں :- لیکن دیکھ میں وقت ضائع نہ کرو — تم ابھی کہہ رہی تھیں، تاکہ تمہیں
خوارزم شاہ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم؟
فالقہ :- ہاں — اور میں نے سچ کہا تھا!

متن خاں :- یقیناً سچ کہا تھا — اس لئے کہ ایک عورت کو جس طرح جنگی
امور سے خفا الذہن ہونا چاہیے، تم بھی سمجھیں —

فالقہ :- اور کیا — بالکل!

متن خاں :- لیکن اب تمہیں موقع دیا جاتا ہے کہ جاؤ دیکھو، معلوم کرو اور واپس آکر
اسی مسئلہ پر باہزاران تنگیں پیدا کر سکتے ہو جاؤ، جو تمہارا انتظار کر رہی
ہے، تمہارے انتظار میں سوئی ہوئی ہے!

فالقہ :- (مسکراتے ہوئے) ابھی معلوم ہو رہا ہے آپ مجھے بتاتے ہیں!

متن خاں :- تم غلط سمجھ رہی ہو، میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اور یہ تو یہاں سارا ہے
کہ سچ بولنے پر مجبور ہوں!

خالقہ :- خیر سچ ہوا جھوٹ مجھے منظور ہے میں جانے کو تیار ہوں۔
 متن خاں :- بڑی اچھی بات ہے کہ تم نے وہ فیصلہ کیا جو میری مرضی کے مطابق ہے لیکن
 ایک بات یاد رکھو !

خالقہ :- وہ بھی کہہ دیجئے کون سی بات یاد رکھوں !
 متن خاں :- اگر تم نے دھوکہ دیا تو چنگیز خوارزم شاہ سے زیادہ تمہارا دشمن ہو جائیگا،
 اور جس کا وہ دشمن ہو جاتا ہے، پھر اسے دنیا میں کبھی بھی پناہ نہیں مل سکتی !
 — اسے ایسی ذلت بخش اور عبرت انگیز سزا دیکھائی ہے کہ ماہیان دریا اور
 مرغان ہوا کی دہشت کے باعث روح فتنے ہونے لگتی ہے :

خالقہ :- یہ باتیں تو یہاں آئے سے پہلے بھی مجھے معلوم تھیں !
 متن خاں :- میں نے اسے یاد دلائیں کہ مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے۔
 خالقہ :- شکریہ، میں آپ کی اس توجہ اور لوازش کو ہمیشہ یاد رکھوں گی —
 لیکن ایک بات مجھے بھی بتا دیجئے۔

متن خاں :- شوق سے پوچھو، ایک نہیں دس۔
 خالقہ :- کیا شہنشاہ عالم پناہ عورتوں پر بھی رحم نہیں فرماتے؟
 متن خاں :- نہیں — شہنشاہ عالم پناہ کا یہ عقیدہ ہے کہ رحم بہت بڑی انسانی
 کمزوری ہے، دنیا میں یہ جتنا فتنہ فساد نظر آتا ہے اس لئے کہ رحم
 نامی ایک ذہر موجود ہے جو کام کر رہا ہے، اگر یہ رحم شہنشاہ کو مل جائے
 تو اس کے بھی وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیں، قتل کر دیں اسے۔

خالقہ :- لیکن عورت تو بڑی کمزور نہیں ہوتی ہے، اس پر ظلم کرنا یا اس سے انتقام لینا

کہاں تک جائز ہے ؟

ممن خاں :- ذاتی تم بہت بھولی عورت ہو — جب یہ ثابت ہو گئی کہ رحم
مزدہ کی کا دوسرا نام ہے ، تو پھر یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ عورت ذر
میں آتی ہے یا م ؛ کچھ پر تلوار پلٹی ہے یا —

فائقہ :- اکا پن کر ا کچھ پر لکھی ؟ —

ممن خاں :- تم بچہ کو کہتی ہو ہمارے شہنشاہ جب برہم ہوتے ہیں ، یا تعزیر و انتقام
پر تن جاتے ہیں تو وہ جانور دن تک کو —

فائقہ :- (بہت زیادہ سہم کر) جانور دن تک کو — جانور دن تک
کو —

ممن خاں :- جانور تو جانور ہیں پر نہ دن تک کو نہیں چھوڑتے ، انہیں بھی تیرا انتقام کا
ہدف بناتے ہیں ، اردہ پھر پھر اٹتے رہتے ہیں ، دران کا کام تمام
ہوتا رہتا ہے !

فائقہ :- آہ — یا اللہ رحم !

ممن خاں :- پھر وہی لفظ استعمال کیا تم نے جو ہمارے لشکر کے خدا میں داخل
نہیں ہو سکتا !

فائقہ :- اُن — اچھا یہ ذکر چھوڑیے !

ممن خاں :- اچھی بات ہے — تمہارے چہرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ باتیں

سن کر کافی سہم گئی ہو آخر عورت سونا م ڈر لکھی گئی ہوں ، لیکن آپ کو شادی نہیں
ہوئی ، وہاں عورت ہوں ، در یہ سچ کہ ڈر لکھی گئی ہوں ، لیکن آپ کو شادی نہیں

معلوم، عورت جب نذر ہو جاتی ہے تو وہ کسی سے نہیں ڈرتی، خواہ شیم ہو
خواہ ہمارا!

متن خاں:۔ (ہنس کر) لیکن تم تو ان عورتوں میں نہیں ہو؟
فائقہ:۔ یہ نہیں کہہ سکتی۔۔۔ البتہ عورت بہر حال ہوں!
متن خاں:۔ تمہاری باتیں بڑی کھچپ ہوئی ہیں، اچھا اب میں چلوں
اور ہاں تو کب تمہارا سفر سامان تیار کیا جائے؟
فائقہ:۔ جب چاہئے۔۔۔ مجھے آپ ہر وقت پاب رکاب پائیں گے،
متن خاں:۔ کہتے آؤ میوں کا دستہ تمہارے ساتھ جائے گا؟
فائقہ:۔ یہ بھی خوب سوال کیا آپ نے۔۔۔ مہبلا میں کسی کے ساتھ
جاؤں گی؟

متن خاں:۔ تو اور کیا اکیلی جاؤ گی؟۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟
فائقہ:۔ مجھے کیسے ہی جانے دیجئے، تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ میں بھاگ کر آئی ہوں، سبھیوں
کے ساتھ جاؤں گی تو شبہ ہو جائے گا جاسوس بنا کر پھینکی گئی ہوں!

متن خاں:۔ شاباش۔۔۔ تم نے اپنی جان بچالی اس وقت!
فائقہ:۔ (دیران ہو کر) وہ کیسے میری جان کو کیا خطرہ لاحق ہو گیا تھا؟
متن خاں:۔ اگر تم ہمارے سواروں کے ساتھ جانے پر رضامند ہو جاتیں، تو اسکا مطلب
ہم یہی ہے کہ تم بھاگ رہی ہو۔ اور اسی وقت تمہاری گردن اڑا دیتے، لیکن
تمہا جانے پر رضامند ہو کر تم نے یہ عتاب کر دیا کہ واقعی تم ہماری وفادار اور
مطيع ہو۔۔۔ جاؤ اطمینان سے جاؤ، پھر واپس آؤ اور عیش و عشرت

کی زندگی بسر کرو۔۔۔۔۔ ہاں تو کب؟
 فالقہ: جب آپ کہیں کل سہی، حکم ہو تو آج بھی جاسکتی ہوں!
 من خاں: نہیں اس قدر جلد نہیں دیکھے شہنشاہ معظم سے بھی مشورہ کرنا ہے ہدایت
 یعنی ہے پھر نہیں بھیجنا ہے!
 فالقہ: یہ آپ کا کام ہے آپ جانیں میں کچھ نہیں کہتی، صرف اتنا کہتی ہوں مجھے
 کسی وقت بھی جانے میں انکار نہ ہوگا!
 من خاں فالقہ کے ردیہ کو دیکھ کر بہت بے دلی اور تشویش کے ساتھ آیا تھا
 لیکن جب یہاں سے واپس گیا تو بہت ششاشش تھا اور یہ اس بات کا
 ثبوت تھا کہ وہ پورے فوراً پر سلطان ہے فالقہ کے ردیہ سے۔

دیوانہ تھی

فائقہ سیح سلامت خوارزم شاہ کے شکریں پہنچ گئی اور ہاتھوں ہاتھ لگی خود
 حلال الدین کو اس کی بڑی فکر تھی۔ معین الدین اگرچہ بظاہر اس سے دستبردار ہو چکا تھا
 لیکن حالت یہ تھی کہ اس کا اضطراب دیکھا نہیں جاتا تھا، فائقہ کی تلاش میں خوارزم شاہ
 کے حکم سے مجبور ہو کر اور زیادہ تر اپنے دل کے ہاتھوں بے بس ہو کر اس نے دیوانہ دار
 جدوجہد کی کوئی دقیقہ درگذاشت نہیں کیا۔ لیکن وہ یہ ملنا تھا، نہ ملی، آخری مرتبہ
 جب ناکامی کی خبر معین الدین کے سنا سے حلال الدین خوارزم شاہ نے سنی تو ایک
 آہ سرد بھج کر اس نے کہا۔

خوارزم شاہ: وہ ہم پر قربان ہو گئی۔ — وفاداری اور جان نثاری اس پر
 ختم تھی!

یہ کہتے کہتے خوارزم شاہ کی آواز بھرا گئی پھر اس نے رکتے رکتے کہا
 خوارزم شاہ: اور انہوں نے کیا بات یہ ہے کہ ہم کچھ نہ کر سکے، اس کی زبان تک، وفاداری
 نہ کر سکے، — کیا اس سے بڑھ کر بھی سزا ہے؟ کوئی بات ہو سکتی

ہے ہمارے؟

معین الدین نے باحشم پر غم کیا۔

معین الدین: لیکن میرے آقا، میں نے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا
خوارزم شاہ: ہاں ہم جانے ہیں تم نے کوئی دقیقہ فرو گزاشت کیا، تمہاری بھٹک
جو وجہ اور سبب کو شش کا ہمارے دل پر گہرا اثر ہے، ہم نہیں سو رہے، الزام نہیں
قرار دیتے، لیکن اپنے آپ کو برا الذمہ بھی نہیں قرار دے سکتے، وہ بیمار تھی
گزر دھئی تبادلا، اب دہوا کے لئے ہم نے اسے بھیجا تھا، کیا ہم یہ بھی نہیں کر سکتے
تھے کہ خود بھی اس کے ساتھ چلے جاتے، یہ اس کی ونا واری اور جلال شہری
کا کم از کم حصہ ہوتا۔ افسوس ہم یہ بھی نہ کر سکے، اور اس کا ہمیں افسوس

ہے!

معین الدین: لیکن اگر آپ تشریف لے جاتے اس کے ساتھ تو کیا ہوتا؟ ہونے والی
بات ہر حالت میں ہوتی۔

خوارزم شاہ: ہاں ہوتی — لیکن اتنا ضرور ہوتا کہ ہمارا بھی وہی حشر ہوتا جو اس کا
ہوا، ہم بس اتنا ہی چاہتے تھے، اور کچھ نہیں!

اتنے میں صاحبِ دوڑ اور ڈاڑیاں اور اس نے اطلاع دی کہ نائف آگئی ہے،
اور خیمہ کے دروازے پر اذن باریابی کو منتظر کھڑی ہے، یہ سنئے ہی خوارزم شاہ اچھی
جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور صاحب کو کوئی جواب دے کر بغیر بجلی کی طرح دروازے پر پہنچا
نائف سامنے کھڑی تھی!

جلال الدین اس کی طرف لپکا

تم آگئیں ! — تم آگئیں !
 خالفتہ بیتابی کے ساتھ آگے، و خوارزم شاہ کے قدم پر گر پڑی اس نے لرزتی ہوئی
 آواز میں کہا۔

خدا کا فکر ہے میں اپنے آقا کی خدمت میں پہنچ گئی !
 بڑی محبت اور شفقت سے خوارزم شاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا، اور
 بڑے التفات بھر سے لہجہ میں کہا

ہم نے تمہیں بہت یاد کیا۔ ہم بہت شرمندہ تھے تمہاری کم شدگی پر
 اور اب تک شرمندہ ہیں کہ تمہاری حفاظت کا بند و بست جیسا چاہیے تھا کر کے
 خالفتہ : نہیں میرے آقا، حفاظت کے بند و بست میں کوئی کوتاہی نہیں تھی جنت
 کی بات جی گھرایا، اور میں گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کرنے نکل گئی، منظر کچھ
 ایسا مہلتا تھا کہ بڑی دور تک نکلی چلی گئی، واپس آئی تو شہر پر چنگیز کا قبضہ تھا !
 خوارزم شاہ یہ تو کیا تم چنگیز کی قید میں تھیں، وہاں سے آرہی ہو؟
 خالفتہ : سلطان کی روشن ضمیری نے سب کچھ جان لیا، واقعی میں وہیں تھی اور وہیں سے
 آرہی ہوں۔

اب خوارزم شاہ اپنے خیوہ میں پہنچ چکا تھا، اس کے حشم و اہل کا ایسا ادیکھ کر
 معین الدین کھسک گیا، اب خیوہ میں بس یہی دو دن تھے، خوارزم شاہ نے پوچھا
 : تمہارا اور چنگیز کا آمناسا منسا ہوا۔
 وہ مسکراتی ہوئی بولی،

خالفتہ : جی میرا اور اس کا منسا ہوا۔ باتیں ہوئی اور اب اسی کے کام سے

آئی ہوں،

خوارزم شاہ: (حیرت سے) اسی کے کام سے آئی ہو؟ یہ ہم کس طرح باور
کر لیں؟ کیا اس نے کوئی پیام دے کر ہمیں بھیجا ہے؟

خالقہ: جی نہیں پیام دے کر تو نہیں بھیجا لیکن بھیجا ہی لے ہے!
خوارزم شاہ: تو کیا جاسوس بنا کر؟

خالقہ: (سنکر) جی اسی لئے! ————— وہ اب کیز کا بہت اعتماد کرنے
لگا ہے!

پھر خالقہ نے اپنی ساری سرگزشت از اول تا آخر سنا دی!۔ حلال الدین
بڑے عزا و رتوج سے سن رہا، پھر اس نے زیر لب قسم کے ساتھ پوچھا
خوارزم شاہ: تو پھر اب کب ارادہ ہے واپس جانے کا؟
خالقہ: کبھی مسکرا دی،

خالقہ: جب سلطان و الا جاد کا حکم ہو!

خوارزم شاہ: ہماری ہی جاسوسی کر دگی اور ہماری ہی رائے لیکر؟

خالقہ: نہ سمجھ سکی خوارزم شاہ! وہی ہنسی میں یہ بات کہ رہا ہے، وہ سچی واقعی
اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ میں چیلگر کی جاسوس بن کر آئی ہوں، وہ کوئی بات
نہ کر سکی، البتہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی، پھر اس نے بھائی
ہوئی! آواز میں کہا

خالقہ: کیا واقعی آپ کا یہی خیال ہے؟

خوارزم شاہ ہنسنے لگا پھر اس نے شفقت اور محبت کے ساتھ کہا۔

خوارزم شاہ: تم کیسی نا سمجھی کی باتیں کرتی ہو فالقہ؛ بھلا یہ ممکن ہے کہ ہم تمہیں چنگیز
 کا جاسوس سمجھیں؟ — ہم تمہیں جانتے ہیں، تمہاری وفاداری کا ہمارے
 دل پر گہرا نقش ہے، تمہاری جان نثاری کے ہم قائل ہیں، تم پر تو ہمیں اتنا
 اعتماد ہے کہ زہر بھی دو تو ہم یہ سمجھیں گے کہ شربت ہے یہ خیال اپنے
 دل سے نکال دو، ہم نے ایک بات یوں ہی منہ میں کہہ دی تھی —
 لیکن یہ سوال واقعی غور طلب ہے کہ اب تمہیں چنگیز کے لشکر میں واپس
 جانا چاہیے یا نہیں؟ نہیں جاتی ہو تو اب اگر کبھی اس کے ہاتھ آئیں تو
 تو واقعی وہ زندہ نہیں چھوڑے گا!

فالقہ: (بے پروائی سے) میں ایسی موت سے نہیں ڈرتی!
 خوارزم شاہ: لیکن ہم یہ کب چاہ سکتے ہیں کہ خواہ تمہیں خطرہ لاحق ہو —
 عورتوں کو سپر بنانا ہمارا شیوہ نہیں!

فالقہ: (ہراساں ہو کر) تو کیا آپ واپس کر دیں گے کینز کو؟
 خوارزم شاہ: (دسکرا کر) نہیں — تمہیں کوئی چھیننا چاہے تو ہم سینہ سپر
 ہو جائیں گے، لیکن اگر تم نہ گئیں تو وہ یہ مزدور سمجھے گا کہ تم نے اسے دھوکا
 دیا۔

فالقہ: سمجھا کرے — میں تو اب اپنے آقا کے پاس سے کہیں نہیں جاتی میری
 زندگی اور موت جو کچھ ہو گا: وہ یہیں ہو گا!

خوارزم شاہ: (لطف آمیز تبسم سے) ہاں ہم جانتے ہیں کہ تم کتنی ضدی ہو، یہ اندازہ
 ہم نے اسی دن کر لیا تھا، جب تم نے مسین الدین کی درخواست ٹھکرا دی تھی!

خالقہ نے کوئی جواب نہیں دیا، گردن جھکی اور مسکرانے لگی :-

خوارزم شاہ: کچھ یہ بھی معلوم ہے چنگیز کا اب پر دگرام کیا ہے؟
خالقہ: یہ تو میں نہیں جانتی، ہاں اس کے سردار اعظم اور نفس ناطقہ تمن خاں نے
مجھے یہ بتایا تھا کہ اگر پندرہ دن میں واپس آؤ تو بدخشاں میں اور ہیند بھر میں
دراپسی پوتوں تلخ میں فنا!

خوارزم شاہ: (کچھ سوچتے ہوئے) — تو یہ ہے پر دگرام چنگیز خاں کا،

خالقہ: جی ہاں — شاید حملہ کرنا چاہتا ہو گا، ان جگہوں پر؟

خوارزم شاہ: ہاں۔ — یہی بات ہے اس نے ضرور حلہ کا یہی پر دگرام بنایا ہو گا

اس کی مثال اس دیوانے ہاتھی کی ہے جو جنگل میں چٹکھارٹا تھجیتا

درخسوں کو اکھاڑتا، پلوؤں کو روندتا، جانوروں کو کھلتا، پرندوں پر

تلوار کی طرح سونڈ مارتا، لٹکا لٹکا چلاتا ہے، وہ نہ مشرق کو دیکھتا ہے

نہ مغرب کو، نہ شمال کو، نہ جنوب کو، نہ آبادی کو، نہ جنگلی کر، نہ وادی کو، نہ رات

کو، اسے بس ایک ہی دھن ہوتی ہے، ناک کی سیبہ بھڑھکا رہا ہے، اور

جو سامنے تے اُسے کھنکھناتے!

خالقہ: یہی تو وہ کر رہا ہے کم کجنت!

خوارزم شاہ: لیکن کب تک؟ — جب تک خوارزم شاہ موجود ہے، یہاں

سمجھ اس کے ہاتھ میں تلوار نہیں اٹکس ہے۔ آٹکس جو نیزے کی کافی

کی طرح ہاتھی کے سر پر پڑتا ہے اور اس کا سارا کس بن کھان دیتا

ہے ہاتھی دنیا میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا مگر نیبیاں کے اٹکس سے۔

فائدہ : خدا سلطان کو سلامت رکھے ، وہی ہیں جو اس پھرے ہوئے دیوانے باغی
کا مقابلہ کر رہے ہیں لیکن پھر بھی مسلمانوں کو امان نہیں ملتی یہ جہاں جاتا ہے
صفایا کر دیتا ہے ۔

خوارزم شاہ : ہاں — اس لئے کہ وہ بزدل ہے !

فائدہ : بزدل — ؟ — چنگیز بزدل ہے ؟

خوارزم شاہ : بزدل وہ ہوتا ہے جو دوسروں سے ڈرے ظلم وہ کرتا ہے جسے مظلوم
سے کسی قسم کا خوف ہو — لہذا سمجھ لو جو جتنا زیادہ ظلم ہوگا اتنا
ہی زیادہ بزدل اور دوسروں کی عظمت بھی ہوگا !

یہ فلسفہ فائدہ کی سمجھ میں تو کیا خاک آتا وہ سنٹی رہی اور خاموش اپنی
جلگ مٹھی رہی !

خوارزم شاہ : کچھ دیر چپ رہا پھر اس نے حکم دیا کہ حسین الدین کو طلب کیا جائے
دو فوراً آئے تھر ہوا خوارزم شاہ نے اپنی اور فائدہ کی ضروری گفتگو کا خلاصہ سنایا اور کہا
خوارزم شاہ : ان دونوں مقامات پر ہم پہنچیں گے اگر جم کر جنگ نہ کر سکیں گے تو شہزاد
ماریں گے ، یا پھر جنگ منگوا کر لڑتے ہوئے واپس آجائیں گے لیکن یہ گوارہ نہیں
کیا جاسکتا کہ وہ بچ اور بدخشاں کو پالماں کر دے ، وہاں کے مسلمانوں کو
قتل کر ڈالے ، وہاں کی عمارتوں کو دھاوا دے ، وہاں کی رونق مابادی ، سرسبزی
اور رویشیگی کا خاتمہ کر دے ، اور ہم چپ چاپ بیٹھے رہیں ، یہ تو قدرت
کی طرف سے عطا ہوا ہے ، اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے — کیا تم
ہماری رائے سے متفق ہو ، کیا تم تیار ہو ؟

مبین الدین : دل و جان سے — غلام کب آقل کے ایک اشارہ پر جان کی
 بازی لگا دینے میں تامل کیا ہے ؟ ہم ضرور بد نشان اور بچ تک جائیں گے
 اور جب تک چگیر کے منہ پر ایک طمانچہ اور نہ لگالیں واپس نہیں آئیں گے !

بدخشاں!

جینگیز کو لوہر جینگیز سے زیادہ مٹن خاں کو یقین تھا کہ فائزہ آئے گی، اور بامرادائیگی
لیکن جینگیز اپنے پرہیزگار میں انتظار و قنطار و رکھنے کا عادی نہیں تھا، اس نے فائزہ سے
کہہ دیا تھا، اگر جلد آؤ تو ہم بدخشاں میں مٹس گئے، ویر سے آنا ہو تو ہمیں تلخ پس پاناوگی!

چنانچہ اپنے پرہیزگار کے مطابق جینگیز کی فوجیں سب سے پہلے بدخشاں کی طرف
برہیں بدخشاں کے لوگ اس پسند نئے دوسرے دہ جینگیز کی ہیبت اور جلالت سے مرعوب
بھی تھے ان کے علم تھا کہ یہ انسان غاورندہ کس طرح انسانیت کو صوفازن سے مٹا دینے
پر تیار ہوا ہے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جینگیز سے لڑنے اس کا مقابلہ کرنے اور اسے شکست
دینے کیلئے کتنے اور کیسے سامان کی ضرورت ہے۔ لہذا انہوں نے عاقبت اسی میں سمجھی
کہ دروازہ کھول دیں اور امن و امان کے ساتھ اس کی بالادستی قبول کر لیں تاکہ اس
قتل و غارت سے دوچار نہ ہوں جس کا حال وہ سنتے چلے آ رہے تھے۔ اور جسے سن
سکر ان کی روح تحلیل ہوتی جا رہی تھی!

اس قرار داد کے مطابق شہر کے اکابر کا ایک وفد جینگیز کے لشکر میں پہنچا جینگیز

نے خود اس وفد کو شرف باریابی عظیم العزمتی کے باعث رکھا، متن خاں سے کہا کہ وہی اس سے ملے۔

متن خاں نے ارکانِ وفد سے ملاقات کی، اور نرم لب و لہجہ میں کہا: متن خاں، شاید آپ لوگوں نے اعزازہ کو لیا ہے کہ ہم سے لڑنا خدا سے لڑنا ہے! وفد کے ایک رکن نجم الدین نے کہا: ہم نے کون عزروں کو اور صلاح دشوروں کے بعد یہ طے کیا ہے کہ شہر کے دروازے کھول دیں اور آپ اپنے لشکر سمیت تشریف لے آئیں، بشرطیکہ ہماری جان و مال سے تعرض نہ کیا جائے!

متن خاں نے پرشکن پیشانی کے ساتھ کہا: متن خاں، ہم شرائط سننے کے عادی نہیں۔ ہم لوگوں، دسلاطین سے بھی شرط پر بات چیت نہیں کرتے!

شیخ نجم الدین، اچھا تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں، بچوں سمجھئے یہ ہماری استدعا ہے، گداز مش ہے، انجانا ہے، کہ آپ شہر پر قبضہ کر لیں، ہمیں جان کی اماں دیں اور سپاہیوں کو ہدایت فرما دیں کہ وہ ہماری آبرو اور دولت سے نہ کھینکیں۔ (بیک بیک متن خاں کھکھلا کر ہنس پڑا)

متن خاں: ہاں آپ کی یہ استدعا منظور کی جاسکتی ہے! شیخ نجم الدین: تو ہم جا کر اہالیانِ شہر کو مطمئن کر دیں، انہیں بتا دیں کہ ہماری استدعا قبول ہوئی؟

متن خاں: ضرور ضرور — شوق سے بلکہ میں ابھی آپ کو پروانہ امن شہنشاہِ عالم

پناہ کی طرف سے عطا کرتا ہوں۔ اس پر دانہ کے بعد ہمارا کوئی سپاہی نہ کسی گھرمیں داخل ہوگا۔ یہ کسی عورت کو ستائیکا۔ کسی کے مال پر قبضہ کرے گا۔
— بس اتنا ہی نا؟

شیخ نجم الدین: جی ہاں — بس اتنا ہی، ہم یہی چاہتے ہیں، یہ آپ کی بہت بڑی نوازش ہے، جس کا ہم دل کی گہرائی سے شکریہ ادا کرتے ہیں
مثنیٰ خاں: نہیں شکریہ کی ضرورت نہیں،

شیخ نجم الدین: یہ شکریہ میں اپنی طرف سے نہیں، اپنے ساتھیوں کی طرف سے نہیں ان بے گناہ ادبے خطا شہریوں کی طرف سے ادا کر رہا ہوں، جو آپ کی آمد کی خبر سنکر موت و زلیست کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ وہ بے شمار لوگ ایسی کیفیت میں مبتلا ہیں جسے صرف عالم نزع سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

مثنیٰ خاں: ہم نے آپ کا مطلب سمجھ لیا — ہم ان کے شکریہ کو قبول کرتے ہیں اور آپ کی معرفت ان تک اپنا سلام پہنچاتے ہیں۔

اس رسمی گفتگو کے بعد شیخ نجم الدین اپنا وفد لے کر خوش خوش واپس ہوئے۔ جب وہ جانے لگے تو انھوں نے ایک مرتبہ بھر جھک کر ایک مرتبہ مثنیٰ خاں کا اور مثنیٰ خاں کے واسطے سے چنگیز کا شکریہ ادا کیا۔ مثنیٰ خاں نے انھیں رخصت کرتے ہوئے ملاحظت کے بوجہ میں کہا

مثنیٰ خاں: ہمارا لشکر کل علی الصباح شہر میں داخل ہو جائیگا!

شیخ نجم الدین سکوڑے اور فرمایا۔

شیخ نجم الدین: بہ سرچشمہ! — ہم اس کا خیر مقدم کریں گے، اسکے لئے دیدہ و دل

فرس راہ کریں گے۔ بہت اچھا ہوا کہ آپ نے وقت کی تعین فرمادی! اسے
 میں ابھی جا کر اپنے نفا اور اہالیانِ شہر کو مطلع کرتا ہوں، ہم آپ کا اسی
 طرح استقبال کریں گے جس طرح ایک مہرز جہان کا استقبال کیا جاتا ہے!
 اس آخری گفتگو کے بعد شیخ صاحب اپنے ساتھیوں سمیت شہر واپس پہنچے
 شہر والوں پر ایک اضطراب کی کیفیت چھائی ہوئی تھی!

.. نہ جانے کیا فیصلہ ہوا؟

.. نہ جانے کیا جواب ملے؟

اور اگر چنگیز نے وفد کی بات سننے سے انکار کر دیا تو؟
 لیکن شیخ نجم الدین کے پیرو بچے ہی ایک سکون سا پیدا ہو گیا!
 شیخ صاحب کا انتظارِ شہریوں کے سائنڈے جامع مسجد میں کر رہے تھے
 شیخ صاحب نے اپنی ساری گفتگو انہیں لطف سے کرادیں، مسکرا کر
 سنا دی، اس گفتگو سے شہر والے مطمئن ہو گئے۔

ایک صاحب نے کہا

.. بہت بڑے خطرے سے بھلتی ملی!

ایک دوسرے بزرگ نے کہا!

.. خدا کا شکر ہے!

تیسری طرف سے ایک صاحب کی آواز سنائی دی،
 .. بہتر صورت یہ ہے کہ اس خبر کو بڑی جفا کر اعلان کر دیا جائے تاکہ شہر والوں
 کا ہراس دور بہ دور دو آرام کی نیند سو سکیں! — کئی راتیں اسی طرح

جاتے ہوئے لوگوں کی گذر چکی ہے — آخر کب تک؟
 شیخ نجم الدین نے اس بجز سے اتفاق کیا، اور فوراً شہر میں منادی کر دی
 منادی نے واقعی لوگوں پر سکون کی کیفیت پیدا کر دی اور آرام
 کی نیند سوئے! — بلا یوں کہنا چاہیے کہ گھوڑے بیچ کر سو گئے!
 شہر پر سناٹا چھا ہوا تھا!

مرد، عورت، بچے سب بے فکر کی نیند سو رہے تھے!
 وقتاً ایسا معلوم ہوا گویا قیامت صغیرا برپا ہو گئی!
 طرف سے آدہ بکا، فریاد و شیون اور نالا جاکھاہ کی ولد و زھڑپیں
 بلند ہو رہی تھیں!

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی مقتل میں انسانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہو
 اور یہ داخلی قتل عام ہی تو تھا،
 چنانچہ لشکر بدخشاں میں داخل ہو چکا تھا۔
 اسے قطعاً اس کا پاس نہیں تھا کہ یہاں کے شہر لیوں کو رمان دی جا چکی
 ہے، گھر دیں، سر ٹکوں پر، گھیلوں اور چوراہوں پر پانی کی طرح انسانی خون بہایا
 جا رہا تھا۔ ہو گیا مانند آبِ اریاں مسلمانوں کا لہو!

شیخ نجم الدین شور و سنہ گاہ کی یہ دیگر صدائیں سن کر اٹھے کہ کسی طرح پروانہ
 امن سپاہیوں کو دکھا کر اس قتل و خون اور کشت و غارت سے باز رکھیں، پروانہ امن
 ان کے ہاتھ میں تھا، اور جس افسر سے وہ گفتگو کر رہے تھے وہ ان سے کہہ رہا تھا
 یہ کاغذ ہمارے پاس کیوں لائے ہو ہم پڑھنا کب جانتے ہیں!

شیخ صاحب نے اسے کچھ اور سمجھانے کی کوشش کی، لیکن ابھی الفاظ کی زبان تک نہیں آئے تھے کہ دفعتاً ایک خمبہ کی ہوئی تلوار نفا میں بلند ہوئی، اور شیخ صاحب کا لاشہ بے سرامی بجے آب کی طرح تروپ رہا تھا، اس تاتاری انٹر کو یہ منظر کچھ اچھا نہ معلوم ہوا یا اتنا اچھا نہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے آپ کو دہنا بویں زد کہہ رکھا، وہ دو قدم آگے بڑھا اور شیخ کی لاش پر کھڑا ہو گیا، مشعلوں کی روشنی میں وہ اپنے ماتحت سپاہیوں کو مختلف قسم کے ہدایات دے رہا تھا، لوگ کٹ رہے تھے، پٹ رہے تھے اور وہ اس منظر کو اور زیادہ باہمیست بنانے کی تدبیریں سوچ رہا تھا، اس کی آنکھوں کے سامنے بچے، بوڑھے، بیمار، تندرست، مرد و عورت سب ہی موتی گاجر کی طرح کاٹے جا رہے تھے! — شیخ نجم الدین کی لاش اس طرح دبی ہوئی تھی کہ اب دیکھ کر کبھی نہیں سکتی تھی — بے زبان شیخ اور اس کی بے زبان لاش بے کھن!

قریباً صبح تک بدخشاں کے لوگ قتل ہوتے رہے، یہاں تک کہ پو پھٹنے لگی اندھیرا ابھی چھایا ہوا تھا، مشعلیں اب تک روشنی تھیں، لیکن قرینہ یہ بتا رہا تھا کہ صبح ہو چکا ہے۔ اور صبح ہو جانے کے بعد سب سے پہلا کام جو یہ فوج کرے گی وہ ہوگا عمارتوں کو ڈھانا، کتبوں اور مدرسوں اور خانقاہوں کو زمین کے برابر کرنا، مسجدوں میں آگ لگانا، کھیتوں اور کھلیاؤں کو دہندنا اور پامال کرنا!

لیکن ابھی صبح نہیں ہوئی تھی!

ہاں صبح کے آثار ظاہر ہو چکے تھے!

دخشاں قچندہ کی طرح جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز کے لشکر پر گرا اور آتے ہی اس نے مصیف کی مصیف الٹ دیں، اب چنگیز کے سپاہی خوارزم شاہ کے اور دشمن

بچ گئے تھے، وہ جان گئے تھے یہ جرات اور دلیری صرف خوارزم شاہ ہی میں ہے کہ وہ
 شیروں کا لشکر کرتا ہے اور اس وقت کرتا ہے جب شیر خود سکار میں ممدوف ہو تب
 جلال الدین آیا، اور اس کے آتے ہی چنگیز کی صفوں میں تھک پیدا ہو گیا
 وہی لوگ جو اب تک بڑے لطف اور دجسی سے انسانوں کی گردنیں کاٹ رہے تھے
 اب خود زیرِ جناح تھے اور عین میدانِ جنگ میں ان کی گردنیں کاٹی جا رہی تھیں!
 اندھیرا اچھایا ہوا تھا، باتھ کو ہاتھ سجھائی دے رہا تھا، لیکن ابھی اتنی تاریکی تھی
 کہ نہ کو منہ نہیں دکھائی دیتا تھا۔ شبِ شپ تلواریں چلی رہی تھیں، گردنیں کٹ رہی
 تھیں، لاشیں گر رہی تھیں، لیکن رجز تھی کہ قاتل کون تھا یا وہ کس نے کیا تھا؟
 جلال الدین بجلی کی طرح گرا اور آدھری کی طرح صاف نکلا چلا گیا، لیکن
 اسکے جلسے بہت دیر بعد تک بھی لشکرِ آپس میں گتھا رہا، ہر تاتاری سپاہی
 جیبِ سامنے کے تاتاری سپاہی پر تلوار کا وار کرتا تھا، تو یہ سوچ کر کرتا تھا کہ
 میں خوارزم شاہی سپاہی پر حملہ کر رہا ہوں لیکن جب گردنیں کٹتی تھیں، اور گرنے
 والا گرتے گرتے اپنی زبان میں ایک آدھ لفظ کہتا ہوا تھا تھا یہ کیا ہوا؟ ہم نے
 تو اپنے بھائی بند کو قتل کر دیا۔

محبوب علی تھی اور چنگیز اپنے خیمہ کے سامنے پیکرِ جلال بنا کھڑا تھا!

بلخ

اہل بدخشاں کے ساتھ چنگیز نے جو عہد چلی تھی، قہر رت کی طرف سے اس کا بدلہ لیا، خواہ زم شاہ ٹوٹ کر اچانک اس طرح چنگیزی لشکر پر گرا کہ اس کے حواس جاتے رہے، بہت کافی نقصان پہونچا کہ وہ حسب معمول چلا گیا، لیکن چنگیز کو عم دھعہ میں مبتلا کر گیا۔ چنگیز کا معمول تھا کہ وہ کسی شہر کو تباہ و برباد کرنے کے بعد کچھ روز وہاں ٹھہرنا تھا، وہاں کی عمارتوں کو ڈھاتا تھا، وہاں سے غلاموں اور کنیزوں کی ایک کھیپ تیار کرتا تھا، وہاں کی عمارتوں کو ڈھاتا تھا، باقی ماندہ لوگوں کو قتل کرتا تھا، پھر اپنے مستقر پر واپس چلا جاتا تھا یا کسی دوسرے کا منصوبہ زیر عمل لے آتا تھا!

اس مرتبہ وہ اتنا پریشان ہوا کہ وہ ایک دن بھی قیام پذیر نہیں ہوا، جلدی چلا جتنی عمارتیں ڈھائی جاسکتی تھیں، انہیں مہدم کیا، جتنے لوگ قتل کئے جاسکتے تھے، انہیں موت کے گھاٹ اتار اور سیدھا بلخ کی طرف بڑھ گیا، وہ چاہتا تھا بدخشاں کا انتقام بھی بلخ سے لے دو منزلوں کو ایک ایک منزل کرتا ہوا وہ بلخ پہونچا اور شہر پناہ کے سامنے خیمہ زن ہو گیا، بلخ کے لوگ بدخشاں کے مقابلے میں زیادہ من پستادار باوصلہ تھے۔ شہر کے اعیان کی ایک مجلس مشاورت جب اس سلسلہ میں منعقد ہوئی تو

تقریباً متفقہ طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ چنگیز کا مقابلہ کیا جائے، بعض کمزور طبقہ لوگوں نے چاہا کہ اطاعت و انقیاد اور خراج کے وعدے پر جان کی امان حاصل کر لی جائے، لیکن انہی نہ چلی، سناؤندگان شہر کی اکثریت اس خیال پر مضبوطی سے قائم تھی کہ چنگیز سے صلح کی انجام دہی نہیں کرنی چاہیئے، اس لئے کہ وہ صلیح کا احترام نہیں کرتا، وعدوں کا پاس نہیں کرتا بے گناہوں کے ساتھ رعایت نہیں کرتا، جب جان دینی ہی ہے تو کچھ بہادری سے کیوں نہ موت کا مقابلہ کیا جائے، بزدلوں کی طرح کیوں جان دی جائے!

چنگیز کو امید تھی، یہاں بھی وہی ہوگا، جو بدخشاں میں ہوا تھا، یعنی کچھ لوگ آئیں گے اور جان و مال کی امان ملے کر واپس جائیں گے، تا تااری سپاہی بغیر لڑے بھڑے شہر میں داخل ہو جائیں گے، لیکن اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی، تین دن گذر گئے مگر شہر والوں کی طرف سے کوئی کسی قسم کی تحریک نہیں ہوئی، لوگ قلع بند تھے اور بظاہر اس کا احساس بھی نہیں رکھتے تھے کہ شہر پناہ کے باہر کوئی دشمن خیمہ زن ہے یا نہیں، شہر والوں کی یہ بے نیازی دیکھ کر چنگیز کو بڑا غصہ آیا، اس نے متن خاں کو بلایا اور اس سے کہا

چنگیز خاں: کیا ہم یہاں سستانے اور آرام کرنے کیلئے آئے ہیں، متن خاں: (دور کر)

نہیں شہنشاہ عالم ہم یہاں شکا رکو آئے ہیں، شکا رکو کے دایس جائیں گے!

چنگیز خاں: متن خاں میں ہیکر باتیں سنا نہیں چاہتا، صبح گھردم شہر پر خوفناک حملہ پوری شدت کیا تھا کر دیا جائے!

ممن خاہ، یہی ہو گا والا جاہ !
 چنگیز خاں : اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ جنگ طویل ہو، میرے سپاہیوں کو اور انسرول
 کو مطلع کرو کہ کبھی اس جنگ کا خاتمہ ہو جانا چاہیے !
 ممن خاں : ایسا ہی ہو گا، شہنشاہ عالم پناہ !
 اس گفتگو کے بعد ممن خاں تو جنگی تیاریوں کے سلسلہ میں باہر چلا گیا، اور چنگیز خاں
 اپنے خاص خیمہ میں ستر ستر راحت پر دوڑا ہو گیا !

صبح دم جنگ شروع ہو گئی !
 اور یہ جنگ واقعی بڑی ہولناک اور خوفناک تھی !
 تاتاری سپاہی اپنے آفاقی حکم بجالانے پر تے ہوئے تھے، وہ چاہتے تھے چند
 گھنٹوں کے اندر پنج کے اینٹ سے اینٹ بج جائے !
 ادھر پنج کے سر فرزند بھی کھن سر سے باز نہ کراٹھے تھے !
 یہ جاننے لگے کہ اب ہم زندہ واپس نہیں ہوں گے، موت ہمارے دروازے
 تک پہنچ چکی ہے اور وہ تنہا واپس نہیں جائے گی !
 لیکن یہ جاننے کے باوجود وہ موت سے خائف اور ہراساں نہیں تھے
 وہ موت کا مقابلہ کرنے نکلے تھے، اپنی آل و لاد، جائیداد جاگیر دولت مال، ہر چیز سے
 بے نیاز ہو کر وہ لڑ رہے تھے اور اس بہادری سے لڑ رہے تھے کہ تاتاری سپاہیوں
 کے چھکے چھوٹے جا رہے تھے !
 لڑائی کا پہلا دن ختم ہو گیا !

جگ زور پکڑتی جا رہی تھی، مسلمانوں کی تعداد کم سے کم تر ہوئی جا رہی تھی، صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسلام کے یہ نام لیوا اب زیادہ دیر تک قوی تر دشمن کی مساعدت زیادہ عرصہ تک جاری نہیں رکھ سکیں گے، دن ڈھلے ڈھلے تیراج ڈوبتے ڈوبتے ان میں سے کوئی کچھ نہ بچے گا۔

چینگیز اس حقیقت کو سمجھ رہا تھا، اس نے متن خاں سے کہا۔
 ”یہی دقت ہے ایک شدید حملہ دشمن کو پارہ پارہ کر دے گا۔“
 متن خاں بھی سوچ رہا تھا چینگیز کی سنہ پا کر اس نے بڑے زور سے حملہ کیا، اور یہ سوچ کر کیا کہ بس اب مسلمانوں کا خاتمہ ہے!

یچانیک گرد کا بگولہ اکٹھا!
 ذرا دیر میں وہ بگولہ پھٹا تو ہزار ڈیڑھ ہزار سواروں کا ایک گروہ اسطیث
 آتا نظر آیا، دیکھتے دیکھتے یہ گروہ قریب آ گیا اور جنگ کے میدان میں اس نے اپنا
 درجن بچ والوں کے حصہ میں ڈال دیا۔

یہ خوارزم شاہ تھا!
 یہ خوارزم شاہ کی سپاہ خاصہ تھی!
 ان ہزار ڈیڑھ ہزار آدمیوں نے ایسی جیداری سے مقابلہ کیا کہ بڑھے ہوئے
 تاتاریوں کے قدم رک گئے، جیتے ہوئے تاتاری ہارنے لگے! — جو بازی
 تقریباً سر ہو چکی تھی، وہ پھر —
 دقت چینگیز چنگھاڑا۔

”خبردار! یہ خوارزم شاہ ہے —“ یہ بچے نہ اس کا کوئی سپاہی بہ

چنگھاز نے بھٹی بھٹی کی توت تھی، جس نے تاتاری سپاہیوں کے رگ و پے میں
ایک نئی تڑپ پیدا کر دی، ان کا حوصلہ شدت اختیار کر گیا، لیکن خوارزم شاہ کے عزم
کو پامال نہ کر سکا، تاتاری مولیٰ گاجر کی طرح کٹ رہے تھے، یہ ہزار ڈیڑھ ہزار
خوارزم شاہی سپاہی جس طرف کھل جاتے تھے پرے کا پرا حصار کر دیتے تھے،
جوان کے سامنے آجاتا تھا، زندگی سے ہاتھ دھونے پر مجبور ہو جاتا تھا!
یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا — لیکن جنگ جاری رہی!
رات ہو گئی لیکن جنگ کا غامضہ نہیں ہوا۔

اب چنگیز خود میدان جنگ میں تھا اور اپنے سپاہیوں کو بڑھا دے دے رہا تھا!

6

خوب اچھی طرح تار کی پھیل جانے کے بعد جنگ ختم ہوئی!
اب تھا کون جس سے تاتاری جنگ کرتے جس کا گلا کاٹتے، جو لڑنے کی
سکت رکھتے تھے وہ کام آچکے تھے! چنگیز نے ایک لمحہ بھی انتظار نہ کیا، فوراً اپنی
فوج کے ساتھ بلخ میں داخل ہو گیا، اور اس کے داخل ہوتے ہی وہ سب کچھ ہوا
جو تاتاریوں کے داخلے کے وقت ہوا کرتا تھا، پہلے بھی بد خشاں کا بدلہ دینے والوں
سے لینے کا فیصلہ کر چکا تھا اور اب تو اہل بلخ نے مقابلہ کر کے اس کی آتش غضب
اور بھڑکا دی تھی! اور پھر بالائے ستم یہ کہ خوارزم شاہ بھی پہنچ گیا!
رات بھر قتل و غارت، اہتمام اور تخریب کا سلسلہ پوری سفاکانہ اور درندگی
کے ساتھ جاری رہا، دوسرے دن صبح جب سورج طلوع ہوا تو اسے اپنی آنکھوں پر
یقین نہ آیا کہ شام جب وہ غروب ہوا تھا تو بلخ اپنی جگہ پر نہ ہو رہا تھا، اس کی بلند

وبلا اور شاندار عمارتیں موجود تھیں، اس کے زندہ دل اور خوش باش لوگ موجود تھے۔ اس کی خانقاہ اور مسجدیں موجود تھیں، اس کے مکاتب اور مدارس موجود تھے، بازاروں میں چل پھل تھی، گھرؤں میں رونق تھی، لوگوں میں زندگی اور زندہ دلی کے آثار موجود تھے۔ اور آج جب بارہ گھنٹے کے بعد وہ طلوع ہوا تو کچھ دکھایا!

سب کچھ ختم ہو چکا تھا — نہ آبادی تھی نہ رونق، نہ چل پھل تھی، نہ زندگی، نہ زندہ دلی تھی، نہ آثار حیات، نہ عمارتیں تھیں، نہ مکانات، نہ مسجدیں، نظر آرہی تھیں، نہ خانقاہیں،

یا اللہ یا اللہ۔ یہ کیا ہو گیا؟ — سورج نے اپنی جہانگیرہ آنکھوں سے آد آد مائیں دم نہ جانے کتنے اور کیسے ہوشربا اور دلہ روز مناظر دیکھے تھے اور ٹس سے مس بھی نہیں ہوا تھا!

جہنم بالیاردیں خواب پریشاں دیدہ است !
لیکن آج اس کا جی چاہ رہا تھا کہ دے، شاید اسی لئے اگر دعبار کی ادٹ میں اس نے پناہ لے لی تھی، موجود تھا لیکن نظر نہیں آرہا تھا!

اس اگر دعبار کی ادٹ سے وہ جھانک جھانک کر ان لاشوں کو ہر ذرہ دیکھ رہا تھا جنہیں ہر روز وہ تلخ کے سبزہ زاروں اور مرغزاروں میں چلتے پھرتے دیکھتا تھا جن کے سر پہ وسیع چہرہ کو دیکھ کر خود اس میں ایک امنگ پیدا ہو جاتی تھی، ان کی بہادری اور شجاعت کے مناظر دیکھ کر وہ ایسا محسوس کرتا تھا جیسے خود بچہ زورداران کی نشاط و سرور کا حصہ دار ہے — لیکن آج ان کی گردنیں کٹی ہوئی

میں ان کے گھر سے ہوتے تھے۔ ان کے ابن، عیال و قریب کے جارہے تھے یا لڑائی
 و غلام بنائے جا رہے تھے! شاید دو بار عہد الہامی میں یہ دریافت کرنے کے لئے کہ ان
 اسلام پرستیوں کی خطا بھی کیا تھی، جس کی یہ سسرا ملی۔ دو قبل از وقت وہ پرسش ہو گیا
 آج سورج گرہن تھا!

نکلی گرہن !!

معراج آرزو

جلال الدین خوارزم شاہ کی ان پے پے اور تابڑ توڑ یلغاروں سے چنگیز خاں پریشان ہو گیا! — اس نے خیر خاص میں عکس مشاہرت منقذ کی غضب کے آثار اس کے چہرے سے ہو دیا تھے، اس نے متن خاں سے مخاطب ہو کر کہا۔

چنگیز خاں! اتنے دنوں سے ہم ممالک اسلامیہ پر دگھنا ریورش کر رہے ہیں، اتنے دنوں سے خوارزم شاہ ہمارے مقابلہ میں سب سے پہلے ہو کر لڑ رہا ہے۔ اتنے دنوں سے ہم اس سے برسہا برسہا پیار ہیں۔ لیکن آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس طرح تابڑ توڑ اس نے ہمارے لشکر پر ریورش کی ہو، جانتے ہو یہ کس کی حرکت ہے؟

متن خاں سہم گیا، اس کا چہرہ سفید پڑ گیا، اس کی آوازیں لرزشیں پیدا ہو گئی

متن خاں! سب سے پہلے یہ عالم پناہ سے زیادہ کون جان سکتا ہے، وہ دشمن خمیر میں۔۔۔

سب کچھ جانتے ہیں!

چنگیز خاں! یہ فائدہ کی حرکت ہے۔۔۔ وہ یہاں سے جاسوسی میں کر گئی، اور وہاں جا کر اس نے جاری جاسوسی کی، یہ اس کے معلوم تھا کہ ہم بدخشاں

اور تلخ کو تاخت و تاراج کرنے جا رہے ہیں، وہی جانتی تھی، اسے ہم سے کہاں ملنا چاہیے، وہ ملنے نہیں آئی، خوارزم شاہ کو اس نے بھیج دیا۔

متن خاں: بے شک یہ اسی کی حرکت ہے!

چنگیز خاں: (دھڑکے ہوئے) اسی کی حرکت ہے اور ناقابل معافی حرکت ہے! متن خاں: بے شک میرے آقا، یہ بات ہے۔ جس طرح خوارزم شاہ اب کسی رحم کا مستحق نہیں اسی طرح یہ عورت بھی اپنے تئیں ہر عقوبت کا سزاوار بنا چکی ہے!

چنگیز: میں اپنا پردہ گرام ملٹوی یا مسوخ کرنے کا عادی نہیں، ہم آج خراساں کی طرف بڑھ رہے ہیں، وہاں سے طالعان جائیں گے، پھر بامیان کا ارادہ ہے اپنے جاسوسوں کو حکم دے کہ ہر قیمت پر نائف کو خوارزم شاہ کے لشکر سے پکڑ لائیں، چرالائیں، بامیان فتح کرنے کے بعد کچھ ہم وہاں قیام کا ارادہ رکھتے ہیں، وہیں نائف کی قیمت کا فیصلہ ہوگا!

متن خاں: سرکارِ دالاتار، میں یقین دلاتا ہوں کہ بامیان پہنچنے سے پہلے ہی ہم نائف کو حاصل کر لیں گے، ممکن ہے اس کی قیمت کا فیصلہ خراساں یا طالعان ہی میں کیا جائے!

اور جس وقت چنگیز اور متن خاں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں، نائف اپنے خیمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھی رہ رہ کر، گڑ گڑا کر اپنے معبود سے دعائیں مانگ رہی تھی۔ اسے دلوں کا بھید جاننے والے معبود میرا وجود دکھا رہے، کوئی تدبیر نہیں رکھتا، قسمت نہیں رکھتا، میں دنیا سے اٹھ جاؤں تو زمین کا ایک بوجھ کم ہو گا، دنیا میں کوئی

کمی نہیں آئے گی، دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہوگا، بارالہا مجھے اٹھالے، لیکن اپنے مجاہد
 بندے خوارزم شاہ کو بچالے، اسے زندہ رکھو، وہ چنگیز نے اس لئے نہیں لڑا ہے کہ
 اپنی بادشاہت چاہتا ہے، اس لئے لڑا ہے کہ وہ تیرا دشمن ہے تیرے دین کا دشمن ہے
 تیرے پرستاروں کا دشمن ہے، تیرے آخری پیام قرآن کا دشمن ہے، مسجدوں، مدرسوں
 اور مکتبوں کا دشمن ہے، وہ اسلام کو مٹا دینا چاہتا ہے، مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینا
 چاہتا ہے، کوئی ایسی نسل اس دنیا میں باقی رہے، دنیا بھر بکھرا، جو تیری اور تیرے
 دین کی یاد دلانے والی ہو، اور چنگیز بے نفع، بیل کی طرح سرزمین عالم پر گھوم رہا ہے
 جن سے خبردار نہ ہوتا ہے وہ اگر دن بھر کا دیتے ہیں جن کی طرف متوجہ نہیں ہوتا،
 وہ عیش پرستیوں، سرستیوں اور رنگ رینیوں میں سب کچھ فراموش کئے ہیں، وہ فکر
 امر و نہ علم فرما رہے ہیں ایک یہ تیرا منجھلا بند، خوارزم شاہ ہے، جو صفت اس لئے زندہ
 ہے کہ چنگیز کو اور اس کی شیعہ لائی قوت کو نیست و نابود کر دے، تاکہ اسلام قائم رہے
 مسلمان زندہ رہیں، تیرے آخری پیام قرآن کی تبلیغ ہوتی رہے، اے محبوبہ اگر خود خوارزم شاہ
 مر گیا تو چنگیز بے لطف بھڑے مسلمان ملک پر قابض ہو جائے گا، یہی ایک سنگ گردن
 ہے جو اس کی راہ میں حائل ہے، اس کے بعد کوئی رک باقی نہ رہے گی، وہ نیل بے زنجیر
 کی طرح بے رک ٹوک بڑھتا رہے گا، وہ مسلم حکومتوں کا تختہ الٹا رہے گا، میرے محبوب
 میرے مالک، میرے رب رحم فرما، خوارزم شاہ کو اچھا کر دے، وہ فوج کے معرکوں سے
 زخمی ہو کر آیا ہے، کبھی صفاک تانہاری کی تلوار نے اس کے سر اور شانہ کو زخمی کر دیا
 ہے، خون ہے کہ رستا ہی رہتا ہے، رکز دردی ہے کہ بڑھتی ہی جاتی ہے، وہ آنکھ
 کھل کر روشن اور تابناک چہرہ کھلتا جا رہا ہے، ماند پڑتا جا رہا ہے، اگر وہ نہ رہا تو

کیا ہوگا میرے محبوب پر نہیں نہیں میری جان لے لے، لیکن اسے زندہ رکھو، اسے زندہ رہنا چاہیے!

یہ دعا مانگتے مانگتے فالقہ پھوٹ پھوٹ کر سجدہ ہی میں پڑے پڑے رونے لگی، جب ذرا طبیعت سنبھلی تو وہ خوارزم شاہ کے خیمہ میں پہنچی، سردار شانہ پر سفید پٹیاں بندھی ہوئی تھیں، اور وہ سوراہا تھا، جب سے رخ کے موہک سے وہ زخمی ہو کر آیا تھا، فالقہ نے اس کی تیمارداری میں دن رات ایک کر دیئے تھے، صبح شام انکی پٹی سے لگی بیٹھی رہتی تھی، یوں تو معین الدین اور دوسرے سحر بان بارگاہ بھی ہر وقت اس دوا دہش میں لگے رہتے تھے، لیکن فالقہ کی بات ہی اور تھی اس نے تو دائمی اپنے آپ کو بھگان کر دیا تھا، ان چند دنوں میں اس کی آب جاتی رہی تھی، اس کی رعنائی میں فرق آ گیا تھا، وہ نہ محال ہو گئی تھی اور بیمار معلوم ہو رہی تھی، کبھی کبھی دوسروں کے اصرار سے مجبور ہو کر کھوڑی دیر کے لئے اپنے خیمہ میں چلی جاتی، لیکن یہاں پہنچ کر بھی آرام نہ کرتی، مصلے بچھاتی اور سجدہ میں گر پڑتی،

خوارزم شاہ نے فالقہ کی چاب من لی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا پھر آنکھیں بند کر لیں، فالقہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی، ساتھ پر ہاتھ رکھ کر بخار کا اندازہ کیا، ہاتھ ہاتھ لیکر نبض دیکھی، پھر اپنی جگہ پر چپ چاب بیٹھ گئی، کھوڑی دیر کے بعد خوارزم شاہ کے منہ سے آواز نیکی،

پانی — پانی —

فالقہ بجلی کی سی تیزی اور سرعت کے ساتھ اٹھی، اس نے حملہ پورا بھی نہ ہونے دیا، پانی لیکر اپنے آقا کی بائیں پر پہنچ گئی، خوارزم شاہ کو اس نے سہارا دے

کر پانی پلایا اور پھر اپنی جگہ پر چپ چاپ بیٹھ گئی، خوارزم شاہ نے اسے محبت بھری
نظروں سے دیکھا اور کہا،

خوارزم شاہ :- فائقہ — یہاں آؤ، قریب، بالکل پاس!
دہ بالکل قریب اگر بیٹھ گئی!

خوارزم شاہ :- بیارہم ہیں لیکن جہر، تہار اترا ہوا ہے — کیا تم بھی کچھ بیمار ہو؟
فائقہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، اس نے کیفیت پر ہر مشکل غالب
اتنے ہوئے کہا

فائقہ :- کبیر کی زندگی آفا کی زندگی سے الگ نہیں ہوتی، آفا کی خوشی سے وہ خوش ہوتی
ہے، آفا بیمار پڑتا ہے تو وہ بھی اپنے آپ کو بیمار محسوس کرنے لگتی ہے
اور پھر آفا بھی کیسا، جیسے آپ!

خوارزم شاہ :- مسکرا کر کیا بات ہے ہم میں؟
فائقہ :- جو دوسروں میں نہیں،

خوارزم شاہ :- نہیں فائقہ میں اپنی کمزوریاں معلوم ہیں یہ تمہاری محبت اور شفقت
کمزوریاں نہیں دیکھتیں خوبیوں پر ہی — اگر وہ ہوں — نظر
رکھتی ہو!

فائقہ :- لیکن میرے آفا آپ کی تعریف تو دشمن بھی کرتے ہیں، دشمن بھی جس کی تعریف
پر مجبور ہو جائیں، کیا اس میں کمزوریاں ہو سکتی ہیں؟

خوارزم شاہ :- ہاں ہو سکتی ہیں، میں جب اپنی کمزوریوں کو یاد کرتا ہوں تب مجھے شرم آنے
لگتی ہے اپنے آپ سے!

فائقہ : نہ جلنے کس کمزوری کا آپ ذکر فرما رہے ہیں؟
 خوارزم شاہ : وہ ہتیس بھی یاد ہوگی، بلکہ نقشِ ہوگی تمہارے قلبِ نازک پر!
 فائقہ : میرے آقا میں اب تک نہیں سمجھی کہ آپ کس کمزوری کو یاد کر رہے ہیں؟
 خوارزم شاہ : ہم ایک روز ہتیس میں الدین کو بچھٹے دے رہے تھے، اور شاید اسی روز
 ہم ہتیس آزاد کرنے پہنچ گئے تھے۔۔۔۔۔ یہ ہماری سب سے
 بڑی کمزوری تھی، شاید ناقابلِ معافی۔۔۔۔۔ سچ کہو فائقہ کیا تم نے
 صاف کر دیا ہیں؟

میرے آقا یہ نہ کہیے مجھے یہ کچھ نہیں یاد، مجھے تو صرف یہ یاد ہے کہ میں نے
 حسین الدین کی کینز منے سے آقا کی مرضی کے باوجود صاف نکال کر دیا، میں نے آقا کی دی
 ٹی آزاد دی گوگنا سخا سے ٹھکرا دیا، لیکن میرے آقا نے اس گستاخی، اس بے ادبی
 صلب مجھے ایک سہم کی صورت میں عطا فرمایا اور یہ نقش اتنا گہرا بن چکا ہے کہ جتنا جتنا
 کھرتی ہوں اتنا ہی اتنا یہ ابھرتا آتا ہے، میری حیثیت ایک معمولی کینز سے
 نہ نکلی، لیکن میرے آقا نے مجھے جس طرح نوازا، اس نے میرا رتبہ بلند کر دیا
 دنیا میں سرفراز کر دیا، مجھے محمود بنا دیا، لوگ رشک کرتے ہیں مجھ پر کیا میری زندگی
 کا یہ سرمایہ معمولی ہے؟

خوارزم شاہ : (سکرا کر) ہاں معمولی، بہت معمولی، بالکل سچ!
 فائقہ : یہ نہ کہیے یہ میرا سب سے بڑا سرمایہ ہے، یہ میری سب سے قیمتی پونجی ہے
 یہ ایسی گراں مایہ ستارہ ہے جس سے میں کبھی دستبردار نہیں ہو سکتی،
 میرے لئے اتنا پس ہے، اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں چاہیے!

میں نے انعام پالیا، مجھے صلہ مل گیا۔ وہ صلہ جسے بجا طور پر حاصل حیات
کہہ سکتے ہوں!

خوارزم شاہ: فائدہ تم بڑی اچھی ہو، تمہاری یہ باتیں سنکر تمہاری عالی ظرفی، بے زحمت ہو گئی،
اور شرافت کی یہ باتیں سنکر ہمارے دل میں تمہاری عزت اور بڑھ گئی۔ دعا
کہ خدا ہمیں اچھا کر دے تاکہ ہم حسب وخواہ تلافیِ مافات کر سکیں۔
ہم ضرور تمہیں آزاد کر دیں گے۔ تاکہ تم سے نکاح کر لیں!
فائدہ کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی، اس نے گردن جھکا لی،
کتنی اچھی لگ رہی تھی وہ اس وقت؟

دردِ سرا!

فائقہ کو وہ چیز مل گئی جو اس کی امید اور توقع سے کہیں زیادہ تھی۔
 بے شک وہ دل ہی دل میں اپنے آقا کو پوچھنے لگی تھی، آقا کی صورت اور سیرت اس کے
 دل میں کھب گئی تھی۔ اس کے مجاہدانہ کارنامے اس کے خلوص، للہیت، جرات، دلیری
 اور دلادری نے اس کے کمزور دل کو فتح کر لیا تھا، محبت اور عشق اس کی کیفیت کو ظاہر نہیں
 کر سکے جو اس کے دل کی تھی، وہ اپنے آقا کے ایک اشارے پر اپنی جان کی بازی لگا سکتی
 تھی۔ آج اس کی پوشیدہ پرستش رنگ لائی۔ اسے اپنی ریاضت کا پھل مل گیا، خوارزم
 شاہ نے اعلان کر دیا کہ وہ صحت ہونے کے بعد پہلا کام یہ کرے گا کہ اسے آزاد کر کے
 جبالہ عقد میں لے آئے گا!

فائقہ اپنے خیمہ میں پہنچی تو سبز، محشر ستاں جہانات بنا ہوا تھا، نئی نئی تنائیں
 اس کے دل میں چل رہی تھیں، نئی نئی آرزوئیں۔ جن کی انہیں خبر نہ ہو سکی تھی
 اب تک۔ اس کے ہناؤ خانا، قلعہ سے ابھر کر لاشعور کی دنیا سے کل کر شعور
 کی دنیا میں قدم رکھ رہی تھیں۔ اب تک اس نے کبھی نہ سوچا تھا کہ وہ جہاں ہے

اس سے آگے بھی بڑھ سکتی ہے، وہ اسی کو اپنی معراج سمجھتی تھی کہ آتما کے دامن سے لپٹی رہے اور اسی طرح زندگی کے دن گزار دے لیکن آج اسے معلوم ہوا، وہ احساس کمتری کا شکار تھی، وہ جو کچھ تھی کم تھا، جو کچھ ہونے والی تھی یہی اس کا اصل استحقاق تھا۔ اب تک وہ فائدہ تھی خوارزم شاہ کی کینز دل میں سے ایک کینز اب وہ خوارزم شاہ کی حرم سرا میں، بیوی کی حیثیت سے داخل ہوگی، اب تک خوارزم شاہ کے علاوہ بھی وہ بہترین کا ادب کرتی تھی، اب خوارزم شاہ کے علاوہ سب اس کا ادب کریں گے۔ اب تک اس کی زندگی حسرت و یاس کا دیر انداز تھی، اب اس کی زندگی کی آرزوؤں اور تمناؤں کا آفتاب طلوع ہوگا، اور اس کی جگہ گاہٹ سے دل روشن ہوگا، روج منور ہوگی، زندگی کا راستہ تانبدہ تر ہو جائے گا!

وہ انہی خیالات میں کھوئی تھی کہ نہ جانے کہاں سے راضیہ ٹپک پڑی، راضیہ اس کی بڑی عزیز اور ہم دم و مساز ہیل تھی، وہ خود گھنٹوں اور پہروں اس کے ہاں بیٹھا کرتی تھی، اور گھنٹوں اور پہروں اپنے ہاں اسے اصرار کر کے بٹھاتی تھی، ہمیں ہدین نے خائفہ سے ناامید ہونے کے بعد راضیہ سے تجویذ الفت کر لی تھی، خائفہ کو نہ پاسکے گا اسے غم تھا لال تھا، دکھ تھا، لیکن وہ اس کے کردار اور سیرت سے اتنا متاثر تھا کہ اس غم اور لال کے باوجود اس کی عزت کو اپنے دل سے دیکھ چکا جو خائفہ نے اپنی آن اور خودداری سے اس کی عزت کو اپنے دل سے دھن سے راضیہ کا ہر چکا تھا بلکہ اسے حبالا عفرین بھی دیکھ کر دل ہی کرتا تھا، و کجائی کرتا تھا، خاطر داشت میں کوئی دقیقہ فرد گذشت نہیں کرتا تھا اس سے بہت زیادہ محبت اور ملاحظت کا برتاؤ کرتا تھا، لیکن خائفہ کی کھٹک اب تک اس کے دل سے گئی نہیں تھی، ایک اندیشہ اسے یہ بھی

تھا کہیں فائدہ راضیہ سے اس کے اظہار عشق کی داستان نہ کہ بیٹھے، لیکن راضیہ کو کسی وقت یہ شبہ تک نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس راز سے واقف ہے۔ اس وقت سے اس کے دل میں فائدہ کی منزلت اور زیادہ کر دی گئی تھی، دوسری بات یہ تھی کہ راضیہ سے شادی کے بعد سے فائدہ میں وہ رکاوٹ اور کھینچاؤ باقی نہیں رہی تھی، جو پیدا ہو گئی تھی، بلکہ اب وہ پہلے سے زیادہ اپنائیت اور محبت کے ساتھ اس سے ملتی تھی، اور اس طرح ملتی تھی جیسے ماضی کی کوئی بات بھی اسے یاد نہیں یا اگر یاد ہے تو اس کا کوئی تلخ پہلو اس کے سامنے نہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگرچہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ خوارزم شاہ روز بروز فائدہ کی طرف زیادہ ملتفت ہوتا جا رہا ہے، اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ یہ اتفاقات رنگ لائے بغیر نہیں رہے گا، پھر بھی فائدہ میں نہ رعوت پیدا ہوئی نہ تکبر بلکہ فرد تنی اور انکسار کا مادہ پہلے سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ان سب چیزوں نے دل جل کر اس کے دل میں فائدہ کی وقعت سے چند بڑھادی تھی اسے اپنی محرومی کا اثر محسوس کر رہا تھا لیکن فائدہ سے اس محرومی کی کوئی شکایت نہیں تھی!

تم سے بچا ہے مجھے اپنی تباہی کا گھو

اس میں کچھ شائبہ اخو بی تقدیر بھی تھا

فائدہ شاید اس کی مذمت آمیز کمزوری کو محسوس کرتی تھی، اسی لئے وہ اس طرح پیش آتی تھی، جس سے میں اللہ جن کو کسی قسم کی بدگمانی یا غلط فہمی کا شائبہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا راہب اور اس سے بڑی دیر تک فائدہ کے متعلق باتیں ہوتی رہیں، وہ دونوں متحابہ و ذکر چہرہ باتواص میں کھوجاتے، دونوں کی حالت یہ تھی کہ اس کی تعریف و توصیف کے بیان میں ایک دوسرے سے سیقت لے جانے کی کوشش کرتا جن پہلوؤں پر راضیہ کی نظر تھی

انہیں وہ منے لے کر بیان کرتی تھیں پہلوؤں پر حسین الدین کی نگاہ تھی نہیں وہ بتا کرتے کہتے دیکھنا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ عورت اپنے محبوب یا شوہر کی زبان سے کسی دوسری عورت کی تعریف خواہ وہ کتنی ہی اچھی ہو نہیں سکتی لیکن اس کو یہ اگر استثنائاً وہ قائلہ کی ذات تھی، حسین الدین کتنی ہی دیر تک قائلہ کی شان میں تنقید پڑھتا رہے لیکن کیا چلے کہ راضیہ کہیں سے بھی بدگمان ہو جائے بلکہ جو کئی حسین الدین کے بیان سے رہ جاتی تھی وہ خود راضیہ اپنی باتوں سے اپنے بیان سے پوری کر دیتی تھی۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے راضیہ اور قائلہ دونوں ایک دوسرے کے بخشنی جذبہ سے آشنا تھیں اسی لئے دونوں میں جب طغانات ہوتی تو بہت کھل کر ہوتی تھی۔۔۔ شب فراق کی طرح ان دونوں کی طغانات طویل سے طویل تر ہوتی چلی جاتی تھی لیکن اس وقت قائلہ کو راضیہ کا آنا کچھ اچھا نہ لگا وہ دل ہی دل میں زبان حال سے کہہ اٹھی!

آئے تو باں خدا کرے پر خدا کرے کریں!

اس وقت اپنے خیالات میں گھڑی ہوئی تھی اپنی آنکھوں میں گرفتار تھی دل سے جدا جانے کو کون سے مسائل طے کرتی تھی اس وقت اسے تجلید کی ضرورت تھی کیوں نہ کی ضرورت تھی حضور قلب کی ضرورت تھی اور ان سب چیزوں میں گھنٹت ڈالنے کیلئے راضیہ آگئی سو ادر ادر اور کمال کے اور کچھ نہیں کہے گا لیکن یہ خیال کی دنیا ہم ہم کہہ گئی کیونکہ اسے خلوت چاہیے اس وقت! — اسے میں راضیہ بالکل پاس پہنچ گئی اس نے دیکھا قائلہ لیٹی ہوئی ہے چہرے سے کچھ پریشانی ہو رہا ہے وہ آئی اور ایکٹنگ کرتے ہوئے اس نے کہا

راضیہ! اسے میں قربان دشمنوں کا چہرہ کہے گا تو ایسا ہے اس وقت؟

خالقہ : (درد ادا کھاتی ہے) سر میں درد ہے
 راضیہ : ہم تو درد کی پروا نہیں کرتے ، اور تم درد سے بے حال ہوئی جاتی
 ہو؟ — — — حوصلے کا ملو !

خالقہ : تمہارے دردوں کا علاج اب تک ہے ، اور میرے درد سر کا علاج غار بنی !
 — — — لہذا حوصلے تم کام لو ، اور چپ رہو !

راضیہ : میں سمجھ گئی ، اس دلت عالم بال کی سیر ہو رہی ہے ، یعنی عالم خیال کی !
 خالقہ : ہاں — — — پھر نہیں کیا؟

راضیہ : کچھ نہیں — — — آج ہم نے اپنے ہاتھ سے ایک بڑے مزے کی چیز پکا لی ہے
 بیز نہیں کھائے ، ہمیں کھانا حرام ہے — — — چلو۔

خالقہ : میں نہیں جاسکتی ، اس حالت میں بھلا کچھ کھاؤں گی؟ ایسا ہی ہے تو میں بھیج دو
 جب جھوک لے گی کھاؤں گی !

راضیہ : جی نہیں یہ نہیں ہوگا ، آپ کو چلنا پڑے گا ، ہمارے ساتھ۔

خالقہ : میں نہیں جاتی — — — بڑے درد سے سرد رکھ رہا ہے !

راضیہ : اچھا میں وہاں دھاتی ہوں ابھی ٹھیک ہو جانے گا !

خالقہ : بخشو — — — مجھے اپنا ہر تڑپانا نہیں ہے !

راضیہ : (سکڑا کر اٹھاتے ہوئے) چلو نا — — — وہ بھی بڑی دیر سے انتظار کر رہے

ہیں ، ہمارے سینہ الدین صاحب بہادر

خالقہ : (سکڑا کر) کیوں ری بولٹیز شوہر کا مذاق اڑاتی ہے؟

وہ بھی تو مجھے ٹکلیوں میں اڑاتے ہیں — — — میں مذاق بھی

داڑاواں — اچھی انیس اعتراف کرنے والی!
 راضیہ نے یہ بات کچھ ایسی سادگی اور معصومیت کیساتھ کی کہ فالقہ کو ہنسی آگئی
 اس نے کہا۔

فالقہ — بڑا شہر یہ ہو — خدا کی پناہ!
 راضیہ — خدا کی پناہ — کوئی اہم شہر ان میں؟
 فالقہ — اور کیا ہزارہ — شہر ان میں سے پناہ مانگتا ہوگا،
 راضیہ — اور تمہیں تو سب سے کہتا ہوگا!
 فالقہ کو پھر ہنسی آگئی۔

فالقہ — سچ کہتی ہوں، سرکار درد اور بڑھ گیا، اس وقت جاؤ راضیہ!
 راضیہ — کہیں گئی نہ ہوں، نہیں لے کر جاؤں گی، اٹھ چلو چلو، ابھی داپس چلی
 آنا!

فالقہ — کیسے چلوں، کچھ بھی آرہے ہیں،
 راضیہ — ان باتوں سے کام نہیں چلے سکتا، تمہیں چلنا پڑے گا، درندہ —

فالقہ — دھکیاں نہ دو — اچھا تم چلو میں آتی ہوں،
 راضیہ — خبی مجھے انتظار کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہو رہی ہے، میں آرام سے بیٹھی
 ہوں، آپ جتنی دیر تک سنا ناچا مانتی ہوں سنا لیتے، پھر میرے ساتھ
 چلیے!

فالقہ — کسی کی طبیعت تو سمجھا کر دہر دقت نہ دہر دقت شرارت!

راضیہ یہی شکایت تو نہیں تم سے ہے، ہم کس محبت سے تمہیں لینے دے ہیں
اور تم ہو کہ خواہ مخواہ ازاد رہی ہو چارے نازک سے دلی پر ٹھوکریں ٹگڑی ہو
بھلا کوئی کرتا ہے دنیا میں۔

فائقہ: اللہ ری عورت — واقعی کچھ سے جتنا مشکل ہے!
راضیہ: تو پھر اٹھ مٹھری ہو، خدا کا نام لے کر — جب ایک کام کرنا ہی ہے
تو اسے خوش دلی سے کرنا چاہیے، پریشان ہو کر اور دوسروں کو پریشان
کر کے اسے انجام دینے سے کیا فائدہ!

فائقہ: شکریہ اس بزرگ و نصیحت کا — چلے، تشریف لے چلے!
بادل ناخواستہ فائقہ کو راضیہ کے ساتھ جانا پڑا۔ وہاں حسین الدین انتظار
کرتے کرتے پریشان ہو گیا تھا، فائقہ سے تو کچھ کہہ نہ سکا، راضیہ پر برس پڑا
حسین الدین: ہر کام میں دیر لگا دیتی ہو، اس سخیال تو کیا ہوتا کہ ایسی انتظار کر رہا ہو گا
راضیہ: دھو بی سے جتنے نہیں، گدھے کے کان..... اس سے
کہو فائقہ خانم سے کہیں اس بیٹے میں درد ہونے لگا تھا، کبھی حکمران نے
لگے تھے، کبھی دل گھولنے لگا تھا، میں سب بیمار بہتے اتنی ذرا سنی دیر میں
چونکا کر کے لائی ہوں، اس پر شکریہ تو ادا نہیں کرتے بلکہ دے گئے۔

اللہ کا تیسرے ہو میں، دیکھو پھر گیا۔

حسین الدین نے فائقہ کی طرف دیکھ کر سہ دھمک کر دیا۔

فائقہ کی جیت

دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ پر پریم فتح تھرانے کے باد جو دھینگیز
معلوم تھا!

دھینگیز کا دیں علم کے نیروں سے چھٹی ہو چکا تھا اور یہ تیر چلانے والا خوارزم شاہ
تھان نیروں کو کوئی سپہ نہیں روک سکتی تھی، ان نیروں نے اس کا سپہ چھلنی کر دیا تھا۔
بڑے شہروں کو نیست و نابود کر دینا تھا، نلک ہر بہت اور نلک شکوہ عارتوں کو مٹی
کا ڈیر بنا دیا تھا۔ بستیاں کی بستیاں اجاڑ دیتا تھا لیکن وہ ایک مور ضعیف، ایک شہنشاہ
— خوارزم شاہ — کو دے سنا سکا۔ اس کی تمام قوت و طاقت خوارزم شاہ کو
کچلنے میں ناکام رہی۔ عہد ناکامی پر وہ اور زیادہ جو شش خود شش کیساتھ کسی نے شہر
کی طرف بڑھا تھا اور سارا غصہ دباں کے باشندوں پر اتارتا تھا، غم میں جو چوٹ
اس نے کھائی تھی، اسے سہلاتا ہوا اپنے فیلم اٹان لشکر کے ساتھ خراسان
اور طالقان کی طرف بڑھا اسکا ادا وہ تھا کہ ان دونوں جگہوں پر وہ ایسی طاقت بردار تھا
کہ ملک الموت کے ہاتھ لوگوں کی روح قبض کئے کئے تک جائیں گے اور بہت ارہوں کی مقبرا

بنا ہوا اپنے لشکر کے ساتھ مجنوناہ آگے بڑھ رہا تھا !

خوارزم شاہ بڑی حد تک تندرست ہو گیا تھا ، خمیوں کی پٹیاں کھل گئی تھیں لیکن جو کھان پڑھی تھی وہ ابھی تک کمزور تھی ، عام کمزوری بھی ، کبھی باقی تھی لہذا علالت کی رفاقت اب تک قائم تھی ، خیال تھا کہ ہفتہ عشرہ میں وہ بالکل تندرست ہو جائے گا ۔ حسب معمول دوا لیتے پر دراز تھا ، فالقہ اس کے قدموں سے لگی بیٹھی تھی اور وہ اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا ، سین الدین بھی ابھی کھڑکی دیرونی کسی کمرے آیا تھا ، اپنے آقا کے پاس پہنچ گیا تھا ، خوارزم شاہ تندرستی کے پردرگام بنا رہا تھا ، اس صبح چنگیز کا مقابلہ کرے گا ، اس طرح مسلمانوں کی شیرازہ بندی کرے گا ، اس طرح ہمدانی ملک میں ایک جیتی پیدا کر کے ان میں تاناری لیگا ، کاترکی تبرکی جواب دینے کا دور پیدا کر دے گا ۔

یہ باتیں کامل یکسر ٹی اور انہماک کے ساتھ ہو رہی تھیں کہ خوارزم شاہ کے جاسوس حاضر ہوئے ، انہیں حکم تھا کہ جب وہ اس آئیں تو فوراً شاہی خیمہ میں پہنچ جائیں کسی کو اجازت نہیں تھی کہ انہیں روکے یا باز پرس کرے ، خوارزم شاہ انہیں دیکھتے ہی بہتر پر لپٹ کر بیٹھ گیا ، اس نے کہا :

خوارزم شاہ : تم کہاں سے آ رہے ہو ؟ — کوئی نئی خبر ؟

ایک جاسوس نے بواہب ہو کر عرض کیا :

جاسوس : غلام چنگیز کے لشکر سے آ رہا ہے !

خوارزم شاہ : چنگیز کے لشکر سے — ہوں ! — اب وہ کہاں ہے !

کس طرف بڑھ رہا ہے؟ کیا ارادہ ہے اس کا؟
جاسوس: سلطان معظم، اب وہ خراسان اور طالقان کی طرف آندھی اور طوفان کی
کی طرح بڑھ رہا ہے:

خوارزم شاہ: دیکھو، از سے خراسان کی طرف؟ ————— طالقان کی
طرف؟

جاسوس: جہاں پناہ اسی طرف!
خوارزم شاہ: وہ چاہتا ہے کہ ان علاقوں کو برباد کر دے، یہاں کے مسلمانوں کو کشتہ آتش
ستم بنائے؟

جاسوس: بیشک سلطان عالم پناہ اس کا ہی مقصد ہے!
خوارزم شاہ: لیکن جب تک جوں اورین خوارزم شاہ زعم ہے، اس کی یہ حسرت نہیں پوری
ہو سکتی!

جاسوس: وہ دنیا میں کسی سے اتنا خائف نہیں جتنا میرے آقا سے!
خوارزم شاہ: مہین الدین کو چچا کا سامان کر د!
فائقہ: قدموں سے بہت گئی!

فائقہ: میرے آقا —

خوارزم شاہ: (دور زور سے) مہین الدین کو چچا کا سامان کر د!

فائقہ: میرے آقا آپ ابھی کزور ہیں..... بہت
کزور!

خوارزم شاہ: لیکن میرا دل مضبوط ہے میرے حرم دارادہ میں ذرا ابھی کزوری!

— ذرا غصے لے پکار رہا ہے۔ میں نہیں ٹھہر سکتا، میں جاؤں گا مگر زہر جلاؤں

خاندان میرے آقا میرے مالک خدا آپ کو تندرست کر دے، وہ اطاعت آجائے، یہ
مگر زہری رخص ہو جائے تب شوق سے جائیگا جیگر کی موت آپ ہی کے ہاتھ
سے لگی ہے آپ ہی اسے قتل کریں گے !

خوارزم شاہ : خاندان خاموش !

خاندان سیم کو خاموشی ہو گئی !

خوارزم شاہ : حسین الدین تم نے ہمارا حکم نہیں سنا !

حسین الدین : سن لیا آقا : الامرتبت ، لیکن خاندان کے سر دھند پر اگر عجز فرمائیں —

خوارزم شاہ : نہیں ، نہیں ، نہیں !

حسین الدین کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا ، خاندان خاموش رہ سکی ، اس نے
دو تلوار اٹھا کر جو خوارزم شاہ کے سامنے رکھی تھی اپنے آقا کی طرف بڑھاتے

ہوئے کہا

خاندان : میں آپ کو نہیں روک سکتا ، میں اپنے آقا کو نہیں روک سکتا ، میں جانتی ہوں
خوارزم شاہ کا فیصلہ کوئی نہیں بدل سکتا ، میں اس فیصلہ میں کسی قسم کی

ترمیم نہیں چاہتی ! —

م شاہ : (حیرت سے) پھر تم کیا چاہتی ہو ؟

ج : صرف یہ کہ اس تلوار سے میری گردن کاٹ لیجئے ، پھر جائیے !
خوارزم

خوارزم شاہ میں نہیں قتل کر دیں !

فائقہ : میں جیسے جی آپ کو ان کی طرف جانا نہیں دیکھ سکتی،

خوارزم شاہ (دُعا کرتے ہوئے) تم چاہتے ہو خوارزم شاہ کو بزدل کہلائے !

فائقہ : نہیں میرے آقا ————— مسئلہ خوارزم شاہ کو بزدل اس کا بڑے بڑے

دشمن بھی نہیں کر سکتا،

خوارزم شاہ : تم جانتے ہو خوارزم شاہ اپنے فرزند سے اپنی زندگی کے مقصد سے غافل

ہو جائے ؟

فائقہ : نہیں میرے آقا میں یہ بھی نہیں جانتی، اس لئے کہ جانتی ہوں خوارزم شاہ

اپنی زندگی کے مقصد سے کبھی اور کسی حالت میں غافل نہیں ہو سکتا !

خوارزم شاہ (سکڑ کر) تم جانتی ہو خوارزم شاہ قن اسان اور عافیت پسند ہو جائے

عیب جنگ کا موقع ہو اور آرام کرے ؟

فائقہ : میرے آقا میں یہ بھی نہیں جانتی مجھے معلوم ہے دنیا کی کوئی طاقت کوئی شخصیت

میرے آقا کو قن اسان اور عافیت پسند نہیں بنا سکتی !

خوارزم شاہ (مستم ہو کر) پھر آخر کیا چاہتی ہو تم ؟

فائقہ : صرف یہ کہ جب تک طبیعت اجازت دے دے، اس وقت تک آرام

کر لیجئے، تندرستی خود کرنے کے بعد پھر میدان چاہو اور آقا نے نادر کی

شمیر خدائے شگفتہ !

خوارزم شاہ : کیوں حسین الدین فائقہ کی باتیں سن رہے ہو ؟

حسین الدین : سن رہا ہوں آقا نے دل نیت !

چند روز انتظار کریں گے پھر ساتھ چلیں گے !

پھر خوارزم شاہ نالائق کی طرف مخاطب ہوا۔

خوارزم شاہ : کیوں نالائق اب خوش ہو گئیں تم ، اب تو تمہاری بات مان لی گئی !

نالائق کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو ڈوبنے لگے ، اس نے کانپتی ہرئی آواز میں
بڑے سوز کے ساتھ کہا :

نالائق : میں بہت خوش ہوں میرے آقا ،

خوارزم شاہ : لیکن تمہاری آنکھیں پر اب کیوں ہیں ؟ — سنو ، مسکراؤ ، خوشی

اور مسرت کا اظہار کرو !

وہ مسکراتے لگی۔

خوارزم شاہ نے کہا :

تمہارے جسم سے ہمارے دل کو قوت ملتی ہے !

سعید الدین سر جھبکاتے یہ باتیں سن رہا تھا ؛ حیران پریشان !

غور کی طرف

اب تک خوارزم شاہ اور چنگیز کی کوئی لڑائی جم کر نہیں ہوئی تھی بجا پر خوارزم شاہ نے جب ۷۰ تاج شہر پادی سر پر رکھا تھا ایک لوہی آرام و سکون کا نہ ملا وہ تھا اور باد مخالف کا سانس ایک جگہ پہنچ کر دم بھی لینے نہیں پاتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا چنگیز ہمیں مل اس طرف آ رہا ہے پھر اٹھ کھڑا ہوتا تھا، اور سنت آزمائی کے لئے کئی دوسری جگہ کو مستقر بنا کر وہاں مقیم ہو جاتا تھا سکون و اطمینان فراغت آسائش و یکسوئی اور شاہا خانہ جیسے کہتے ہیں وہ چیز خوارزم شاہ کو عاصی نہ تھی لیکن ان سب پریشانیوں اور دشواریوں کے باوجود اس کے عزم و ہمت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اسکے تصور وہی تھا جس کی ان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ نسبت عظمت پر بھی اگر اپنی عظمت ہے زیادہ کسی چیز کی طرف تو وہ چنگیز کی نقل و حرکت تھی خود چنگیز بھی اپنی نقل و حرکت سے اتنا باخبر نہیں تھا جتنا خوارزم شاہ اس نظام جاہلوسی نے اسے بہت بڑا غامض و پرہیزگار بنا دیا تھا کہ وہ ایک بیک بے سامان و گمان بجلی کی طرح چنگیز کے لشکر پر گزرتا تھا اور اسے کا پیٹھا اٹھ جاتا تھا چنگیز لاکھ داغ پہے لیکن سوا کف انہوں نے اس کے کچھ نہ کر سکتا تھا

خوارزم شاہ اب بڑی حد تک پہنچ چکا تھا۔ کھڑکی بھی بڑی حد تک جالی
 رہی تھی۔ کھڑکے پر بیٹھ کر وہ چار سیل کی سیر بھی کر لیتا تھا لیکن ابھی پورے طور پر توانائی
 نہیں آتی تھی۔ ایک روز وہ حسب معمول کھڑکے پر سوار ہو کر کچھ اور خطرات معمول دور
 تک چلا گیا۔ ایک جگہ پہنچ کر جب رکنا تو اس نے گرد کا ایک طوفان اٹھنا ہوا دیکھا
 پہلے تو اسے یہ شبہ ہوا کہ یہ دشمن (چنگیز) کا لشکر ہے اور اسی طرف اتر رہا ہے لیکن جب
 اس نے دیکھ کر گرد کا طوفان کم ہوتا جا رہا ہے مگر کوئی سوار نہیں نظر آتا تو وہ آگے بڑھا
 اور اس نے اندازہ کر لیا کہ کوئی لشکر ادھر آ نہیں رہا ہے۔ بلکہ ادھر گیا ہے۔

— کون ہو سکتا ہے یہ لشکر؟ دل میں یہ خیال

پیدا ہوا یا پھر دلدلی نے حجاب دیا اتنا بڑا لشکر اس طرف سے کس دوست کا تو نہیں
 گزر سکتا۔ ہونہ ہو چنگیزی ہوگا۔ — لیکن، کہاں گیا ہے؟ —

کیوں گیا ہے؟ — دل نے کہا کیوں گیا ہے؟ یہ سوال ہی بیکہ رہے قتل و غارت
 کے سوا اور اس کا مشغلہ ہی کیا ہے؟ — کہاں گیا ہے؟ — ہاں

یہ سوال ضرور غور طلب ہے!

خوارزم شاہ جہاں کھڑکے پر کھڑا رہا بار بار اس کے ذہن میں یہی سوال
 گردش کرتا تھا کھڑکی دیر کے بعد اس نے دوسری طرف گردی مارتی محسوس
 کی وہ غور سے اس طرف دیکھنے لگا۔ تو رٹی دیر کے بعد جب گرد کا پردہ چاک ہوا تو
 اس نے دیکھا تین چار سوار ایسی جو اس کی طرف تیزی سے چلے آ رہے ہیں، وہ تنہا
 پورے لشکر سے نہیں درتا تھا۔ تین چار سواروں سے کیا ڈرتا؟ پیادگی طرح اپنی جگہ جا کر
 ہٹ کر دیکھے یہ کون لوگ ہیں؟ اور کیوں آ رہے ہیں؟ ان کی آن میں وہ بگ سا منہ پہنچ

گئے سانے پہونچے تہی سب کھوڑے سے اتارے اور سر جھکا کر اس کے سامنے
کھڑے ہو گئے۔ جلال الدین خوارزم شاہ پہچان گیا — اس کے جاسوس
تھے وہ مسکرایا اور اس نے شفقت بھری لہجے میں کہا

خوارزم شاہ: تم لوگ ہو؟ — کہاں سے دھاوا مار کر آ رہے ہو؟

ایک جاسوس: سلطان عالم ہم غلاموں کا اس کے سوا اور کام ہی کیا ہے کہ دشمن پرنگہ
رکھیں، اس کی نقل و حرکت کی نگرانی کریں، اور جہاں وہ جائے وہاں ہم
کبھی پہونچ جائیں!

خوارزم شاہ: ہاں اور میں مسرت ہے کہ اپنا فرض تم بخوبی اور خوش اسلوبی کیا تھو
انجام دیتے ہو — اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟
کوئی نئی خبر؟

جاسوس: جہاں پناہ ہم چنگیز کا پتہ لگا کر آ رہے ہیں، بلکہ یوں سمجھئے اس کے لشکر
میں ہو کر آ رہے ہیں اس وقت،

خوارزم شاہ: اچھا اچھا، کہاں ہے وہ؟

جاسوس: ابھی ابھی اس کا لشکر اسی طرف سے گزرا ہے، سلطان عالم پناہ اگر کچھیر
پیلے اس طرف آئے ہوتے تو ضرور اسے ملاحظہ فرماتے۔

خوارزم شاہ: ہاں ہم نے گر وہاں بہت بڑا طوفان اٹھتے ہوئے آکر دیکھا تھا، غالباً
وہ چنگیز ہی کا لشکر تھا جو اس طرف سے گزرا تھا۔

جاسوس: سلطان والا مرتبہ کا خیال درست ہوتا ہے — یہ اسی کا لشکر
تھا۔

سب سے بڑے دلیر اور شجاع انسان حضرت علی کا قول رہتا ہے۔ دہرایا!
 کہتے تھے۔ سوت میری زندگی کی گمان ہے۔ اکتا بھیج اور مٹی پر حقیقت
 ہے یہ قول! — جب تک زندگی مقدر ہو چکی ہے، سوت بھی کچھ نہیں بگاڑ
 سکتی بلکہ اس کی حفاظت کرنے لگتی ہے —

آنگو جا رہی تھی کہ حسین الدین چند سواروں کے ساتھ ہانپنا کا پتہ حاضر ہوا
 اور اپنے آقا کو بھیج د سلامت دیکھ کر سجدہ شکر بجالایا،
 حسین الدین: خدا کا شکر ہے انا کچھوں نے اپنے آقا کو صحیح سالم دیکھ لیا،
 خوارزم شاہ: تم کیا سمجھ رہے تھے؟ — اس قدر جلد پریشانی کیوں
 ہو جاتے ہو تم لوگ باز

حسین الدین: بڑی دیر سے آپ مجھے ملے ہیں، فائدہ نے نور در کر آئیں سجالی ہیں
 دو کدہ رہی تھی روز سیر کر کے پندہ میں منٹ میں واپس آجاتے تھے آج
 کئی گھنٹے ڈھونڈے اب تک نہیں تشریف لائے، کہیں خدا نخواستہ کسی مصیبت
 سے درچار ہو گئے ہوں، اس نے تو ایک جہول کی طرح سواروں کے دستے
 چاروں کو قتل پر روانہ کئے ہیں، میری خوش قسمتی تھی کہ ادھر آیا جہاں
 آپ موجود تھے!

خوارزم شاہ: د سنکر کچھ بھی ہو فائدہ ایک عورت ہے اور سب جانتے ہیں عورت
 کا دل بہت گزر رہا ہوتا ہے، لیکن تم نور ہو، تم بھی گھبرا گئے!

حسین الدین: میرے آقا میں بھی انسانی ہوں، وہ اپنے سیر میں دلہہ کھتا ہوں
 بچپن سے اپنے آقا کے ساتھ بچا ہوں، کھیلا ہوں، مسجد کوں میں شریک ہوا

بروں جہاں تک ذات ہیلوئی کا تعلق ہے، میرا دل بھی دہکا ہے۔

نالائقہ کا ہے —

یہ کہتے کہتے، معین الدین کی آواز گلوگیر ہو گئی اور آنکھیں پر غم ہو گئیں، خوارزم

شاہ نے بڑھ کر اسے گلے لگایا، اور محبت بھرے لہجے میں کہا

خوارزم شاہ: ہم جانتے ہیں تم ہم سے کتنی محبت کرتے ہو، بسیں بھی یہ اندازہ ہو گا کہ

ہیں تم سے کتنا انس ہے ہم نے اندازہ کر لیا۔ مہتاری پریشانی بچا تھی، محبت

کی شریعت میں بلند ہمتی اور بے حوصلگی کا ایک ہی مقام ہے —

اور اب اگر ایک اور خبر ہم نہیں سنا دیں، تب تو شاید مہتاری پریشانی

کی کوئی انتہا نہ رہے؟

معین الدین: وہ کون سی خبر ہے؟ غلام سے معلوم کرنا چاہتا ہے۔

خوارزم شاہ نے پھر چیگر کے لشکر کے ادھر سے گزرنے کی داستان سنا ڈالی

معین الدین سننا رہا اور پھر کہنے لگا

معین الدین: تو پھر ہم لوگوں کی تشریف آوری پریشانی بانگی بچا تھی!

خوارزم شاہ: ہاں اور اس وقت تو سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ خدا اپنے بندوں کی حفاظت

کرتا ہے، ورنہ اگر چند منٹ پہلے ہم یہاں پہنچتے تو ہزار چیگر خانی لشکر سے ڈھیر

ہو جاتی اور اس کا انجام جو کچھ ہوتا وہ ظاہر ہے!

معین الدین: بھارت شاہ دہوا!

خوارزم شاہ (ہاسوسوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے): ان لوگوں نے خبر دی ہے کہ

چیگر غور کی طرف گیا ہے —

معین الدین: (تشویش کیساتھ) غور کی طرف؟ — آہ بد قسمت غور کے
بد قسمت باشندے! —!

خوارزم شاہ: (جھجک کر) تم خدا پر اعتراض کرتے ہو، خاموش، خبردار ایسی بات اب
کبھی تمہارے منہ سے نہ نکلتے غور کے باشندے خوش قسمت ہیں کہ انہیں
ابتلا اور آزمائش سے گزرنے کا موقع ملا، انہیں خدا کی راہ میں سرخروشی اور
جاں نثاری کی سعادت میسر آئی، اسلام کی حرمت پر کٹ مرنے کا انہیں قدرت
کی طرف سے موقع ملا! — تم انہیں بد قسمت نہ کہو، ان پر رشک کرنا اور
انگڑھت رکھتے ہو تو ان کی اعزاز و اعانت کے لئے کمر بستہ ہو جاؤ —
ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے جان بازوں کے ساتھ جنگ کے تعاقب میں
مجمع ہوتے ہی روانہ ہو جائیں!

معین الدین نے گردن جھکائی، گویا وہ کہہ رہا تھا، غلام تیار ہے!
اس گفتگو کے بعد خوارزم شاہ نے اپنے لشکر کی طرف گھوڑے کی باگ موڑ دی
آگے آگے وہ تھا اور پیچھے پیچھے معین الدین اور دوسرے لوگ، جب خوارزم شاہ کا خیر
دیکھا، آیا تو وہ گھوڑے سے اتر پڑا، اندر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ مصطفیٰ بچھا ہوا
ہے اور قافلۂ سجدے میں پڑی ہوئی اپنے رب سے گڑا گڑا کر اپنے آقا کی صحت سلامتی
کی دعائیں مانگ رہی تھی!

خوارزم شاہ نے بند آواز سے کہا

.. نالغہ، خدا نے تمہاری دعا سنی ..

آگے!

دو جلدی سے اٹھیں اور اپنے آقا کے دامن سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر بچوں
 کی طرح رونے لگیں..... خوارزم شاہ کا ہاتھ اس کے سر پر تھا، اور وہ
 خود بھی بہت زیادہ متاثر نظر آ رہا تھا۔

شہر خمو شان!

چنگیز ہر مرتبہ قبر خد اکاٹوز بیکو پوری تند خوئی اور سفاکی کے ساتھ آگے بڑھتا تھا۔ وہ مکاؤں کی دیواریں کھودا لٹا تھا، وہ کھیتوں کو جلا دیتا تھا، وہ معبدوں، درسوں، مکتبوں اور خانقاہوں کو منہدم کر دیتا تھا، وہ انسانوں اور جانوروں کا خون بھی لیتا تھا۔ لیکن خوارزم شاہ کا بال بیکا کرنے پر قادر نہیں تھا، یہ خوارزم شاہ ہر مرتبہ ایک نیا چرک دے کر چنگیز کے دل پر گھولنے مار کے اس طرح نکل جاتا تھا جیسے آٹے سے بال۔

چنگیز نے سب کچھ کر لیا لیکن خوارزم شاہ کی بچاؤ دکھا سکا!..... وہ خوارزم شاہ کے نام سے جلتا تھا، تصور ہی تصور میں نہ جانے کتنی مرتبہ اسے قتل کر چکا تھا، اس کی جان بچ چکا تھا، اس کی گردن پر اپنی تلوار چلا چکا تھا، لیکن، ایں ہمہ خوارزم شاہ اب تک زندہ تھا، نہ صرف زندہ تھا بلکہ اس کے سینے پر مونگ دل رہا تھا!

ہاں! اسلامیہ کی شکست و ریخت کے سلسلہ میں چنگیز ہر مرتبہ ایک نئی تکنیک استعمال کرتا تھا، غور پر وہ اس طرح حملہ آور ہوا کہ اس نے نہ سلطان جنگ کیا، نہ محاصرہ

کیا رز اطاعت کا مطالبہ کیا، رات کی تاریکی میں اس کی فوجیں پہنچیں، ایک منزل پہنچے، انہیں چنگیز نے سستانے اور آرام کرنے کا مکتوب دے چکا تھا، یہاں تا تاروں پہنچی دل اس طرح پہنچا کہ بالکل تازہ دم تھا، لوگ اطمینان کی نیند سو رہے تھے، انہیں چنگیز کی فوج سامانوں سے اندیشہ ضرور تھا، مقابلہ اور محنت کی تھوڑی بہت انہوں نے بتائی بھی کر لی تھی، لیکن اس کا دم دگمان بھی نہیں تھا کہ یہ سب بلا اس قدر جلد اذریوں رات کے سنانے میں بھی پہنچ سکتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ خواب خرگوش کے منہ لے رہے تھے، اور چنگیز جو کھڑے تھے، رکازوں کے دو دروازے توڑ رہے تھے، موتے ہوئے کو اٹھاتے تھے، مشعل کی روشنی میں ان کے غلام بنائے یا قتل کرنے کا فیصلہ صورت دیکھ کر کرتے تھے، وہ فوراً نافذ بھی ہو جاتا تھا، غز کی ساری آبادی تقریباً تاروں نے قتل کر ڈالا، یا غلام بنا ڈالا، جو لڑنے والے فوج یا پولیس کے سپاہی تھے، وہ بھی اس پورے کی تاب نہ لاسکے، قتل ہوئے یا غلام بنے، پر مجبور ہو گئے، رات بھر میں سارے شہر کا صفایا ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا، کسی نے جھاڑو پھیر دی ہے، زخمیوں کی آہ فغان تھی نہ لڑنے والوں کا زرد شور اور جوش، خرہش تھا شہر پر ایک مرگ آسا سناں مچایا ہوا تھا، اب معلوم ہوتا تھا کسی حادثہ، رضحی یا سہادی نے اپنے شہر کی رہنمائی کی اس کی آہ، الش و زیاں شختم کر دی، اس کے اساتذوں، درجہ داروں، نہیں یہاں کے ہر جاندار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔۔۔ یہ شہر نہیں تھا شہر خموشاں تھا۔۔۔

قبرستان!

ابتہ چنگیز کے لشکر میں چل پہن موجود تھی، بازار کھلے ہوئے تھے اور دفعتاً سدا جاری تھا لوگ ایک دوسرے سے باتوں میں کشمکش اور مذاق میں مصروف تھے،

بے انتہا خوش، شہر کا سارا زرد ماں ان کے تصرف میں تھا، سونے کا بنار لگا ہوا تھا چاندی کے پہاڑ سامنے کھڑے تھے، ہیرے جو اہرات کا ڈھیر تھا چوٹی اونچائی میں اپنی مثال آپ تھا، بہترین قسم کی قالین فرش فرش، شیش، آلات، پارچہ جات اور ملبوسات کی ایک منڈی قائم ہو گئی تھی، اور یہ سب تاتاریوں کیلئے تھا انھوں نے یہ سارا سامان مال دہرا اپنے لئے لوٹا تھا، اور اب وہی تنہا اس کے مالک اور حرا تھے، اور — لشکر کے آخری گوندہ میں بالکل آخری گوشہ میں ایک جماعت تھی جو نوجوان مردوں اور خوبصورت عورتوں پر مشتمل تھی، ان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے، ان کی زبانہ سنسنے والا کوئی نہ تھا، یہ غلام تھے، یہ کنیزیں تھیں، کل تک یہی لوگ عاز کے باشندے تھے، آج اپنے بزرگوں اور بچوں کا ماتم کرنے ان کی بے بسی کی موت پر آنسو بہانے آئندہ ساری زندگی غلامی میں بسر کرنے پر مجبور تھے جن کے دسترخوان پر میسرین طرح کے کھانے ہوتے تھے، اور آج — ان کے سامنے چند سوکھی روٹیاں تھیں اور یہ انہیں لپکاٹی ہوئی نظر دے دیکھ رہے تھے، جب تک یہ آزاد تھے، اس وقت تک ان کا یہ عالم تھا کہ شاید ارکاناٹ میں رہتے تھے، شاید ارادہ پر تکلف مسہر یا تھیں، اچھے سے اچھے کپڑے پہنتے تھے، سردی اور گرمی سے بچنے کے انتظامات اور اہتمامات تھے، شاید ارادہ پر تکلف مسہر یا تھیں ان پر شاید ارادہ پر تکلف بہتر تھے بستر پر دیہ و زیب اور آرام وہ رکھے اٹھتے، پھر یہ عیش فراہاں کے باعث کچھ کمی محسوس کرتے تھے۔ اور آج؟ آج یہ کھڑی زمین پر تہاٹی ہوئی دھوپ میں ایک دوسرے سے بے ہوئے اور بچپنے ہوئے بیٹھے تھے اس طرح جیسے بھڑوں کا گلا، یہ مجبور تھے کہ دھوپ کی تہات سمیں یہ مجبور تھے کہ زمین کو فرش و زمر و قنادیں، یہ مجبور تھے کہ ہاتھ کا

تکیہ بنائیں اور اسی کو سر کے نیچے رکھ لیں۔ یہ مجبور تھے کہ موسم کی سختیاں سہیں اور ان نہ کریں۔ اور اگر ان کرنے کی جرأت بھی کریں تو اتنی ہمت بھی پیدا کریں کہ دھڑا دھڑا زور بے مکان کوڑے کھائیں! — غلام کو نہ دنیا کی اجازت ہوتی ہے نہ مہالہ کی۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ اطاعت کرے اور یہ لوگ اطاعت کیلئے چن لئے گئے تھے جو کام بھی ان سے کہا جائے یہ مجبور تھے کہ بے چوں و چہرا اس کی تعمیل کریں۔

ادرنیکر کے شکر کی سبب مہنس رہے تھے، تھے رگڑ رہے تھے، ہر مہینوں کے مظاہرے کر رہے تھے، انھوں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی، انھوں نے ایک بہت بڑے شہر کو فتح کر لیا، اس کے تہذیب و تمدن کے ثقافت و حضارت اور ان دولت کے ختم کر دیا تھا۔ اسی کا ڈھیر بنا دیا تھا جہاں اب ان گنت لاشوں کے سوا کچھ نہیں تھا، نہ مکانات، نہ عمارتیں، نہ چیل پیل، نہ زندگی نہ رقی!

ادرنیکر کا کیا حال تھا؟ وہ بہت خوش تھا! بات بات پر مسکرا رہا تھا، معنایات اور نوازشات کی بارشیں کر رہا تھا، سرداروں اور سپہ سالاروں کو نہیں مٹوئی مٹوئی سپاہیوں کو بڑے بڑے انعامات دے رہا تھا، رقص و نغمہ سے اسے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی لیکن اہل شکر کی خوشنودی کے لئے آج وہ رقص و نغمہ کی محفل میں بھی مشرک تھا، رقص اور مغنیہ پر کبھی سونے چاندی کے بارش کر رہا تھا!

اس کی خوشنودی حد بیان سے باہر تھی اس کی مسرت کا آج کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ یہ ساری کامیابی اسے بغیر مراحمہ کے حاصل ہوئی تھی، اس کے سپاہی ہاکت کو تو کیا ذکر حشم زخم تک سے محفوظ رہے تھے، یہ خدا زاد فتح تھی، اگرچہ وہ خدا

سوتا تھا نہیں تھا لیکن اگر وہ خدا کا تال ہو تا تو آج صر در اس کے سامنے سر نیاز خم
کر دیتا۔ اس فوج و کامرانی کو وہ اپنی عظیم شخصیت کی کار فرمائی سمجھ رہا تھا اور
اس پر نازاں تھا۔

آدھی رات رقص و نغمہ کے طوفان میں گزر گئی۔

چنگیز نے جانی ایتے ہوئے متن خاں سے التفات کے لہجے میں کہا
ہاں، سپاہی لاکھ خوش اور مسرور ہیں لیکن انھوں نے غور کی اینٹ سے اینٹ
بکائی اور کچا حصہ بھی اسی کام میں صرف ہوا۔ اب بڑی دیر سے نغمہ و قص سے لطف اندوز
ہو رہے ہیں لیکن اب بس انہیں آرام کرنا چاہیئے۔ سو ناچا بیئے، ہم یہاں زیادہ نہیں
ٹھہرے گئے، ابھی ہمارا کام ختم نہیں ہوا ہے، ہم آگے بڑھیں گے، نہ جانے کس طرف،
— جانے کہاں! —

یہ کہتے کہتے چنگیز اٹھ کھڑا ہوا، سامنے اس کا زرنگار اور زر تار خیمہ تھا، وہ وہاں
پہنچا، اور اس کے اٹھے ہی یہ جن طرف بھی درخواست ہو گیا، رقص و نغمہ کی محفل بھی بہت
ہو گئی، لوگ اپنے اپنے خیموں میں چھپ گئے کہ آرام کریں اور تھکن دور کریں، بھڑکڑی ہی دیر
میں چن چن ہیں اور ردنی ختم ہو گئی جو جاگ رہے تھے وہ سو گئے، جہاں باہو کے شور سے
کان بڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی، وہاں اب اگر کوئی آواز تھی تو فیض خواب کی
— ہاں طنایہ گرد سپاہیوں کا دستہ کھن تھا جو اس لئے بھاگ رہا تھا کہ لشکر
کے گرد گشت کر رہے، اور حسد و لشکر میں کسی ناپسندیدہ عنصر کو داخل نہ
ہونے دے!

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی کہ ایک بیک چنگیز کا لشکر ایک خوفناک

طوفان سے دوچار ہوا۔۔۔۔۔ یہ طوفان تھا جلّال الدین خوارزم شاہ
 وہ اپنے مٹھی بھر دلا دروں کے ساتھ چنگیز کے لشکر میں رات کی تاریکی سے غافلہ اٹھا کر
 داخل ہوا اور اس سرے سے اس سرے تک موتنا اور بلائنت کی بارشیں کرنا طوفان
 بادباران کی طرح آیا۔ اور طوفان بادباران کی طرح چلا گیا۔ جب تک چنگیز ہوشیار
 ہوا لشکر کی صورت حال کو سمجھیں، لشکر میں کمر بندی ہو۔ مشعلیں جلیں اور لوگ دوست
 دشمن کو پہچانیں وہ نہ جانے کتنوں کو موت کے گھاٹ اتار کر نظروں سے اوجھل ہو گیا
 ————— بھلا ہوا کو بھی کوئی بکڑ سکا ہے، گر قتار کو سکا ہے پھر خوارزم شاہ
 کس طرح گر قتار ہو جاتا!

چنگیز آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور جب تک وہ سنبھلے سنبھلے خوارزم شاہ اپنا
 کام کر کے جا چکا تھا۔ لشکر کا ایک سردار چنگیز سے کچھ عرض کرنے حاکم ہوا، لیکن وہ اتنا
 زہم تھا کہ اس کی بات سے بغیر عوار کا ایک دار کے صاف اس کی گردن اڑادی
 گویا یہ خوارزم شاہ تھا..... حالانکہ سامنے جو لاش تڑپ
 رہی تھی وہ اناری سردار کی تھی!..... ناکامی کا عجز اسی طرح کے کمرے
 دکھاتا ہے۔

عزنی

عزنی کوئی معمولی شہر نہیں تھا یہ عروس البلاد تھا.....
 ہاں پہلے یہ ایک معمولی سی بستی تھی لیکن محمود غزنوی نے جب یہاں تخت ٹوکیتا
 قدم رنجہ دیا تو عزنی کی قسمت بدل گئی، یہاں کے بام و در میں انقلاب آگیا یہاں کی فضا
 اور ماحول میں تبدیلی ہو گئی، دیکھتے ہی دیکھتے یہ معمولی سی بستی جو بستی میں اپنی نظر نہیں
 رکھتی تھی اپنی رفعت اور جلالت میں رشک نہ رہا بن گئی..... یہ وہ عزنی تھا جسے
 سلطان محمود غزنوی نے حیات نو بخشی تھی اسے سوارا تھا، اس کے در و دیوار کو
 صحن چمن کو باغ و خیابان کو رشک مزدوس بنا دیا تھا، یہاں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ شہر
 نو اور در و دیوار میں ہوتا تھا، ان کی ساخت، ان کا طرز تعمیر ہر چیز میں ایک رعنائی تھی ایک خوبی
 تھی اور مسجد جامع تو اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی، اس کی دہشت اس کا انداز تعمیر اس کی محرابیں
 اس کے گنبد اس کے دالان، ہر چیز میں ایک مخصوص قسم کی انفرادیت تھی، اس کا فرش
 فرش چنان کا ہمسر تھا، یہاں کے چارواں اور فائوس دیواروں کی منبت کاریاں، چھتوں اور
 ستونوں کی جواہر ریزیاں اور آئینہ بندیاں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، ان سب چیزوں کو

دیکھ کر آدمی پر رعب اور دہشت طاری ہو جاتی تھی !

پھر محمود رہتا بھی تو یہاں تھا !..... اس کے رہنے کے محلات، قصور واپوان
..... ان سب کی تعمیر و تاسیس میں انسانی ہر مذہب کے تمام جوہر صرف ہو گئے تھے

ان مسجدوں کیلئے، ان محلات کے لئے ضرورت کی بہت سی چیزیں راجگان ہند نے عنایت
کی تھیں، وہ محمود کو خوش رکھنا چاہتے، اگرچہ اس کے خداتے بیگانہ تھے، ان محلوں میں ہر
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہم گلشتِ فردوس میں مصروف ہیں : یہیں سلطان ذی شان

کا دربار لگتا تھا، جہاں بڑے بڑے سفراء لڑنے اور کاپٹے حاضر ہوتے تھے، اسی دربار
میں فردوسی، طوسی اور دوسرے حبیب القدر شاعر سلطان کی - صحن میں قصبے پڑھتے تھے

یہاں کی ایک ایک اینٹ پر عظمت و جلال کی ہر تھی ! موزوں نے ان درباروں کی تصویر
اپنے مکتب سے کھینچی ہے، جو یہاں منقذ ہو ا کرتے تھے، جن میں وقت کے بڑے بڑے علماء،

شعراء، ادباء، صلحا موجود رہا کرتے تھے، یہیں دوسرے ممالک کے شہنشاہ کے فیصلے ہوتے تھے
یہاں دوسری قوموں اور ملتوں کے مستقبل کا فیصلہ ہوتا تھا، یہاں کے فیصلے خدائی

فیصلے بن جاتے تھے، جو صرف اس لئے ہوتا تھا کہ نافذ ہوں، علی جامہ بہنیں !

پھر اس شہر میں بڑے بڑے مدرسے تھے، جن میں دور دور سے طالب علم کھینچ

کھینچ کر آتے تھے، اور علم، عصر، اپنی تحقیق کے اور علم کے جواہر دکھاتے تھے۔

یہاں بڑی بڑی خانقاہیں بھی تھیں، جہاں صوفیاء اور مشائخ خدا کو یاد کرتے

تھے، وعظ و تلقین کے دفتر کھولتے تھے، عبادت اور ریاضت کرتے تھے، ان کی

کشش دور دراز ممالک سے طالبان حق و معرفت کو لاقص تھی، وہ آتے تھے اور اپنی

روحانی ماذگیوں کا علاج کر کے واپس جاتے تھے !

یہاں ان کے امرا کی حویلیاں تھیں، جو محمود کے رفیق و ہم درہم تھے، یہ حویلیاں بجائے خود قطع تھے، ان کا استحکام، ان کی دست ان کا ساز و سامان، انکی زیبائش و آرائش ان کا جاہ و جلال و تہ کے ملوک و سلاطین کے ایوان و قصور سے ٹک کر کھاتا تھا!

اور ہاں — یہ کوئی عزیب شہر کھی نہ تھا!

یہاں اقطاع عالم کی دولت موجود تھی، محمود نے اپنے فتوحات سے جو کچھ حاصل کیا تھا، وہ سب یہاں موجود تھے..... یہاں بعید ترین مقامات سے تاجروں کے قافلے آتے تھے، اور مال و زر سے اپنی جھولیاں بھر کر واپس جاتے تھے!

یہاں کیا نہیں تھا؟

یہ محمود کا غزنی تھا، جس کی جلالت و شان کا دیکھا صرف غزنی میں نہیں، صرف خراسان میں نہیں، صرف بھارت میں نہیں، لہذا تک میں بچنا تھا خلیفہ المسلمین جسے خطاب۔ سلطان و مرحمت فرماتے تھے، جس کے فتوحات اور کارناموں پر بغداد میں چراغاں کیا جاتا تھا۔ یہ غزنی تھا..... دیار محمود! دیار مشہور، دیار پر نور!

۱۔ سستے دشوار گزار تھے، خطرناک تھے، ہلاکتوں سے لبریز تھے، صحابہ سے بھرپور تھے، لیکن من چلے لوگ ان سب کا مقابلہ کرتے ہوئے صرف اس لئے غزنی آتے تھے کہ اس کی جھلک دیکھ لیں، محلات و قصور کا دور سے نظارہ کر لیں وہاں کی مسجد جامع میں دو رکعت نماز پڑھ لیں اور پھر واپس جا کر مساعیرین میں اپنی خوش قسمتی پر ناز کریں کہ ہم غزنی گئے تھے۔ ہم نے غزنی کو دیکھ لیا... محمود کی غزنی کی جی بھر کے زیارت کر لی۔

محمود اس جہان سے رخصت ہو چکا تھا، بلکہ آل سبکدین کا تختہ الٹ چکا تھا۔

لیکن غزنی باقی تھا، اپنی پوری آب و تاب اور شان و شکوہ کے ساتھ انسان کی عمر بہت کم ہوتی ہے، لیکن مٹی، جو نے اور پتھروں کی بنی ہوئی عمارتیں قائم دہنی پس ان پر موت اگر طاری بھی ہوتی ہے تو بہت دیر میں، صدیوں کے بعد قریبوں کے بعد!

اور اب یہ غزنی تاتاریوں کے زب میں تھا۔

تاتاری بار بار زندہ لا منڈلا کرتے تھے کہ اس خوبصورت شہر کو بھی مٹی کا ڈھیر کر دیں، لیکن دوسرے ہمت و مسرور فیات میں اپنے ارادے کو ملتوی کر دیتے تھے اور ایک دن میں اس وقت کہ موزن الصلوٰۃ خیر من النوم کا اعلان کر رہا تھا اور جی علی الفلاح جی علی الفلاح کی دعوت دے رہا تھا، فیند کے مارے بستر توں پر گر وٹیں بدل رہے تھے اور خدا سے ڈرنے والے اسے یاد کرنے والے اس کے حضور میں سر عبودیت خم کرنے والے فیند کی لذت سے منہ موڑ کر بستر کے آرام سے قطع تعلق کر کے خدا کے واحد کے سامنے سر بسجود ہونے کے لئے اٹھ رہے تھے، ایک بہت بڑا زلزلہ آیا!

بہنیں یہ زلزلہ نہیں اس سے بھی زیادہ بھیانک ہلاکت خیز، مرگ آفریں اور ہوش ربا چیز تھی۔

یہ وہ چیز تھی جس نے ان کی آن میں اس زندہ تابندہ اور پر رونق شہر کو گود غریباں بنا دیا، یہاں کی زندگی موت کے سناٹے سے بدل گئی، بچے بوڑھے، جوان مرد عورت سب ہی فنا کے گھاٹ اتر گئے، یہ جنگیگر کا لشکر تھا

یہ تاتاریوں کا خونِ سیاہی تھا جو ہر اصول اور قاعدے سے بے نیاز تھا! لوگوں نے فریادیں کیں، اطاعت کے وعدے کئے، گھر خالی کر دیئے، مان و رکا ڈھیر

لگا دیا، لیکن چنگیز کو تسلی نہ ہوئی تاتاری مطمئن نہ ہوئے، انھوں نے ہر چیز نوٹ لی، ہر شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ہر عمارت کو ڈھا دیا، مساجد کو دیا، سفائی اور شفا دے کا یہ کارنامہ وہ ہنس ہنس کر، قہقہے لگا لگا کر، مسکرا مسکرا کر انجام دے رہے تھے، اسی طرح اس وقت غزنی کی جگہوں، سڑکوں اور کوچوں میں انسانوں کا شکار کیا جا رہا تھا وہ دہلاک ہو رہے تھے اور موت انہیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر موت کے گھاٹ اتار رہی تھی چنگیز اپنے سفید برتن گھوڑے پر سوار ہو کر سارے شہر کا گشت لگا رہا تھا۔ دیکھ رہا تھا کہ کام اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے یا نہیں؟

اس کام کو انجام پاتے پاتے رات ہو گئی، تاتاری سو رہا بھی اپنے فرائض انجام دیتے دیتے تھک گئے!

چنگیز نے اپنے بیٹے چغتائی سے جو اس موقع میں اس کا ہم کام کیا تھا، کہا۔
چنگیز خاں، غزنی کی اینٹ سے اینٹ بچ گئی، خوارزم شاہ کی آخری
پناہ گاہ اور اسید گاہ برباد ہو گئی؟

چغتائی، بے شک سلطان عالم بے شک!
چنگیز خاں، یہاں کے لوگ موت کے گھاٹ اتر گئے،
چغتائی، اتر گئے والد محترم صرف وہ لوگ بچ رہے ہیں جنہیں ہم نے
زندہ رکھنا چاہا۔

چنگیز خاں، (تبسم کیساتھ) غلامی کے لئے؟
چغتائی، جی یہ اب ہمارے غلام ہیں اور ان کی عورتیں ہماری
کنبزیں!

چنگیز خاں۔ میں نے ابھی سارے شہر کا گشت لگایا ہے، میں محسوس کرتا ہوں ابھی کافی لوگ ادھر ادھر چھپے ہوئے ہیں :..... کیا یہ اسی طرح چھپے رہیں گے؟ کیا یہ موت سے بچ جائیں گے؟

چغتائی : ہمارے سپاہیوں نے کسی ایسے آدمی کو زندہ نہیں چھوڑا جو نظر آگیا ممکن کچھ لوگ جائیں پکانے کیلئے ادھر ادھر دھک گئے ہوں۔
چنگیز خاں : ہمارا یہی مطلب ہے۔ لیکن انہیں نکلنا چاہیئے تاکہ قتل ہوں تو میرا بیٹا ہے، میں چاہتا ہوں، تو میرا انداز شہر یاری سیکھ لے!
چغتائی سر جھکائے کھڑا رہا!

چنگیز خاں : ہمارے لشکر اپنے اپنے خیموں میں واپس جا چکے ہیں؟
چغتائی : جی..... صرف تھوڑے سے رہ گئے ہیں، وہ بھی اب جارہے ہیں!

چنگیز خاں : یہ لوگ بھی جب خیمہ میں پہنچ جائیں، تو اگر قتاد شدہ مسلمانوں میں سے چند مسلمانوں کو بچوا کہ اندرون شہر لاؤ، ان کے ساتھ ساتھ کافی سپاہی بھی ہونے چاہئیں، رات کی تاریکی شہر دہج ہو چکی ہے، ان سپاہیوں کو حکم دو کہ مسجدوں کے اندر چھپ جائیں اور مسلمانوں کو حکم دو کہ اپنی ٹوٹی ہوئی مسجدوں کے دروازے پر کھڑے ہو کر اذان دیں..... اس طرح بہت سے لوگ جو ادھر ادھر چھپے ہوئے ہیں برآمد ہو جائیں گے، اور پھر مسجدوں کے اندر سے ہمارے سپاہی نکل کر ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیں گے۔ کیوں بیٹے کیسی ہے یہ تدبیر؟۔۔۔ سارے گرجے کو نہیں؟

چختائی: (خوش ہو کر) بہت کارگر ترکیب ہے، میں ابھی اس پر عمل کرتا ہوں۔
 واقعی بہت سے لوگ تاتاریوں کی زد سے بچ کر ادھر ادھر رہ پویش ہو گئے
 تھے اور منتظر تھے کہ یہ طوفان ٹلے تو پھر اپنے مئے بوئے کھنڈ میں واپس آ کر جسم و جان کا
 رشتہ پھر سے قائم کریں، چنگیز کے حسب الحکم بہت سے تاتاری سپاہی تواریں موت
 سوت کر مسجدوں میں چھپ رہے، اگر نثار شدہ مسلمانوں نے مسجدوں کے سامنے
 کھڑے ہو کر اذانیں دیں یہ سمجھے کہ تاتاری طوفان ٹل گیا، اچھی اپنی پناہ گاہوں سے
 نکل آئے اور آتے ہی نذر اہل ہوئے!۔

۵۔ بنا کر دند خوش رسمے بجا ک۔ خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

انتقام کا فیصلہ

جلال الدین خوارزم شاہ اپنے خیر و زکوٰۃ و اطلس پوش میں بیٹھا تھا، اس وقت وہ بہت خدشہ تھا، فائدہ اس کے پہلو میں بھی تھی جلال الدین نے وعدہ پورا کیا تھا، اسے اسے حرم میں داخل کر دیا تھا، اسے زندگی کی سب سے بڑی نعمت مل گئی تھی، وہ دولت اس نے پائی تھی جس کا وہ تصور کرنا بھی ناممکن سمجھتی تھی، خوارزم شاہ کا بڑا ذہنی تعلقت کا تھا جب سے وہ داخل حرم ہوئی تھی خوارزم شاہ کی فلولش اور عنایت میں بدرجہ اضافہ ہو گیا تھا وہ فائدہ کی دہری کرتا تھا، اس کی بات مانتا تھا اس مسافرت کے عالم میں بھی اس کی راحت و آسائش کا پورا پورا خیال رکھتا تھا۔ یوں بھی فائدہ خوارزم شاہی لشکر میں عزت اور منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی لیکن جب سے وہ داخل حرم ہوئی تھی اس کی عظمت اور وقعت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا، اب وہ ایک کثیر نہیں تھی، حرم شاہی کا ایک معززہ خانہ تھی، اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر بول فرمان بن جاتا تھا، خوارزم شاہ کی کئی بیویاں تھیں، اور یہ اس زمانے کا عام دستور تھا، لوگ دسلاطین کے سوا امرا اور جاگیردار بھی کئی شادیاں کرتے تھے۔ یہ اس زمانے کا ایسا چلتا ہوا فیض بن رہا تھا جس

کے خلاف کہیں اور کسی طرف سے صدائے احتجاج بلند نہیں ہوتی تھی یہ بیویاں اپنے
 علیاں اور سپاہیوں کے ساتھ مختلف شہروں میں رہتی تھیں، بغیر متعین حالات، بے امنی
 بے اطمینانی اور طوائف المنوکی کے اس دور میں مناسب تھا کہ سب الگ الگ رہیں تاکہ کوئی
 دقت آئے تو جہاں کچھ بھینس جائیں، وہاں کچھ بچ بھی جائیں، خوارزم شاہ نے فائدہ کو بھی
 کسی محفوظ مقام پر منتقل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ راضی نہ ہوئی، وہ خوارزم شاہ کی پریشا
 دن سے نمائی تھی، لیکن جدا ہونے سے کسی طرح اور کسی قیمت پر رضامند نہیں ہوئی تھی اسے
 وہ ایک لمحہ کیلئے بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ خوارزم شاہ سے الگ ہو کر زندگی بسر کرے
 وہ کتنی غمی مجھے خلوہ اور فلاکت کی زندگی گزار گئی اس اطمینان اور عافیت کی زندگی سے پسند
 ہے جو مجھے آپ سے جدا کر دے، دور کر دے، خوارزم شاہ امر کرنا تھا، لیکن فائدہ کی ضد کے
 سامنے بے بسی ہو جانا تھا، آج بھی کچھ اس طرح کی باتیں ہو رہی تھیں، خوارزم شاہ نے کہا
 خوارزم شاہ، فائدہ اب نہیں کسی محفوظ مقام پر جانا ہی پڑے گا !
 فائدہ کی جان نکل گئی، دقت اس کا سرخ، سفید چہرہ زرد پڑ گیا

فائدہ : ” یہ کیوں — — ؟“

خوارزم شاہ : ” تم سن چکی ہو عزنی پر چلیز خاں نے کسی آمنت، دھائی، کیا یہ ستم توڑے
 میں انتقام لوں گا، میں چلیز کا تاقب کروں گا میں اسے سزا دوں گا، اس حالت

میں شہزاد امیر سے ہر کاب چلنا یا میرے ساتھ رہنا خطرہ سے خالی نہیں !

فائدہ : ” لیکن آپ جانتے ہیں یہ خلوہ مجھے زندگی سے زیادہ عزیز ہے !“

خوارزم شاہ : ” (حالت سے) ہاں جانتا ہوں لیکن تمہیں اپنی خوشی پر ایک مصلوم اور مقدس

جان کی بحیثیت نہیں چڑھانی چاہیے (اسکو بکرا) تم اب ان غیبی والی ہو، ایک

ماں کی حیثیت سے غور کرو، اس عالم کس سپر سی میس اگر ذرا سی بھی بے احتیاطی ہو گئی تو کیا ہو گا؟

فائدہ : ہاں یہ خیال تو کبھی کبھی میرے دل میں بھی آتا ہے !

خوارزم شاہ : تو پھر میرا کہا نا تو ایک محفوظ مقام میری نظر میں ہے، وہاں چلی جاؤ
کم از کم اس وقت کے لئے ہی جب تک میں غزنی کا انتقام لے کر واپس
نہیں آجاتا، وعدہ کرتا ہوں اس کے بعد پھر حسب سابق تم وہیں رہو گی جہاں
میں رہوں گا۔

فائدہ : خوش ہو کر آپ وعدے کرتے ہیں؟

خوارزم شاہ : ہاں وعدہ کرتا ہوں اور نہیں میرے وعدے پر اعتماد کرنا چاہیئے !
فائدہ : تو یہ مجھے منظور ہے، جہاں چاہیئے بھیج دیجئے، گہرا رش بس صرف ضرورتی ہے کہ
غزنی کی ہم سے واپس آکر آنے کے لئے کینہ کو —

خوارزم شاہ : ہاں اس مسئلہ رہو، غزنی سے مراجعت کے بعد خود آتے ہیں بلاوں کا اس وقت
تک امید ہے کہ تم ایک بچی کی ماں بن چکی ہو گی، اور پھر شاید تمہیں مجھ سے وہ
تعلق خاطر در ہے گا جواب ہے !

فائدہ : کی آنکھوں میں آنسو کھرتائے !

فائدہ : وہ میرے کس طرح قائم کر لی آپ نے؟

خوارزم شاہ : متبسم ہو کر اور ہم تو روانے لگیں بات بات میں دونا بہاد دل کا شیوہ نہیں
ہوتا، بزدلوں کی عادت ہوتی ہے، تم تو بہاد رہو، تہاری بہادری تو اس سے بڑھ
کر کیا ثبوت ہو گا کہ تم نے خوارزم شاہ کو فتح کر لیا۔

خالق مسکرا دی !

خوارزم شاہ : تم اس قدر زود جس کیوں ہو ۔۔۔

خالق : د جانے کیوں ؟ مجھے خود اپنی اس کرمزدی پر شرمندگی ہوتی ہے !

خوارزم شاہ سننے لگا

خالق : آپ کب تشریف لے جا رہے ہیں غزنی کی ہم پر ؟

خوارزم شاہ : زیادہ سے زیادہ دس دن میں اس مرتبہ زیادہ تیاری کر کے جا رہا ہوں ۔

چاہتا ہوں جنگیر کو ایسا سبق دوں کہ وہ یاد کرے عمر بھر !

خالق : خدا کرے ایسا ہی ہو ، خدا سب کو چشمِ رخم سے محفوظ رکھے !

خوارزم شاہ : آمین اور کھڑے دیکھو ہم نے تہاری تائید کر دی !

خالق : میں یہ دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ کو کب اقبال واپس کب ہوگا ؟

خوارزم شاہ : اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے دور دراز سفر پر جا رہا ہوں ، نہایت طاقتور

اور درجی فطرت دشمن سے مقابلہ ہے ، حالات د جانے کیا صورت اختیار کریں

جلد سے جلد واپس ہوئی جب بھی دس دن پہلے تو لگ ہی جائیں گے !

خالق : دس دن پہلے یہ تو بہت مدت ہوئی ، بڑی دیر لگ جائے گی اس طرح تو ؟

خوارزم شاہ : ہاں — لیکن یہ کچھ تو سوچو ہم کتنی سخت ہے وہ جانے کتنی دور ہے !

لیکن تم گھبراتے کیوں ہو ، اطمینان رکھو ، ان شاء اللہ ہلک جھپکاتے میں یہ دن گزر جائے

بس تم ایک کام کرو دعا کرتی رہو کہ خدا مظفر و منصور واپس لائے

جنگیر نے غزنی کو تاراج کر دیا ہے ، میں اس کے عزائم کی دنیا تاراج کر دینا چاہتا ہوں

خالق : ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا ، آپ خدا کیلئے جنگ کر رہے ہیں ، وہ ضرور آپ کی مدد کرے گا !

خوارزم شاہ: اس تم اب یکسوئی سے اپنا سامان سفر درست کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے سے میرے سہلے روانہ ہو جاؤ۔

فائقہ: یہ کل ہی کیوں؟..... جب آپ تشریف لے جائیں گے میں بھی چلی جاؤں گی۔

خوارزم شاہ: نہیں..... میں چاہتا ہوں، تم میرے سامنے چلی جاؤ، اور جب تمہاری بخیریت پہنچ جانے کی اطلاع مل جائے، تب میں یہاں سے آگے قدم بڑھاؤں گا۔ فائقہ: تو کل ہی چلی جاؤں گی..... کیا راضی بھی میرے ساتھ جائے گی۔

خوارزم شاہ: اگر معین الدین کو حکم دے دو اسے حذر دانا چاہیے، اس کا بھی اس سفر میں ساتھ رہنا مناسب نہیں، تمہارے ساتھ محفوظ مقام پر چلی جائے، تو رخصت کیا جائے گا۔ فائقہ: میں نے اس نے عرض کیا کہ اس کی بھی وہی کیفیت ہے جیسا کہ میری ہے۔ خوارزم شاہ: (مسکرا کر) معنی.....

فائقہ: جی..... وہ بھی ایک بچہ کی چند ہی روز میں ماں بننے والی ہے۔ خوارزم شاہ: تعجب ہے معین الدین نے میں نہیں بنایا..... بہر حال اگر یہ بات ہے تو بھلا حکم ہے کہ وہ بھی تمہارے ساتھ جائے؟

فائقہ: مسکرائے گی، اتنے میں خوارزم شاہ نے معین الدین کو غصہ کیا وہ غور تھا ہوا۔ خوارزم شاہ نے پوچھا

خوارزم شاہ: غزنی کی قہر پر ہم کب روانہ ہو رہے ہیں؟

معین الدین: جب جہاں پناہ چاہیں، سارے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ خوارزم شاہ: دشمنی جہاں اللہ، لیکن ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ فائقہ کو کسی محفوظ مقام پر بھیج دیں، اس لئے کہ اس حالت میں کہ ایک دوسری زندگی بھی اکی جانے سے وابستہ

ہے ہمارے ساتھ سفر میں رہنا ٹھیک نہیں۔

معین الدین: بجا ارشاد ہو! عالم پناہ!

خوارزم شاہ: کیا رازخیز سفر میں رہے گی؟ ہم نے سنا ہے وہ بھی اسید سے ہے کیا یہ سچ ہے؟

معین الدین: اگر وہ جھگڑا آپ کے صحیح مبارک تک جو خبر پہنچی ہے وہ بالکل سچ ہے! خوارزم شاہ: پھر کیوں تم اسے بھی نالائک کے ساتھ بھیج دو؟ اس طرح ہم تم سب کو اور کچھ ہر کوئی غزنی کی طرف کوچ کر سکیں گے!

معین الدین: غلام کو کب انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن غزنی کی ہم تو کوئی دوزن تک جاری رہے گی۔ بندہ دست ایسا ہونا چاہیے کہ یہاں کے حالات کی اطلاع دقتاً وقتاً میں ملتی رہے۔

خوارزم شاہ: تم میرے کہہ رہے ہو یہ تمہارا کام ہے جس طرح چاہو انجام دو اور ہاں ہم نے جو باتیں چیلنگز کے تعاقب میں بھیجے ہوئے تھے وہ اب تک نہیں آئے، بہت متعین کئے بغیر ہم کس طرح آگے بڑھ سکیں گے۔

میرزا الدین: ہمارے بھیجے ہوئے جاسوسوں میں سے دو تو واپس آگئے ہیں اور یہ خبر لائے ہیں کہ چیلنگز کو لشکر خالقان اور بامیان کی عزت بڑھ رہی ہے۔

خوارزم شاہ: خالقان اور بامیان کی عزت — یہ کم بخت تاناداری کوئی جگہ بھی نہیں چھوڑیں گے۔

معین الدین: لیکن ہم کب انہیں چھوڑتے ہیں، یہ کہیں بھی پہنچیں تعصبات میرم کی طرح ہم جیتے ان کے سر پر سوار رہیں گے۔ غزنی میں انھوں نے جو کچھ بویا ہے بامیان میں گواہیں گے۔
خوارزم شاہ: ان شاء اللہ، ان شاء اللہ!

کٹی ہوئی گرد و زل کا مینار

فالقہ اور راعیہ کو ایک نسبت محض مقام پر پہنچ کر خوارزم شاہ اپنی مختصر سی جمیعت کے ساتھ جو حکمرانوں اور جاں نثاروں پر مشتمل تھی چنگیز کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ اب تک صورت حال یہ تھی کہ وہ چھاپے مار رہا تھا۔ اور چھاپے مار کر واپس آجاتا تھا لیکن غزنی کی تباہی نے اس کے دل و دماغ پر اس قدر جو اثر کیا تھا کہ اس نے فوج کی کمی، ساز و سامان جنگ کی نایابی حالات کی ناسعدت، اور ناکامی کے پورے اندیشہ کے باوجود یہ طے کر لیا تھا کہ اس مرتبہ چھاپے پر اکتفا نہیں کرے گا۔ لڑے گا۔ اس وقت تک لڑے گا جب تک اس کے بازو شل نہ ہو جائیں!

اور ادھر چنگیز یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی پر زندہ نہیں رہنے دیکھا ان کے ایک ایک شہر کو کھنڈر بنائے گا۔ ان کی ایک ایک لہنی کو اٹھا کرے گا۔ ان کے ایک ایک گھر کو زمین کے برابر کرے گا۔ ان کی کھیتیاں حقلہ سے حقلہ کے باغیچوں میں آں لگا دیکھا ان کی بنائی ہوئی شاندار اور بے نظیر عمارتوں کو مٹی کا ڈھیر بنا دے گا۔ ان کے بچوں کو بوسوں عورتوں تک پر جم نہیں کرے گا جو سارے آریکے موت کے گھاٹ اتر کر رہیں گے۔

راستہ بھر دہ بھی منصوبہ تیار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی فوجیں طالقان میں داخل ہو گئیں۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی، جہاں کے باشندے وہاں میں زبردستی کی سکت تھی نہ ساز و سامان ہی تھا کہ لڑ جاتے اور دل کا حوصلہ کھول کر جاتے، انھوں نے سنت سماعت کی مخالفت اور انقیاد کا دم بھرا، چنگیز نے اسی شہر کے دولت مندوں اور رئیسوں اور تاجروں کو "پاکرہ" مرحمت فرمایا اور کہہ دیا کہ جن لوگوں کے پاس یہ پاکرہ ہے وہ ہر طرح محفوظ رہیں گے باقی کسی اور کے بارے میں وعدہ نہیں کیا جاسکتا، لوگوں نے یہ آدھی موت بھگوانا دیکر لی، لیکن ابھی یہ پہنچے بھی نہ پائے تھے کہ عقب سے تاناری فوجیں پہنچ گئیں اور انھوں نے کشت و خون، لوٹ مار، اور قتل و غنیمت کا سلسلہ شروع کر دیا جن لوگوں کے پاس پاکرہ تھے وہ مسلمان تھے وہ دروازوں پر کھڑے تھے کہ تاناری سپاہی اگر ادھر کا رخ کریں گے تو یہ نکتہ دکھا کر جان و مال بچالیں گے، لیکن جب تاناری سوار پہنچے اور یہ پاکرہ انھیں دکھائے گئے تو تاناری سپاہیوں نے یہ پاکرہ چھین لے اور گھروں میں گھس کر لوگوں کا قتل عام شروع کر دیا، انہی کچھ کو تھوڑا نہ عورت کو نہ مرد کو نہ بوڑھے کو، گھر میں کوئی چیز سلامت نہیں بچ پڑی۔ ہر چیز لوٹ لی، اور ابھی طرح لوٹ چکے کے بعد گھر کو ڈھا کر سارے گودیا، اور اس طرح ان کی آن میں وہ جگہ جہاں طالقان آباد تھا، ایک دیر انداز اور خراب بن گئی، چنگیز اس جگہ ایک ٹھکانے کے لئے بھی نہ ٹھہرا، اس نے طالقان کو تباہ و برباد کرنے کے بعد فوراً فوج کو حکم دیا کہ وہاں کی طرف بڑھے

یہ پاکرہ، غالباً تاناری زبان کا لفظ ہے۔ یہ ایسا سرکاری نشان تھا جسے دیکھنے کے بعد تاناری صاحب نشان کو روکے مارتے نہیں تھے۔

بامیان ایک آباد اور پر رونق شہر تھا۔ یہاں کی عورتیں یہاں کے باغات، یہاں کی
 نہریں ایک خاص امتیازی شان کی حامل تھیں۔ آبادی بھی کوئی تھی۔ کاروبار بھی خوب چمکا ہوا
 تھا۔ مال و دریاں اور دولت مندوں کی بھی کمی نہیں تھی اور سالہا سالہا بڑی تعداد میں موجود
 تھے، بامیان ایک ہندوئی شہر تھا۔ یہاں کی تہذیب، اور یہاں کی آفریں تہذیب آفریں
 زندگی نے لوگوں کی مثال کی ہیں ایک رعنائی سی پیدا کر دی تھی چکر بھر بھر وادست بہت دنوں
 سے اسی شہر پر تھا، درحقیقت انکھنوں میں ایسا پھنسا رہا کہ اس طرف توجہ نہ کر سکا۔ اب طالبان
 کا سوچا کہ مرکز کے بعد وہ سیدھا بامیان پہنچا، اور آتے ہی پھر کی شہر کے حاکم کو یاد اور
 ایسا خوریز اور ہوشیار کہ اپنی ساری قوت اسی مرکز میں اٹھانے شروع کر دی۔ بامیان کے لوگ
 حوصلہ مند تھے وہ جانتے تھے کہ اولاً خرمزنا ہے جب مرنا ہی ہے تو پھر پہاڑوں کی کوتاہی
 مرا جائے، بزدلوں کی موت کیوں قبول کی جائے، اگرچہ وہ لڑائی کیلئے تیار نہیں تھے، لیکن
 اسی سبیل پر شاہ کے مقابلہ میں ڈٹ گئے، تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے وہ تاریکی شکر کے
 مقابلہ میں بالکل پیچھے اور کمزور تھے لیکن عزم و ہمت، اور جوش و جذبہ کے اعتبار سے اُسے بڑھے
 ہوئے نہیں تھے، تو فردوز بھی نہیں تھے، چنگیز کو اتنی سخت مزاحمت اور مقاومت کی توقع
 نہیں تھی، وہ سمجھا تھا کہ جس طرح طالبان میں پھروں کیوں کی طرح انسان کی گروہ میں
 کھائی تھیں۔ اسی طرح بامیان جیسے مرکزی مقام اور گہوارہ تہذیب میں بھی سڑکوں اور
 گلیوں پر پانی کی طرح انسانوں کا خون بہا تھا اور مصفت سیل و دباؤں کا جابجا، لیکن ایسا
 نہ ہوا، اور ضعیف سے زیادہ عیش و مسکن کی نہ تھی لیکن وہ ایسی چیز تھی ثابت ہوئے جو ہاتھ کی ناک
 میں گھس کر اس کی زندگی جبر کر دیتی ہے، چنگیز کو پہلی مرتبہ اتنی سخت مقاومت سے دوچار ہونا پڑا
 تھا، وہ بار بار اپنے ولادروں کو اکسانا تھا، بڑھاتا تھا، بڑھاوے دیتا تھا اور ایک سے جذبہ

اور جوش کے ساتھ آگے بڑھتے تھے، پیش قدمی کرنے تھے، پوری بے دردی اور سفاکی کے ساتھ مسلمانوں کی گردنیں کاٹتے تھے، لیکن جتنی گردنیں کٹی تھیں، ان سے کہیں زیادہ سہم کئے کیلئے پھر آمیزہ ہوتے تھے، اس جنگ میں مسلمان بری طرح قتل کئے گئے، لیکن قتل ہوتے ہوئے بہت سے تاناکا کو بھی انھوں نے قتل کر دیا، میدان جنگ اگر مسلمانوں کی لاشوں سے پٹا پڑا لگتا تو جابجا تاناکا کی لاشیں بھی نظر آ رہی تھیں، یہ منظر دیکھ دیکھ کر جنگ کا غری کھول رہا تھا، اس کا بس نہیں جانتا تھا کہ کس طرح اس جنگ کو اس طرح ختم کرے کہ مسلمان کوئی بھی زندہ نہ بچے، اور تاناکا جتنے قتل ہو چکے ہیں۔ وہ سب کے سب زندہ اور نرگس ہو جائیں اور اگلے کھڑے ہوں!

دو شبانہ روز تک یہ ہولناک خونریز جنگ جاری رہی، ہمیشہ جنگ کے بعد مسلمان غلام بنائے جاتے تھے، آج جب جنگ ختم ہوئی تو اس طرح کہ کوئی رتھا جس کی گردن میں غلامی کی دبی ڈالی جاتی..... سب لرختے لڑتے شہید ہو چکے تھے، ہاں بچے تھے، بیمار تھے، عورتیں تھیں، بڑھے تھے، لیکن ان کی قسمت میں بھی غلامی نہیں لکھی تھی جنگ کے سانحے جب یہ سہم رسیدہ لوگ لائے گئے تو اس نے چیخ کر کہا

۔ میں ان میں سے کسی کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتا، اس ترس شہر میں ہزاروں تاناکا

قتل ہوئے ہیں۔ یہاں دشمن ایک آدمی بھی زندہ نہیں رہنا چاہیے!

حکم کی دیر تھی کہ قتل حکم کا خوں پھول سلسلہ شروع ہو گیا!

یہ دہتے ہوئے بچے، یہ سبھی ہوئی عورتیں یہ نحیف و زار بوڑھے یہ کردار ضعیف

یہ ایک صف میں بٹھائے گئے اور ان کی گردنیں کٹنے لگیں، ان کی زیادہ القیات کی ہڈیاں

بند ہوئیں، لیکن جنگ کے کاؤنک نہ پہنچ سکیں، اگر پہنچیں تو بے اثر دایہ ہجس۔

اس کو دارم کو انجام دینے کے بعد جنگیز سکرادیا۔ اب تک اس کے اگلے ہر شہنشاہ

پڑی ہوئی تھیں۔ لیکن تبسم کی جاں نوازی نے سفائی کے اس نشان کو بکھڑا تھا چنگیز نے سننا سے کہا۔

آج بے اندازہ لوگ قتل ہوئے۔۔۔ میں چاہتا ہوں ان کے ہونے سردی کا مینار۔
ہزاہ تاناکمیں دیکھوں کہ ہماری تلوار کی بلندی کہاں تک پہنچ چکی ہے۔۔۔۔۔ اس مینار سے
کو میں اسی طرح چھوڑ جاؤں گا تاکہ اگر کہیں خوارزم شاہ کا اس طرف گذر ہو تو وہ دیکھ کر اس
اس کے لئے کیسی نادر اور ناقابل فراموش چیز چھوڑ گیا ہوں۔

• متن خاں کے ہونٹوں پر بھی تبسم کھینے لگا، اس نے آن کی آن میں سلمان مردوں، عورتوں
اور بچوں کے سردوں پر مشعل ایک مینار بنا کر کھڑا کر دیا۔ یہ مینار اپنی بلندی میں پتہ مثال آپ
ہی تھا اس مینار کو دیکھ کر چنگیز ہنس پڑا اس نے متن خاں سے کہا۔
اچھی چیز ہے۔۔۔ میں خوش ہوا اے دیکھو کون!۔۔۔

اس سے قبل بھی میں نے گردنیں کاٹیں ہیں اور کئی ہویا گروہوں کے مینارے بھی بنوائے ہیں
لیکن جاں بیک مجھے یاد پڑتا ہے یہ مینار اب تک میناروں میں سب سے اونچا ہے!
متن خاں ابھی جواب نہیں دے پایا کہ خوارزم شاہ حالات سے اسزورہ دل اور غضبناک
با میان آیا۔ یہاں اس نے یہ جگہ نکال دیکھا۔ فوراً شاہیں کی طرح جھپٹا، اور ٹوٹ پڑا، تاناکا
سباہی لڑکھوڑ چکے تھے، اور مطمئن تھے کہ اب مرث آدم ہی کرتا ہے۔ اس اتفاق اور ناگہانی
حمل سے جب تک۔۔۔ سیغیس ہزاہوں کی گردنیں کٹ چکی تھیں۔ چنگیز نے اپنے بے چستائی کو
آگے بڑھایا وہ اپنے دلاور اور کھیلے ہوئے سباہیوں کو لے کر آگے بڑھا، اتفاق سے اسکا
اور خوارزم شاہ کی ٹڈبھڑ ہو گئی۔ خوارزم شاہ نے تلوار کا اسباچا ہوا ہاتھ مارا کہ وہ بہت
جست دہوتا تو ختم ہو گیا ہوتا۔ پھر بھی سرشار اور گردن بھائی گمراہ آگیا۔ چغتائی کے زخمی
لے بعض مرد جن نے چہرے بونے کا زخمی ہونا بیان کیا ہے جیسے وہ ہیں۔

ہونے کی اطلاع جب جنگیز کو ملی، تو وہ برق فنا بن کر اٹھا۔ اب اس کا لشکر بھی کُل طور پر تیلہ ہو چکا تھا۔ لیکن خوارزم شاہ کو اب ٹھہرنے کی ضرورت نہیں تھی، اس نے چند گھنٹہ کی اس مختصر سی مدت میں ہزاروں تانہوں کو ہسپتہ سے نیرت کر دیا تھا۔ جب وہ طوفان کی طرح چٹائی کو زخمی کر کے اور جنگیز کے دل پر لگی ڈنگا کر واپس چلا گیا، تانہاری تماقب کو بڑھے لیکن اس کی گرہ کو بھی نہ پاسکے !

— ۶۴ —

چٹائی کا زخمی ہونا اتنا اثر آسان نہ تھا کہ جنگیز غصہ سے بے قابو ہو گیا، اس نے ہاتھی کی طرح جنگھار کے متن غار سے کہا۔

چٹائی زخمی ہو گیا، خوارزم شاہ کی یہ جرات کہ میرے بیٹے کو زخمی کر دے، پھر وہ زندہ و بچا لے بھی نکل گیا، میں ان لوگوں کو سزا دوں گا جنہوں نے اسے نکل جانے دیا، لیکن قبل اس کے کہ وہ سزا پائیں، با بیان میں ہر جاندار کا وجود ختم کر دو یہاں کے پرندوں کو ہلاک کر دو، یہاں کے جانوروں کو ختم کر دو، یہاں کے چرندوں کو موت کے گھاٹ اتار دو، درخت پر کوئی چڑیا، زمین پر کوئی جانور سفر نہ آئے۔ جب تک یہ نہیں ہو جاتا میرے دل کو قرا نہیں آئے، سگھانہ

جنگیز کے دل کو اس وقت قرار آ گیا، جب اس نے اپنی آنکھ سے کبوتروں، چڑیوں، مرغیوں، بھینسوں، بکریوں، بھیروں، گھوڑوں، اور گدھوں کی لائقہ ادکٹی ہوئی گرد و غبار دیکھی !

جنگیز کا انتقام کتنا ہونا چاہیے، لیکن یہی انتقام خوارزم شاہ کے سامنے کتنا پس تھا

یہ تاریخی واقعہ کہ اپنے بیٹے یا پوتے کے زخمی ہونے کے بعد جنگیز نے حکم نامہ لکھا تھا کہ چرند پرند سب ہلاک کر دیئے جائیں :

احساس کمتری

چنگیز خاں خوارزم شاہ کے ان پے بہ پے حملوں سے عاجز آ گیا تھا۔ اور اسیان میں اس کے بیٹے چغتائی کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا تھا، اس نے اسے اور زیادہ فعل و اثر کر دیا تھا۔ وہ غور و غضب سے اس کا چہرہ تنہا ہوا تھا اور وہ اپنی بوٹیاں بونچ رہا تھا، کوئی صورت ذہن میں ایسی نہیں آ رہی تھی کہ وہ خوارزم شاہ اور اس کے عزم و ہمت کو کھل دیتا، درحقیقت اب وہ ان پے بہ پے میناروں اور ترکستریوں سے عاجز آ چکا تھا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ دل ہی دل میں خائف ہو چکا تھا، تو ذرا بھی مبالغ نہ ہوگا۔ قسمت کا مار اس خاں اس کے لئے پہنچ گیا۔ اس نے چاہا کہ اس وقت چنگیز کو برہم اور غضبناک دیکھ کر واپس چلا جائے، اسے یاد اس واپس ہو رہا تھا کہ چنگیز کی نظر پر ڈگئی۔ اس نے گوجدار اور دایس سے بچا رہا۔

تمن خاں ادھر آؤ۔

تمن خاں وہیں رک گیا۔ ذرا کے ذرا کھٹکا، اور پھر اپنے اتائے نفرت کے سامنے کھڑا

ہو گیا!

چنگیز نے کہا

”دربار“ — ۱۰

جب وہ دربار کا اتفاقاً استعمال کرتا تھا، تو اس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ کوئی کھواہم
 مد پیش ہے، اور وہ اصحاب فکر و رائے کو مجمع کر کے، ان سے صلاح مشورہ کرنا چاہتا ہے
 وہ فوراً واپس گیا۔ اس نے سردار ان لشکر اور اکابر اعیان کو حج کی عمر تہی ہی دیر میں چنگیز
 کا خیمہ فوج کے سرداروں، امیروں، سپہ گروں اور اس کے ہر کوئی سے بھر گیا۔ مجلس پر کثرت
 کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ چنگیز کی دہشت سب پر مسلط تھی، کسی میں یارا نہیں تھا کہ باب سخن
 واکرے، سب حیران، ششدر و خاموش و مضطرب بیٹھے ہوئے تھے، آنکھیں زمین پر تھیں، سر
 جھکے ہوئے تھے خیالات پریشان دل و دماغ پر چھلے ہوئے تھے!
 اتنے میں نیل مست کی طرح چنگیز چٹکھاڑا، سب دہل اٹھے۔

چنگیز: میں آج تک شکست سے دوچار نہیں ہوا میں نے کسی سے بار نہیں مانی، میں دنیا
 کی کسی شخصیت سے مرعوب و متاثر نہیں ہوا، جس کی بڑی سے بڑی قوت سے ذرا
 نہیں سہما۔ بناء میں غلط فہمیں کہتا؟

نیل جی آوازوں سے خیمہ گونج اٹھا!

”نہیں — نہیں — ہمارا بادشاہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ بہادری میں کیا
 ہے ساری دنیا اس کے نام سے کاپنتی ہے۔ وہ دنیا کا سب سے بڑا فاتح اور
 کٹر دشمن ہے۔ وہ اس دنیا پر ابر رحمت کی طرح چھایا ہوا ہے۔ دنیا کے لوگ اسے
 ہیں کہ اس سے نہیں، ڈریں۔ اس کے سامنے سر عبودیت ختم کر دیں اور دھرم
 اس لئے ہے کہ سب پر حکومت کرے اسے کوئی نہیں ڈا سکتا وہ کسی سے
 مرعوب و متاثر نہیں ہو سکتا۔“

چنگیز : ہاں ساری دنیا مجھ سے میرے نام سے لرزتی ہے کاہتی ہے — لیکن کیا

خوارزم شاہ بھی؟

لی علی آذریں پھر بلند ہوئیں۔

وہ بھی — وہ بھی !

چنگیز : گر جتنے ہوئے ! نہیں بھٹ زبوں، وہ مجھ سے ذرا بھی نہیں ڈرتا !

سب لوگ خاموش ہو گئے !

اور چنگیز نے ایک مرتبہ پھر سبکو مخاطب کر کے کہا۔

خوارزم شاہ مجھ سے نہیں ڈرتا، ذرا بھی نہیں ڈرتا، وہ میرا مذاں اڑاتا ہے

میں نے بلند بالا عمارتوں کو کھنڈ بنا دیا، میں نے بڑے بڑے تاریخی شہروں کو

خاک کا ڈھیر بنا دیا، میں نے جنگلوں، باغوں اور کھیتوں کو جلا کر خاک کر دیا، میں نے بہادر

سپہ گردن، سرداروں اور جوانوں کی گردنیں کاٹ لیں،

میں نے خون کی ندیاں نہیں سمندر بہائے

میں نے جانوروں تک کو ہلکا کر دیا، اور انہیں قید قید کر دیا، میرے سامنے آنے کے

بعد کوئی بھی اپنی جان سلامت نہ لے جاسکا۔

لی علی آذریں، پھر بے ساختگی کے ساتھ بلند ہوئیں۔

بے شک — بے شک !

چنگیز : لیکن میں جلال الدین خوارزم شاہ کو شکست دے سکا، میں اس کے عزم و ہمت

کو بخر و صحرے کر سکا، میں اس کی خودداری اور عزت نفس کو کچلنے میں کامیاب نہ ہو سکا

بتاؤ، میرے دوستو، ساتھیو، رفیقو، میں غلط تو نہیں کہتا ؟

کہتے کہتے اپنی تقریر کا رد عمل دیکھنے کے لئے ذرا کے ذرا دھڑکا!

سب خاموش بنے سب پر سناٹا چھایا ہوا تھا!

چینگیز، مجھے اپنے وجود سے شرم آنے لگی ہے..... میں نے ہر موڑ کے میں زیادہ سے

زیادہ تازہ دم فوجیں بھونکیں۔ اور موڑ کے زندہ دلی اور شہادت کے ساتھ

خوارزم شاہ بک کو نکل گیا..... مجھے نقصان پہونچا کہ میرے سپاہیوں

اور دلاوردی کی گردن کاٹ کر میرا منہ چڑا کر، وہ موج وریا کی طرح نکل گیا

اور میں کچھ نہ کر سکا!

ایک سردار نے کہا

لیکن کب تک؟ — آخر ایک نہ ایک دن وہ ہمارے ہاتھ آئے گا!

دوسرے نے کہا

اور اس کا بھی وہی حشر ہو گا جو اس کے لاکھوں ہم قوموں کا ہو چکا ہے!

چینگیز ہاں۔ — لیکن وہ دن کب آئے گا..... کیا میری

زندگی میں؟

میں خاں، ضرور جزو آپ کی زندگی ہی میں وہ دن آئے گا، وہ گونہار ہو کر، ہمارے شاہ

دلا جاہ کے سامنے پیش ہو گا اور اپنے کیفر کو دلو کو پہونچے گا!

چینگیز یہ طفل شایاں میں..... مجھے ان باتوں پر یقین نہیں آتا!

میں کبھی لایوس نہیں ہوا، لیکن اب ایسی فوج پر غالب پاتی ہے!

وہ جہاں بھی ملے میں اس سے فیصلہ کن جنگ کا فیصلہ کر چکا ہوں، اس مرتبہ اسے

بچ کر نہیں بچنے دوں گا، دوسرے پہنچے پہنچ کر نہیں نکل سکے گا! —

وہ دریا کی تہ میں بھی ہو گا۔ تو میں اس کا تعاقب کروں گا، اور وہاں سے اسے
پکڑ لادوں گا؛ تم پیستہ چلاؤ وہ کہاں ہے؟ اور کس طرف
جار رہا ہے؟

تمن خاں: سردار عالم پناہ! آپ کے غلام اس کا پتہ لگا چکے ہیں؛
چینگیز: (خوش ہو کر) پرچہ کتنے نیو..... تیار وہ کہاں ہے؟
تمن خاں: وہ باسیان سے غزنی گیا
چینگیز: غزنی..... وہاں کے کھنڈروں کی زیارت کر کے وہ
کیا کرے گا؟ کیا پاسے لگا؟
تمن خاں: لیکن وہاں بھی وہ ٹھہرا نہیں۔
چینگیز: پھر کہاں گیا؟

تمن خاں: میرے آقا، وہ ہندوستان جا رہا ہے.....
چینگیز خاں: (متوجہ ہو کر) ہندوستان جا کر کیا کرے گا؟
تمن خاں: ہندوستان پر کبھی مسلمانوں کا قبضہ ہے اور وہ ان مسلمان بادشاہوں کی
قوت و طاقت سے واقف ہے، ہندوستان ایک وسیع ملک ہے، اس کے ذرائع
و وسائل لامحدود ہیں اس کی جنگی قوت بہت بڑھ چکی ہے، وہ سونے کی کان ہے
وہاں دنیا کی ہر چیز موجود ہے؛

چینگیز: تو خوارزم شاہ کو اس سے کو وہ دن سلطان بادشاہوں کی مدد حاصل کرے گا؟ اور
اور یہ مددے کہ ہم پر چڑھائی کرے گا؟

تمن خاں: بیشک میرے آقا اس کا یہی مقصد ہے، وہ اس کا مقصد کوئے کو بھارت کی طرف

کون جیتا؟

جلال الدین خوارزم شاہ نے محسوس کر لیا تھا کہ چنگیز کا خاتمہ اس چگ چاؤلی (گوریلا لائی) سے نہیں ہو سکتا، خلافت عباسیہ سے جو امیدیں تھیں وہ منقطع ہو چکی تھیں عزیزوں اور بھائیوں نے پہلے ہی آنکھیں پھیر لی تھیں، دوسرے ملوک و سلاطین سے بھی کوئی امید باقی نہیں رہ گئی تھی۔ سب چنگیز کے نام سے کانپتے اور لرزتے تھے۔ بار بار اسکی نظریں ہندوستان پر رکتیں یہاں بھی مسلمان حکماں تھے اور ان کی قوت و شوکت ہیبت و عظمت اور جلال و وقار کا ڈنکا بجا رہا تھا۔ ان کے غیر العقول کارناموں اور غیرت ملی کے اضافہ میں ابھی خوارزم شاہ اچھی طرح واقف تھا سندھ میں سلطان شہاب الدین غوری کا نامور غلام تاج الدین یلدرم حکمرانی کر رہا تھا۔ سندھ ہی کو خوارزم شاہ نے تاکا اور اسی طرٹ گھوڑے کی باگ موڑ دی، چونکہ اب وہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا رہا تھا، اس لیے اپنی والدہ اترکان خان، بیگمات اور بچوں کو بھی اس نے جمع کر لیا تھا، یہ سب بھی ساتھ جا رہے تھے۔ اسکا ارادہ تھا کہ سندھ میں کچھ آرام کرے گا، پھر اگر یلدرم نے مدد کی تو خیر، ورنہ دہلی تک پہنچے گا اور وہاں سے ایک لشکر گراں لے کر چنگیز کا مقابلہ کرے گا اور جب تک اسے صحرائی گوبی میں دلہن نہیں بھیج دیا

جس سے نہیں مجھے مہم!

ادھر چنگیز بھی خوارزم شاہ کی گوریلا لڑائی سے تنگ آچکا تھا، اس نے بڑے بڑے ملک ویران کر دیئے، بڑی بڑی حکومتوں کو غارت کر دیا، بڑی بڑی بادشاہتوں کا تخت الٹ دیا، لیکن ایک مشت خاک خوارزم شاہ اور اس کے معطلی بھر جانباڑوں کو فنا نہ کر سکا، یہ اس کی سب سے بڑی ناکامی تھی، یہ اس کی بے پناہ قوت و شوکت کیلئے سب سے بڑا چیلنج تھا، یہ اس کی عالمگیری کشور کشائی اور شان و جلال پر کھلا ہوا طنز تھا، تمسخر تھا، اسے وہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا! وہ ہر قیمت پر یہ بازی جیت لینے کے لئے بیکار تھا! —

وہ اس آخری داد پر سب کچھ بھینٹ چڑھانے کے لئے تیار تھا چنانچہ جیسے ہی جاسوسوں نے اطلاع دی کہ خوارزم شاہ ہندوستان کی طرف بڑھ رہے وہ تینا باغ خیمہ سے نکلے اور گھوڑے پر اچک کر بیٹھا اور کوچ کوچ کا نفرین لگا تاہو اچھن کھڑا ہوا، وہ ایک منٹ کی تاخیر بھی گوارا نہیں کر رہا تھا۔ اسے ڈر ہو گیا کہ کیا یہ خوارزم شاہ ہاتھ سے نکلے جائے، وہ چاہتا تھا ہندوستان کی سرزمین تک پہنچنے سے پہلے اسے گرفتار کر لے اور پھر قرار و امنی سزا دے!

چنگیز کی فوجیں سندھ کی طرف بڑھنے لگیں..... یہ فوجیں اتنی ہوشیار اور سبک روئی کے ساتھ بڑھیں کہ انھوں نے عین دریائے سندھ کے دھانے پر خوارزم اور اس کے لشکر کو تین طرف سے گھیر لیا... چوتھی طرف بحرناپیدا کنار کی ناظم خیز اور پرشہر فوجیں تھیں،

جلال الدین خوارزم شاہ، جواب تکا منسوب، زہد سکا اس کی وجہ بہادر کا اور شجاعت کا سوا یہ بھی کچھ کہ وہ تیز رو اور سبک یا تھا اور آدھی کی صبح آتا تھا، اور کبیلی کی طرح

اپنی چمک دکھا کر غائب ہو جاتا تھا۔ لیکن اب وہ گھر گیا تھا۔ اب اس کے سامنے دو ہی راستے تھے،

غلامی کی زندگی..... یا موت!

وہ غلامی کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا تھا، وہ مرنے کیلئے اپنے مٹھی بھر جانناؤں کے ساتھ تلوار سونت کر میدان میں کود پڑا۔ وہ کھاگ سکتا تھا، بھاگ کر اپنے ہاں پکوں اور ان ٹھوڑے سے سپاہیوں کی جان بچا سکتا تھا، لیکن وہ ایک باغیرت اور خود ارشخص تھا، مر جانا آسان تھا۔ لیکن زندہ رہ کر ذلت کی زندگی بسر کرنا بہت مشکل تھا! کم از کم اس کے لئے ناممکن تھا۔

وہ موت سے بے پروا ہو کر لڑ رہا تھا، زخمی ہو رہا تھا اور قتل کر رہا تھا اس نے منیفد کر لیا تھا کہ مر جائے گا مگر جب تک دم میں دم ہے تلوار نہیں پھینکے گا۔ یہی حال اس کے جری اور جاں باز ساتھیوں کا تھا!

چنگیز کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا، اس جنگ کو سربراہ اس کو بڑا سببا تو لی غارتھا جسے چغتائی بھی کہتے تھے۔ اس کے بیٹے کو باپ نے حکم دیا تھا کہ ہر قیمت پر جنگ جلد از جلد جیتی جائے اور تولی خان (چغتائی) باپ کے سعادت مند بیٹے کی حیثیت سے اس حکم کو ٹی جاہر پہنانے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا!

گھیرا اور تنگ ہو گیا

اور اس مرتبہ حوالی الدین خوارزم شاہ کا خاصو خیمہ جس میں اس کی بیگمات اور

مال اور بچے تھے۔ قبضہ میں آگیا، تولی خان دودھ اور دڑا باپ کے پاس گیا اس نے یہ خوشخبری سنائی چنگیز نے یہ خوشخبری سن کر تولی خان کو گلے سے لگایا، اسکی پیٹھ پھکی

شاہاں لب پیشانی کو بوسہ دیا، اور حکم دیا کہ سب کو گرفتار کر کے حاضر خدمت کیا جائے
 فوراً ہی حکم کی تعمیل ہوئی، خوارزم شاہی خواتین گرفتار ہو کر آگئیں، ان گرفتار شدہ گمان
 میں خوارزم شاہ کے چار نو عمر لڑکے بھی تھے بڑے لڑکے دن میں باپ کے ساتھ دانش جماعت
 دے رہے تھے اور یہ شیر خوار بچے چنگیز کے قبضہ میں تھے اتنے میں ایک ننھا سا بچہ رونے
 لگا چنگیز نے کہا: یہ کون رو رہا ہے؟
 چنگیز: یہ خوارزم شاہ کا ننھا سا بچہ ہے؟

تو بیخاں: سانپ کا بچہ سنو! ہمارے سانے لاؤ..... یہ آج بچہ ہے،
 چنگیز: بڑا ہو کر خوارزم شاہ بنے گا، نہیں میں اسے خوارزم شاہ نہیں بننے دوں گا، یہ
 یہ خوارزم شاہ نہیں بن سکتا..... یہ زندہ رہنے کا حق نہیں رکھتا!
 اور مرلا داسے!

ایک سپاہی بچہ کو گود میں اٹھا کر لایا اور چنگیز کے سامنے کھڑا ہو گیا، بچہ نے رونا
 بند کر دیا اور حیرت سے چنگیز کی صورت دیکھنے لگا، پھر وہ مسکرایا، اور پھر اس نے ایک
 ہاتھ سے چنگیز کی ڈاڑھی ہلک کر پکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے اس کے گال پر ہلکا پھلکا لگایا
 چنگیز جھٹکا۔

تسل کر دے اسے!

فوراً خوارزمی، اور بچہ کی گردن زمین پر دھم سے گر پڑی

لے جانے والے خوارزم شاہ کے بچوں کے تسل کی دردناک لرزہ خیز داستان تمام تاریخوں
 میں مذکور ہے۔ یہ سفلی کی انتہا تھی لیکن چنگیز سے توقع بھی یہی تھی!۔

چنگیز: ایک خوارزم شاہ میدان جنگ میں لڑ رہا ہے۔ دوسرے کی گردن میرے سامنے
کٹی ہوئی پڑی ہے!

پھر اس نے قبچہ لگایا اور کہا

چنگیز: کچھ ان لڑائے بھی خوارزم شاہ کے گرفتار ہوئے ہیں؟
تولی خاں: جی۔۔۔ تین اور ہیں!

چنگیز: انہیں بھی لاؤ!

فوراً ہی تین نو عمر اور معصوم بچے لاکر سامنے کھڑے کر دیے گئے، جو بڑی بے بسی
سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ اور غمناک آنکھوں سے پوچھ رہے تھے۔
ہم نے کیا خطا کی ہے،۔

چنگیز نے ان معصوموں پر ایک نظر ڈالی اور گرجتے ہوئے کہا

چنگیز: ان سب کی گردن اڑا دو!

کھٹا کھٹ تین تواریں چلیں، اور ان کی آن میں تین چھوٹی چھوٹی لاشیں پڑنے لگیں!
چنگیز: کوئی اور بھی باقی ہے؟

تولی خاں: جی۔۔۔ ایک چند ماہ کا بچہ اور ہے، سو رہا ہے ماں کی گود میں!

چنگیز: اسے بھی دو!

تولی خاں: اس کی ماں کسی طرح اسے نہیں چھوڑتی۔

چنگیز: وہ بوی کو لاؤ۔

فوراً ہی ایک خاتون چند سپاہیوں کے جلوں گود میں ایک بچے ہوئے حاضر ہوئی
چنگیز اسے دیکھ کر حیرت اور بے ساختگی کے ساتھ پیچ پڑا۔

چنگیز: تو — تو —؟

یہ نائنہ تھی

چنگیز: اب تو نک کر کہاں چلے گی؟ — لیکن میں ایک شرط پر تیری اور تیرے بچے کی جان بخشی کر سکتا ہوں!

نائنہ: زندگی کا مالک خدا ہے، میری اور تیری زندگی اسی کے ہاتھ میں ہے! چنگیز: (اپنی تلوار کی طرف اشارہ کر کے) ساری دنیا کی زندگی میری اس تلوار کی لوک میں ہے۔ — دیکھ خواہ زم شاہ کا کس بن چکی گیا۔ اب وہ ہمارے ہاتھ میں ہے اس کے بچوں کو میرے قتل کر دیا۔ تجھے اور تیرے بچوں کو بھی قتل کر سکتا ہوں اگر تو چاہے تو۔

نائنہ: میں نہیں چاہتی!

چنگیز: حیرت سے اور زندہ رہنا نہیں چاہتی یا اپنے بچے کی لاش دیکھ کر مرنا چاہتی ہے؟

نائنہ: ہاں —!

چنگیز: حیرت ہے — کیوں؟

نائنہ: جب میرا آقا موت کے دھانڈ پر پہنچ چکا ہے اور میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ نہیں نک سکتا تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گی؟ — یہ بچہ زندہ رہ کر کیا کرے گا؟ ہم سب کو مر جانا چاہیے!

چنگیز: زندگی سب کو پیاری ہوتی ہے، خاص طور پر اولاد کی، میں تجھے ایک موقع اور دیتا ہوں، میری شرط —

فالٹہ : تو دنیا کا کتا ہے جو مرث بھونکنا، بچے مارنا اور خون چوستا جانتا ہے ،
 کتہ سے جو زندگی ملے وہ موت سے بدتر ہے ، تنگ زندگی ہے وہ زندگی ،
 چینگیز : الفاظ سنکر پھر گیا
 چینگیز : اس گستاخ کی زبان کاٹ لو ، ذبح کر دو اسے ۔ لیکن نہیں پہلے اس کے
 بچہ کو پھر اسے ۔ !

فالٹہ : نہیں اس مضموم بچہ کی مقدس زندگی تیری تلوار کے حوالے نہیں کی جاسکتی
 میں اسے قبر دے چکی ہوں یہ مرچکا ہے ۔ لے ،
 یہ کہہ کر گود سے بچہ کو اٹھا کر فالٹہ نے بھید کا ، وہ چینگیز کے منہ سے نکل آیا
 اور بعد سے زمین پر گر پڑا ،

چینگیز : مارو ۔ قتل کر دو اسے !
 فالٹہ : میں کبھی ۔ زہر ۔ ہاں ۔ چکی ۔
 اور یہ کہتے کہتے لڑکھرائی اور تیور اکبر کو پڑی ، پتلیاں اور چڑھ گئیں ، ادراک
 مرتبہ تشنج کیفیت اس پر طاری ہوئی اور پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سو گئی ۔
 ان دونوں حادثوں نے چینگیز کو کبھی چکر ادیا اور حاضرین کی تو یہ حالت تھی کہ
 ان پر مرگ کا سا سکوت چھایا ہوا تھا !

کئی منٹ تک یہی کیفیت طاری رہی !

پھر چینگیز چنگیسار !

چینگیز : کہاں ہے میرا بیٹا چغتائی ۔
 چغتائی : (سچے بڑھ کر) میں حاضر ہوں ۔

چنگیز: میرے بعد تجھے بادشاہت سنبھالنی ہے، میں تجھی کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا ہوں
 کہ اس خوارزم شاہ کا سر تو قلم کرے، دیکھ اب تک وہ جیداری کے ساتھ لڑ
 ہے، وہ اپنے معنی بھر سپاہیوں کے ساتھ جدوجہد کر رہا ہے، بعض کی بعض
 الٹ دیتا ہے، یہ میرے لئے، تیرے لئے، ہمارے تانہاریوں کے لئے باعث
 نفع و عار ہے!

چغتائی: وہ اب ہمارے بچے بچ کر نہیں نکل سکتا، اس کی ہلاکت کا شرف
 میں اکیلا نہیں حاصل کرنا چاہتا، اس شرف میں ہماری ساری فوج شریک
 چنگیز: ہاؤہ کس طرح میرے بیٹے!

چغتائی: ایک طرف بکر ذخار کی طرح دریائے سندھ لہریں لے رہا ہے، دوسری طرف
 باقی ماندہ ہر سر اطراف ہے، کمان کی طرح تانہاریوں نے اسے اپنے گھیر لے
 لیا ہے، ہمارے حصار کا وہ آہستہ آہستہ ننگ تر ہو تا چلا جا رہا ہے، وہ
 زندہ گرفتار ہو گا، پھر مارا جائے گا۔

چنگیز: بہت اچھی تجویز ہے، ہر قیمت پر اسے گرفتار کر دو، گرفتار کرنے کے بعد ہمارے
 سامنے پیش کر دو، ہم اس سے کچھ باتیں کر لیں پھر اسے قتل کر دے
 چغتائی: یہی ہو گا، والد محترم!

چنگیز: اپنے خیمے کے دروازہ پر کھڑا ہو، جنگ کا سادبجہ رہا ہے، چغتائی! اس کے

لے بیروٹہ صیب نے اپنی کتاب - چنگیز - میں لکھا ہے:
 چنگیز خان نے حکم دیا تھا کہ جلال الدین خوارزم شاہ کو زندہ گرفتار کیا جائے:

• ہر باپ کے بیٹے کو اتنا ہی دلیر اور ایسا ہی بہادر ہونا چاہیے! لے
چغتائی گردن جھکا کر یہ باتیں سننا رہا پھر چنگیز نے کہا۔
چنگیز: اب تعاقب بیکار ہے، چلو واپس چلو، اس نے شکست نہیں مانی وہ فاتح ہے

لے چنگیز خاں اس جانباز کو دیکھ رہا تھا جو کچھ گھوڑے کے دریا میں کود پڑا تھا، غوری دیر تک
بالکل خاموش کھڑا حیرت سے خوار زم شاہ کو دیکھتا رہا۔ پھر انگشت بدندان ہو کر اسکی تشریف
پر بے اختیار جلو کہا: بڑا خوش نصیب تھا وہ باپ جس کا یہ فرزند ہے! (چنگیز خاں ہیر لدلیب)
اس کی لقمہ حق فارسی تاریخ سے ہوتی ہے

چوں میں احوال مشاہدہ چنگیز خاں گشت، گریبان تابار وندال گردنہ

براء آفریں کرد و گفت از پسر، بشتش ز پایہ بر گیتی پسر

پھر اچ شیر اسن فر دہ جنگ، بہر یاد دلیر است پھر گفت

دروئے فرزندان آرد و گفت: در چنان چہ پسر جنیں پایہ! (رد و غنہ الصفاق ج ۱۲)

۷۔ شہر وں کو تباہ و غارت کر کے جب آخری دبر الہ شہر سے چنگیز خاں آگے بڑھنے لگا تو
حسب معمول حکم دیا جس قدر اسیران جنگ لشکر کے ساتھ میں ان سبکو قتل کر دیا جائے، لشکر کیلئے
منسوب بادشاہوں کی بیگمات بھی تھیں، منزل ان کو گوبی لے جا رہے تھے ایک جگہ ان عورتوں کو حکم ہوا
کہ لشکر کے کنارے بیٹھ کر اپنے وطن پر آخری نگاہ ڈال کر نوحہ کر لیں۔ ”دیر لدلیب! چنگیز خاں
فارسی تاریخوں میں زیادہ وضاحت ہے۔ شاید اس لئے کہ تہم دید واقعات میں!

• چنگیز خاں از صوبہ سمرقند بہ صوبہ بلخستان روانہ شد و فرمود تا ترکان غلات و والدہ سلطان

محمد خوارزم شاہ و حم ہائے آل بادشاہ عالی را پیش پیش لشکر بردند و با دزدانہ دہانی منصرف ہوئے

یہ کہہ کر اس نے چغتائی کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اپنے خیر کی طرف اس کا ہتھکڑا
 لے کر بڑھا، وہ واقعی اس وقت شکست خوردہ مسکوم ہو رہا تھا!..... اس کی ساری
 محنت اکارت گئی تھی! اور جلال الدین خوارزم شاہ زبان حال سے چنگیز کو مخاطب کر کے
 لہر رہا تھا! ہے

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھر دے
 مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

برایوان و سلطان تاج و سیر برہم دقت فوج کند و نصیر!
 دترکان خاقان - بے آن قتل ترکان و تمامی آن راہ
 ہمیں ریخت آب و ہمیں کند سوئے
 جہان ازاں قعدہ دگفت دگوئے

(حمید السیر ج ۱، اول، جلد سوم ص ۱۷)

ختم شد

